

# فتاویٰ ملک العلماء

مَلِكُ الْعِلْمَانِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قَلَابَرٍ أَصْحَابُ عَلَمَيْنِ

ترتیب و تقدیم

ساحل سمیرانی

ترتیب احادیث

نبیہ و ملک العلماء ڈاکٹر طارق مختار

ترتیب فتویٰ

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ایم اے

ایڈیٹر

# فتاویٰ ملک العلماء

مَلِكُ الْعِلْمِ شَافِعِيٌّ رَافِعِيٌّ دُرِّيٌّ وَصَوَّافِيٌّ

تہذیب و تصنیف  
ساحل سہیل رائی دہلوی

مترجم  
نبیرہ ملک العلماء دارق مختار  
محقق  
عبدالحق صاحب  
پیشوا قبا اجمہار شیخ عالمی  
ایڈیٹر: شاہ

# جملہ حقوق بحق ناشر جسٹری شدہ محفوظ ہیں

ناضح البشرفی قادی ظفر (۱۳۳۹ھ)

نام کتاب:

قادی ملک العلماء (۲۰۰۵ء)

ملک العلماء الشاہ محمد ظفر الدین رضوی قادری (م ۱۹۶۲ء)

مصنف:

قادی - فاضل حنیف

موضوع کتاب:

۱۳۳۹ھ

سال تصنیف:

۱۳۳۶ھ - ۲۰۰۵ء

سال طباعت:

علامہ ساجل شہسروی (علیگ)

ترتیب و تقدیم:

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

ترغیب و تشویق:

ڈاکٹر مختار الدین احمد (علی گڑھ)

مقدمہ و کلمات تکریم:

ارشاد احمد رضوی ساجل شہسروی - الجمعہ الرضوی بریلی شریف

ناشر:

۱۱۰۰

تعداد:

۵۱۲

صفحات:

۳۰۰ روپے

قیمت:

تقسیم کاران کتاب

۱۸۲ خطہ سوات گراں بریلی شریف

الجمع الرضوی:

نیپال جامع مسجد علی

مکتبہ نعیمیہ:

۳۲۵ فیصل جامع مسجد علی

کتاب خانہ مسجد:

کالج بخش روڈ لاہور پاکستان -

مکتبہ نبویہ:

ریگل چوک کراچی پاکستان

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا:

پاکستان میں رابطہ آفس

مکتبہ نبویہ - کالج بخش روڈ - لاہور

0300-4235658

## شرف انصاف

فقہائے احناف خصوصاً

- ☆ سراج الامۃ امام اعظم ابو حنیفہ نعمان ابن ثابت رضی اللہ عنہ
- ☆ عطائے رسول خواجہ سید معین الدین حسن چشتی حنفی رضی اللہ عنہ
- ☆ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری حنفی قدس سرہ
- ☆ فقیہ اعظم ہند علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی حنفی علیہ الرحمہ

کی بارگاہِ قدس میں نذر گدایانہ

چہ از صفائے ارادت زخمِ بمہر تو دم  
ضمیر پاک ، دل روشنت گواہ من است

گدائے بنو!

ماہل

## تقریظ جلیل

تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا خان قادری ازہری

قائم مقام مفتی اعظم ہند، بریلی شریف

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

پیش نظر فتاویٰ ملک العلماء حضرت علامہ شاہ مفتی محمد ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ کے ہیں۔ حضرت ملک العلماء میرے جدا جدا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ کے خاص فیض یافتہ تلمیذ، مسترشد اور غلیظہ ہیں جنہوں نے اپنی پوری زندگی اعلیٰ حضرت کے مسلک عشق و محبت یعنی سنیّت کی ترویج و اشاعت میں گزاری۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بھی حضرت ملک العلماء کے ساتھ ہمیشہ خصوصی شفقت کا معاملہ رکھا۔ اپنے مشہور تصدیقہ ”الاستاد“ میں فرماتے ہیں کہ میرے ظفر گو اپنی ظفر دے اس سے نکلتیں کھاتے یہ ہیں

آج ملک العلماء کے مرتب فتاویٰ دیکھ کر دل و ماغ میں ان کی یاد پھرے تازہ ہو گئی اور دل کو بے حد مسرت کا احساس ہوا۔ اپنی علامت کے سبب اس مجموعہ فتاویٰ کو خوشوق پڑھ نہ سکا لیکن ان فتاویٰ کے مرتب عزیز القدر مولانا ارشاد احمد رضوی مصباحی ساحل شہسرا می سلمہ سے کچھ اقتباسات اور ذیلی عنوانات سنے۔ جس قدر فتاویٰ میں نے سنے، خوب ہیں۔ مرتب نے مجھے بتایا کہ بیشتر فتاویٰ اس دور کے ہیں، جب ملک العلماء بریلی شریف میں قیام رکھتے تھے۔ حضرت ملک العلماء کے چھ گراں قدر فقہی رسالے بھی اس میں شامل ہیں جو اس مجموعہ کی افادیت کو دو چند کرتے ہیں۔

ملک العلماء کے ان چند منتشر فتاویٰ کو مرتب سلمہ نے بہت کاوش سے مرتب کیا ہے اور اس پر ایک مہسوط تقدیم بھی تحریر کی ہے جو فقہ کی تعریف، تاریخ وغیرہ اور ملک العلماء کی فتاہت کے گوشوں کو محیط ہے۔ یہ تقدیم بہت معلوماتی اور شائقین فقہ کے لیے کارآمد ہے۔

اللہ تعالیٰ مرتب موصوف کو اس قیمتی خدمت پر جزائے خیر دے اور دین و ملت کی مزید خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مجموعہ فتاویٰ کو مقبول عام اور مفید نام بنائے۔ آمین بجا وسید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

الحمد لله الذي جعلنا من عظماء

الفقیر محمد اختر رضا القادری اللہ زہری غفرلہ

## حکایت تکریم

### پروفیسر مختار الدین احمد

و اُس چائسل مظہر الحق عربی قاری نہ نہروٹی پختہ  
و سابق صدر شعبہ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

والد ماجد ملک العلماء حضرت مولانا شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ علم و فضل، زہد و تقویٰ میں  
مہرین ایک ممتاز شناخت رکھتے تھے۔ انہیں یہ امتیاز بارگاہ الہی سے عطا ہوا تھا اور اس کے حصول میں ان کے عمر بھر  
دور شد امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمہ کی بابرکت صحبت اور تربیت کا خاصا دخل تھا۔ فاضل  
دینی کی ممتاز ترین شناخت ان کی فقہت اور فتویٰ نویسی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان کی پیشہ تصانیف کسی نہ کسی استقامت  
و تہادب ہیں۔ اس لئے والد ماجد بھی ان کے فیض یافتہ ہونے کی وجہ سے فقہت کا خاص رنگ اور فتویٰ نویسی کی  
گہری بصیرت رکھتے تھے۔ دنیا انہیں ایک ماہر ہیئت وال، محدث، خطیب اور مناظر کی حیثیت سے پہچانتی رہی لیکن  
ان کی فقہی بصیرت کی روشنی و ستارہ باضابطہ طور سے آج تکلی بابر مظفر عام پر آ رہی ہے۔

والد ماجد علیہ الرحمہ نے فتویٰ نویسی کا آغاز اپنی طالب علمی کے زمانے سے ہی کر دیا تھا۔ ان کا سال فراغ  
۱۳۲۵ھ ہے اور انہوں نے پہلا فتویٰ ۸ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ کو تحریر فرمایا، جب وہ فاضل بریلی کی بارگاہ میں  
نمبر ہو کر درس حدیث لینے اور فتویٰ نویسی سیکھنے میں مصروف تھے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد والد ماجد کی علمی  
مستوفیات میں گونا گوں اضافہ ہو گیا فتویٰ نویسی سے رشتہ اخیر دم تک قائم رہا، اگرچہ وقت کے ساتھ ہی کسی نہ کسی  
تپا س بریلوی کے ابتدائی سالوں کے علاوہ دنوں کے فتاویٰ کی تکمیل محفوظ نہ رکھی جا سکیں۔ اس میں ملک العلماء کی نقل  
منہ فی کا دخل رہا۔ وہ بریلی اور پٹنہ دو جگہ ہی زیادہ رہے، ورنہ اور سالوں میں قریب قریب سہ ماہی کیفیت رہی۔ بعد  
کے زمانے کے صرف وہی فتاویٰ محفوظ رہ سکے جو کتاب اور رسالے کی صورت اختیار کر گئے۔ چنانچہ زیر نظر مجموعے  
میں بھی شامل کی رسائل بعد کے زمانوں کی یادگار ہیں۔

والد ماجد کے فتاویٰ کے دور رجسٹرنا چیز نے اپنے ذوق و شوق سے نوعمری کے زمانے میں نقل کئے تھے  
جب میں عربی قاری کی ابتدائی درجات کا طالب علم تھا اور بنو مد سے میں داخل نہیں ہوا تھا۔ اس کے ابتدائی  
صفحات میں حضرت ملک العلماء نے جابجا اپنے قلم سے اصلاحات دی ہیں۔ جہاں جہاں مجھ سے الفاظ اور جملے نہیں  
پڑھے گئے، وہاں میں نے سادہ جگہ جگہ ڈی ٹی گئی۔ بعد میں جب شعور پختہ ہوا اور ان مقامات کی درستگی کی جانب توجہ  
کی تو والد ماجد کے دست مبارک کا تحریر فرمودہ اصل مسودہ مجھے دستیاب نہ ہو سکا جس سے میں نے یہ رجسٹر تیار کئے  
تھے۔ اس لئے وہ سادہ مقامات جوں کے توں رہ گئے۔ بعد میں کوئی مناسب آدمی نکل سکا جو ان کو درست کر کے

مرتب کرتا۔ بالآخر عزیز گرامی مولانا ارشاد احمد رضوی ساحل شہسرای، ریسرچ اسکالر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے نام اس کا رسیڈ کا قریہ، فال نکلا اور انہوں نے بڑی جانفشانی اور خوبی کے ساتھ اس 'ہفت خواں' کو طے کر لیا۔ اس سلسلے میں ان کے سپردانہ زبردور دارڈاکٹر طارق عتیق رسلہ نے بھرپور تعاون کیا اور مسودات و مواد کی فراہمی میں ان کی قدم قدم پر رہنمائی کی۔

مجھے بے حد مسرت ہے کہ والد ماجد کی یہ قیمتی یادگار ان کے وصال کے چالیس سال بعد گوشہ گم نامی سے نکل کر منظر عام پر آ رہی ہے۔ اس گرامی کارنامے پر میں قیمتم قلب کے ساتھ اپنے دونوں عزیزوں کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور بارگاہِ رسب العزت میں دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ ان کی گرامی خدمات کو قبول فرمائے اور مزید و مرید سعادتمندوں کی توفیق بخشے۔ آمین!

مختار الدین احمد

ناظرہ منزل ۳/۲۸۶، سول لائن

امیر نشاں روڈ، علی گڑھ

## تقریب

مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی

صدر شعبہ افتاء، جامعہ اشرفیہ مبارک پور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَامِدًا وَصَلِّیًّا وَسَلَامًا

جامع علوم عقلیہ و نقلیہ، ملک العلماء، ابوالبرکات، حضرت مولانا ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان اہل سنت و جماعت کے ممتاز عالم و جلیل القدر محدث، زبردست مناظر، بلند پایہ محقق، نامور مصنف، بالغ نظر فقیہ اور ماہر مفتی تھے۔ ان نویں کی وجہ سے آپ ملک کے صوبہ اول کے علماء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ فقہ و فتویٰ نویسی میں آپ کی ثقاہت و مہارت کے ثبوت کے لئے یہ سند کافی ہے کہ آپ نے عالم اسلام کے عبقری فقیہ اور فقیہ المذاہب مفتی اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زیر سایہ رہ کر فتویٰ نویسی کی تربیت حاصل کی اور پچھن سال تک اپنے فتاویٰ کے ذریعہ آپ خلیفہ خدا کو فیضیاب کرتے رہے۔ مقدمہ صحیح البہاری میں ہے: ”مولانا (ظفر الدین رحمۃ اللہ علیہ) نے فاضل بریلوی سے صحیح بخاری شریف پڑھنی اور فتویٰ نویسی سیکھنی شروع کی“۔ (۸/۱)

اسی میں ہے: ”ان کی (حضرت ملک العلماء کی) تدریسی زندگی کا آغاز بھی مدرسہ منظر اسلام بریلی ہی سے ہوا، جہاں ان کی تعلیم کی تکمیل ہوئی۔ تقریباً چار سال تک وہ وہاں درس دیتے رہے اور فاضل بریلوی کی ہدایت پر فتویٰ نویسی کی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔ اس زمانے میں جو فتاویٰ انہوں نے لکھے، ان میں سے کچھ کی نقلیں نافع البشر فی فتاویٰ ظفر میں موجود ہیں“۔ (۸/۱)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اپنے ایک کتاب میں رقم طراز ہیں: ”مولانا مولوی ظفر الدین صاحب قادری سلمہ فقیر کے یہاں کے اعز طلبہ سے ہیں اور میرے بھانجے عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علم کی اور اب کئی سال کے میرے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ کایا افتاء میں میرے متعین ہیں (۱) کئی خالص مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں (۲) عام درسیات میں یفضل تعالیٰ عاجز نہیں (۳) مفتی ہیں (۴) مصنف ہیں (۵) واعظ ہیں (۶) مناظرہ بوجہ تعالیٰ کر سکتے ہیں (۷) علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں“۔

(مقدمہ صحیح البہاری، پروفیسر مختار الدین احمد دام محمد، ج ۱، ص ۲۱)



- ایک مفتی کو درج ذیل اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے
- (۱) مذہب کے متون، م شروع و قماوی پر اس کی گہری نظر ہو، ساتھ ہی استحضار ہو
  - (۲) عرف بناس و حالات زمانہ سے باخبر ہو
  - (۳) سوال نم ہو، مسائل کے خلیان اور اس کی الجھن کو سمجھ سکے
  - (۴) جواب تحقیق کے ساتھ لکھ اور مذہب کے بڑی بات مفتی بجا سے استناد کرے
  - (۵) جواب مسئلہ کے تمام ضروری گوشوں کو حادی و محیط ہو
  - (۶) اس بات پر بھی نظر رکھے کہ مسائل یا کوئی بد مذہب اس کے فتوے سے غلط فائدہ حاصل نہ کر سکے
- ان امور کی روشنی میں جب ہم حضرت کے فتاویٰ کا جائزہ لیتے ہیں تو آپ ان تمام اوصاف کے جامع نظر آتے ہیں اور کیوں نہ ہو کہ آپ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی درس گاہ کے تربیت یافتہ ہیں۔ یہ شواہد اس امر کی دلیل ہیں کہ حضرت ملک العلماء رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے ایک فہم و دانشمند مفتی تھے اور آپ کے فتاویٰ ہمارے لئے سند و حجت ہیں۔
- حضرت علیہ الرحمۃ کے مشاغل علیہ مختلف انواع کے تھے۔ زیادہ وقت درس و تدریس کی مصروفیات میں گزرا۔ اسی میں کچھ وقت نکال کر فتویٰ نویسی کی خدمت بھی انجام دیتے، اس لئے آپ کے فتاویٰ کی تعداد کوئی زیادہ نہیں، لیکن جو کچھ بھی ہے وہ بچائے خود انہم اور محدث و مستند ہے۔ آپ کے انیس فتاویٰ کا ایک مختصر مجموعہ بنام "فتاویٰ ملک العلماء" عزیز اس حد کتاب مولانا رشاد احمد رضوی مصباحی (سائل شمس اہی، علیک) صاحب دام محمد تم کی مساعی جیلے سے نظارہ مطلق ہو رہا ہے۔
- اس مختصر مجموعے میں بارہ فقہی ابواب ہیں:
- (۱) کتاب الطہارۃ - ۳ (۲) کتاب الصلوٰۃ - ۳۲ (۳) کتاب الزکوٰۃ - ۵ (۴) کتاب الصوم - ۶ (۵) کتاب النکاح - ۲۱
  - (۶) کتاب الطلاق - ۹ (۷) کتاب البیوع - ۵ (۸) کتاب الوتف - ۴ (۹) کتاب التفتا - ۱ (۱۰) کتاب الاضیعیہ - ۸ (۱۱) کتاب الخطر والاہانتہ - ۲۶ (۱۲) کتاب الفرائض - ۶ (۱۳) ضمیر - ۴ = ۱۳۰
- اس میں حضرت ملک العلماء کے چھ بھی رسالے بھی شامل ہیں، جو یہ ہیں:
- (۱) تہذیب المعصباح للقیام عند حق علی الفلاح (۱۳۳۰ھ)
  - (۲) عید کا چاند (۱۳۷۰ھ)
  - (۳) نہقۃ الاحیاب فی فتح الزکوٰۃ والباب (۱۳۳۶ھ)
  - (۴) اعلام المساجد یصرف جلود الاضحیعیۃ المساجد (۱۳۲۵ھ)
  - (۵) نصرة الاصحاب باقسام ابطال الثواب (۱۳۵۴ھ)
  - (۶) مواہب ازواح القدس لکشف حکم العرس (۱۳۲۴ھ)
- کتاب کے آغاز میں فاضل مرتب کا طویل مقدمہ شامل ہے جس میں حضرت ملک العلماء کے حالات طہیات، افتد و افتا کی اجمالی تاریخ اور ترتیب کی تقریب کا تذکرہ ہے۔ اس کے ذیلی عناوین سے اندازہ ہوا کہ فاضل مرتب سلسلہ نے اس مقدمہ کو بڑی جانفشانی کے ساتھ قلم بند کیا ہے اور اسے جامع اور خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کی ہے۔

قادیانی ملک العلماء کے مرتب اور مقدمہ نگار محبت کریم جناب مولانا ارشاد احمد رضوی صاحب زید غلہ، ملک کی مشہور درس گاہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے فاضل، ایک باصلاحیت عالم وین ہیں۔ کئی سال تک جامعہ اشرفیہ کے مدرس و مفتی رہے پھر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ چلے گئے۔ یہاں انہیں حضرات سادات مارہرہ مطہرہؒ کے زیر سایہ مزید پروان چڑھنے کا موقع نصیب ہو گیا۔ یہ ان حضرات کی برکت ہے کہ چند سالوں میں انہوں نے کئی ایک قابل قدر کارنامے انجام دئے۔ انہیں میں سے ایک قادیانی ملک العلماء کی ترتیب بھی ہے۔

مولانا ایک اچھے قلم کار ہونے کے ساتھ ساتھ فتویٰ نویسی کا ذوق اور تجربہ بھی رکھتے ہیں۔ اس لئے انہیں قادیانی کو مرتب کرنے کا بجا طور پر حق تھا اور قارئین محسوس کریں گے کہ مولانا نے حق ترتیب بخوبی ادا کیا ہے۔

و عا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اسے محبوب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے مولانا کی یہ سعی مشکور فرمائے، انہیں صحت و عافیت کے ساتھ شاد و آباد رکھے، ان کے علم، عمر، فضل، اقبال، اشغال میں برکتیں دے اور ان سے بیش از بیش دین حنیف کی خدمات جلیلہ مقبولہ لے اور جملہ اہل سنت کی طرف سے انہیں قادیانی ملک العلماء کی ترتیب و اشاعت کے صلے میں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

### محمد نظام الدین الرضوی

۱۳ جمادی الآخرہ ۱۴۲۳ھ / ۳ اگست ۲۰۰۳ء (دوشنبہ)

☆ مارہرہ مطہرہ میں تلامذہ کے زیدی سادات کی ایک شاخ دسویں صدی ہجری کے اخیر میں آکر سکونت پذیر ہوئی۔ تاجدار سلسلہ برکات سید شاہ برکت اللہ چشتی جنکی مارہروی قدس سرہ کے قدم بہ سنت و فروع کی برکت سے اس خطہ پاک کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی۔ اس خاندان ذیشان کے فرد طیل خاتم الاما برکات سید شاہ آلی رسول احمدی قدس سرہ کے دست اقدس پر امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادیانی برکاتی قدس سرہ بیت ہوئے۔ عسرواں میں قادیانی سلسلہ کی اس عظیم خانقاہ کی نمائندگی سید شاہ آل رسول حسین شیان لکھی، پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں قادیانی شاخ ذیشان خانقاہ برکاتیا اور سید محمد اشرف قادیانی برکاتی دامت برکاتہم القدسیہ فرما رہے ہیں۔ تاجپڑ انہیں بزرگوں کے سایہ کریم میں سعادتوں کے ذخیرے سمیٹ رہا ہے۔ ۱۲ سال

۱۴۲۳ھ کے وسط سے ۲۰۰۳ء کے اخیر تک حضرت امین ملت کی سرپرستی میں تاجپڑ کو درج ذیل تصانیف و تراجم رقم کرنے کی توفیق ارزانی ہوئی، واللہ اعلم علیٰ ذالک۔

۱. شاد حقانی کا اردو ترجمہ و تفسیر قرآن، ایک تحفہ کی و تحقیقی جائزہ
۲. مولانا سید شاہ غوث الدین حسن خرقی۔ خیات اور شاعری
۳. حضرت مخدومین کے اخلاق کریمانہ
۴. حضرت صادق شمسائی۔ حیات اور شاعری
۵. کاشف الاستار شریف (ترجمہ و تقدیم)
۶. النور والہبہ و لسانہ اللہیت و مسائل الاولیاء (ترجمہ)
۷. الیم العربی کی تصانیف انہوں کا ترجمہ
۸. قادیانی ملک العلماء (ترتیب و تقدیم)

صفحات ۶۰۰

۲۳۸ "

۱۲۰ "

۳۰۰ "

۷۰۰ "

۸۰ "

۳۰۰ "

۵۱۲ "

## حضرت ملک الغما اور ان کے فتاویٰ

سائل شہسروی (علیہ)

ملک الغما حضرت مولانا شاد محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی قدس سرہ (۱۳۰۳ھ-۱۳۸۲ھ) اپنے عہد کے ممتاز عالم دین، اسلامی دانشور، مدبر آشتی، مکتبہ سیخ مفتی، دہلی مدرس مصنف، ماہر مدرس اور سرایا خلوص، مہربان و پیشواۓ طریقت تھے۔ یحییٰ بنی سے آثار کرامت آپ کی پیشانی سعادت پر درخشاں تھے۔ پھر جب اس گلستان فکر کو امام احمد رضا کی فضاۓ نو بہار میسر آگئی تو اس کی شادابی اور درخشاںی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔

حضرت ملک الغما کے مورث اعلیٰ سید ابراہیم بن سید ابوبکر غزنوی مقلب بہ مدار الملک و مخاطب بہ ملک ہیں۔ ان کا نسب نامہ ساتویں پشت میں حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ سید ابوبکر غزنوی کے رہنے والے تھے، آپ غزنوی سے تین فرہنگ کے قائلے پر مقام بت نگر میں مدفون ہیں۔ سید ابراہیم غزنوی سے سلطان فیروز شاہ کے عہد (۷۵۲-۷۹۰ھ) میں ہندوستان پہنچے اور یہاں آ کر شاہی فوج میں ملازم ہو گئے۔ وہ عمر بھر جنگی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے اور بالآخر ۱۳ فرزداد الحیدر ۷۵۳ھ کو کشتہ رتاس (شاہ آباء، خسرو ام، بہار) کی جنگ میں شہید ہوئے۔ تصدیق بہار شریف کی ایک بلند پہاڑی پر سید صاحب کا مقبرہ ہے جس پر قدیم عالی شان گنبد تعمیر ہے۔ سید ابراہیم کا سلسلہ چھ واسطوں سے حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اس طرح پہنچتا ہے:

۱- سید ابوبکر غزنوی بن ۲- سید ابوالقاسم عبداللہ بن ۳- سید محمد فاروق بن ۴- ابوالحسن عبدالسلام بن ۵- سید عبدالوہاب بن ۶- غوث الثقلین حضرت سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر حسی جیلانی قدس سرہ اسرار ہم۔

(حیات اعلیٰ حضرت ۱/د)

حضرت ملک الغما کی ولادت مبارکہ ۱۰ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ/۱۹ اکتوبر ۱۸۸۰ء کو صبح صادق کے وقت موضع رسول پور میجر ضلع نالندہ، بہار میں ہوئی۔ والد ماجد ملک عبدالرزاق اشرفی علیہ الرحمۃ نے خاندانی طرز کے مطابق چار سال، چار مہینہ چار دن کی عمر (۱۳۰۷ھ) میں اپنے مرشد گرامی شاہ چاند پتھوی کے دست مبارک سے آپ کی بسملہ خوانی کرائی۔ ابتدائے والد ماجد کی آغوش تربیت میں رہے پھر قرآن حکیم اور اردو فارسی کی کتابیں حافظ مخدوم اشرف، مولوی کبیر الدین اور مولوی عبداللطیف سے پڑھیں۔ پھر اپنے نانیال موضع بین ضلع بین کے مدرسہ غوثیہ حنفیہ میں ۱۳۱۲ھ میں داخلہ لیا جہاں تفسیر جلالین اور میرزا ہدیکہ کی کتابوں کا درس لیا۔ مدرسہ غوثیہ حنفیہ کے اساتذہ نے آپ کی ذہانت دیکھتے ہوئے بہت شفقت کے ساتھ آپ کی تعلیم کا نظم فرمایا۔ آپ وہاں ان اساتذہ کے زیر تربیت رہے:

۱- مولانا شیخ محی الدین اشرف ۲- مولانا شیخ بدر الدین اشرف ۳- مولانا مہدی حسن میجر دی ۴- مولانا فخر الدین حیدر ۵- مولانا محمد منعم ۶- مولانا معین اعظم رئیس موضع بین ۷- مولوی محمد ابراہیم ۸- حافظ محمد

۱۔ اسماعیل بہاری۔ ۹۔ مفتی اکرام الحق۔

قاضی عبد الودود کے والد ماجد قاضی عبد الوحید صدیقی فردوسی رئیس لودی کمرہ و خلیفہ امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہما (۱۲۸۹ھ - ۱۳۲۹ھ) نے ۱۳۱۸ھ میں پٹنہ کی سرزمین پر ایک عظیم الشان کانفرنس بلائی جو تحریک ندوہ کے اسلام مخالف نظریات کا تردیدی پس منظر رکھتی تھی۔ اس کانفرنس میں امام احمد رضا قادری برکاتی جنس تیس شرکت کے لئے پٹنہ شریف لے گئے تھے جہاں دیگر اکابر علمائے اہل سنت بھی جلوہ افروز تھے۔ اسی موقع سے قاضی عبد الوحید فردوسی نے احمدیہ کے ایک سنی ادارے کی داغ بیل ڈالی، نام رکھا مدرسہ حنفیہ۔ اس ادارے کے لئے قابل اساتذہ کا انتخاب کیا جن میں مسند وقت حضرت علامہ شاہ وحسی احمد محدث سورتی قدس سرہ (متوفی ۱۳۳۳ھ) بھی شامل تھے۔ مرحوم فردوسی نے اسی ادارے سے ایک علمی رسالہ ”تحفہ حنفیہ مکتبہ پتھر خن تحقیق“ جاری کیا جو عرصہ دراز تک علم و فن اور دین و دنیا کی گراں قدر خدمات انجام دیتا رہا۔

حضرت ملک العلماء نے جب اس مدرسے کی شہرت اور حضرت محدث سورتی کا چرچا سنا تو ۲۵ جمادی الاول ۱۳۰۰ھ کو پٹنہ چلے آئے اور محدث سورتی کی خدمت میں رہ کر مسند امام اعظم، مشکوٰۃ شریف اور مژدہ جلالی پڑھیں۔ کچھ دنوں کے بعد ہی محدث سورتی اپنی علالت سے مجبور ہو کر اپنے وطن چلی بحیثیت تشریف لے گئے تو حضرت صاحب حسا بھی وہاں سے رخصت ہو کر کاپور پٹنہ اور وہاں کے تین مدارس سے بیک وقت علمی فیوض حاصل کئے۔ ۱۔ مدرسہ امداد العلوم، بانس منڈی ۲۔ مدرسہ احسن المدارس ۳۔ دارالعلوم۔ یہاں کے اساتذہ میں مشہور آفتاب عالم مولانا احمد حسن کانپوری (متوفی ۱۳۲۲ھ) اور مولانا عبید اللہ پنجابی (متوفی ۱۳۶۱ھ) برہمادی الاوتی (۱۳۰۰ھ) قابل ذکر ہیں۔ حضرت ملک العلماء کانپور سے دوبارہ اپنے ممتاز استاد حضرت محدث سورتی کی خدمت میں چلی بحیثیت حاضر ہو گئے اور ان سے درس حدیث لیا۔ پھر ۱۳۲۱ھ میں بانس بریلی حاضر ہوئے اور مدرسہ مصباح التہذیب میں مولوی غلام یحییٰ دیوبندی کے درس میں شریک ہوئے لیکن یہاں کی سنیہ نیز انرفضا سے جلد ہی ادب کمر پر ختم علم و ادب اور مصدر عشق و محبت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر ان سے ایسے مانوس ہوئے کہ انہیں کے ہو کر رہ گئے بلکہ پوری زندگی ان کے مشن کی ترویج و اشاعت کے لئے وقف کر دی۔

حضرت ملک العلماء کے ذوق علم کی برکت ہے کہ امام احمد رضا نے آپ کے اصرار پر ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں مدرسہ منظر اسلام قائم فرمایا جس کا افتتاح ان دو طالب علموں سے ہوا:

۱۔ ملک العلماء مولانا ظفر الدین قادری رضوی ۲۔ مولانا سید عبد الرشید عظیم آبادی۔ حضرت ملک العلماء نے امام احمد رضا سے بخاری شریف، اقلیدس کے چھ مقالے، تشریح دلائل غلاک، تشریح معنی کا درس لیا اور فتویٰ نویسی کے آداب سکھائے اور اس طرح علم ہیئت، توفیق، جفر، جکیر اور ریاضی جیسے نادر فنون میں کمال حاصل کیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے سلوک کی ظاہری اور باطنی منزلیں بھی ملے کیں۔ تصوف کی مشہور کتابیں رسالہ فقیریہ اور عوارف المعارف

کا سہما سہما درس لیا، ذکر بالمعبر، پاس انفاس کے باطنی آداب سکھے۔ بالآخر آپ کی صفائے باطن سے متاثر ہو کر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ نے سال فراغ کے اخیر میں آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کی اجازت و خلافت مرحمت فرمائی۔

سال فراغ کے فوراً بعد حضرت ملک العلما نے منظر اسلام، بریلی شریف میں مدرسے، تصنیف اور افتائوں کی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ زیر نظر مجموعہ فتاویٰ میں پیشتر فتاویٰ اسی زمانے کے ہیں۔ ۱۳۲۹ھ میں معزز بن شملہ کے اصرار پر شملہ تشریف لے گئے پھر علی الترتیب ان مدارس کی فتاویٰ میں آپ کے پاکیزہ افادات کو منجستے رہے۔

۱- مدرسہ حنفیہ، آردہ، بہار (۱۳۲۹ھ تا ۱۳۳۰ھ) - ۲- مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ (۱۳۳۰ھ تا ۱۳۳۳ھ) - ۳- مدرسہ خاتقہ کبیر، شہرام (۱۳۳۳ھ تا ۱۳۳۸ھ) - ۴- مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ (۱۳۳۸ھ تا ۱۹۱۹ء تا ۱۹۵۰ء)

اخیر الذکر مدرسہ کے آپ ۱۹۳۸ء میں پرنسپل ہوئے اور ۱۹۵۰ء میں ریٹائر ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے ڈیڑھ دو سال بعد شاہ شامہ حسین میاں سجادہ نشین بارگاہ عشق، مقنن گھاٹ پٹنہ کی استدعا پر ۱۳۳۹ھ میں کبیر، بہار میں جامعہ لطیفہ بحر العلوم کا انتخاب فرمایا اور اپنی کوششوں سے اسے کافی فروغ بخشا۔ جب یہ ادارہ مستحکم ہو گیا تو آپ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ میں اپنے دولت کدے ”ظفر منزل“ شامہ پٹنہ آ گئے۔

پچپن سال کے طویل مدتی ایام میں ہزاروں تلامذہ آپ کے سرچشمہ فیض سے سیراب ہوئے اور ایک عالم کو فیض یاب کیا۔ آپ نے اس دوران فتویٰ نویسی، وعظ و تلقین، تصنیف و تالیف، بیعت و ارشاد، مناظرہ اور فتاویٰ جیسے گونا گوں مشاغل سے رابطہ رکھا۔ ان کثیر مصروفیات کے بھجیم میں صوفیانہ اذکار کے لئے بھی آپ نے اوقات خاص کر رکھے تھے۔ قادر مطلق نے آپ کے اوقات میں عجب برکتیں دے رکھی تھیں لیکن اس ذیل میں آپ کے اوقات کی مشہط تقسیم کا بھی خاصا دخل تھا۔

حضرت ملک العلما عرصے سے فشار الدم کے مرض میں مبتلا تھے جس کی وجہ سے کافی قہیف ہو گئے تھے۔ اس عالم قہامت میں بھی آپ کے معمولات شب و روز میں کوئی فرق نہ آیا۔ ریاضتوں کے ذریعے آپ نے علمی مصروفیات بھی اپنی جگہ تھیں۔ بالآخر کتبہ کا دن گزار کر دو شبہ کی شب میں ۱۹ جمادی الاول ۱۳۸۲ھ ۱۸ نومبر ۱۹۶۲ء کو اس ذات کا ذکر بالمعبر کرتے ہوئے اس طرح پرسکون انداز میں اپنے محبوب حقیقی کے حضور حاضر ہو گئے کہ حاضرین کو کچھ دیر تک اس بات کا احساس بھی نہ ہو سکا کہ آپ لذت وصال سے شاد کام ہو چکے ہیں۔ دوسرے دن حضرت شامہ العیوب شادی ریشدی سجادہ نشین خاتقہ اسلام پور ضلع پٹنہ (متوفی ۱۹۶۷ء) نے، جن سے حضرت کو فردوسی، شطاری وغیرہ سلاسل کی اجازت حاصل تھی، آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور درگاہ شاہ ارزاں (متوفی ۱۰۲۸ھ) کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔



آپ کی سب سے معمول یا دواگر ہے ”جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری“۔ چھ جلدوں میں آپ نے مذہب نئی کی مہدیا و احادیث کا ذخیرہ تیار کرنے کا منصوبہ بنایا اور ہر جلد میں دس ہزار احادیث کا واسطہ رکھا۔ مصنف کی حیات میں اس کی صرف دوسری جلد چار قسطوں میں شائع ہو سکی جس کے اندر تقریباً دس ہزار احادیث مبارک کا ذخیرہ موجود ہے۔ اس عظیم الشان خدمت حدیث کو اہل علم کے ہر طبقے نے بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا اور اسے ایک بہتم با نشان علمی کارنامہ قرار دیا۔ اس گرامر القدر علی کارنامے کو خراج تحسین پیش کرنے والوں میں محدث سورتی مولانا وحسی احمد پٹانی جیسی مولانا عبد القدر پر پرفیسر حدیث و صدر شعبہ وینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد مولانا سید حیدر ولی اللہ قادوری ناظم دارالعلوم لطیفہ خاٹقا حضرت قطب و بلور کا ٹنک، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالمجید ریاض آبادی، غیر مقلد عالم ثناء اللہ امرتسری جیسی شخصیات شامل ہیں۔

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ہر شخص حضرت ملک العلماء کی علم حدیث میں مہارت اور اس کے مختلف گوشوں پر دسترس کی بھرپور شہادت دے گا۔ خاص طور سے ۲۵ صفحات پر پھیلا ہوا اس کتاب کا گرامر القدر مقدمہ، اصول حدیث کا شاندار گلدستہ ہے جسے پڑھ کر ہر با ذوق قاری جھوم اٹھتا ہے۔ حضرت کے یہ سارے حدیثی افادات محدث بریل اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادوری برکاتی قدس سرہ کے بحر علم کی چند قیمتی موجتیں ہیں جس کا اعتراف خود حضرت ملک العلماء نے ان کلمات سے کیا ہے:

”هَذَا تَهْرَاصُغَرُ مِنَ الْبَحْرِ الْاَكْبَرِ مِنْ بَحَارِ عُلُومِ سِبْدِي وَ شَيْعَتِي نَفَعْنَا بِسِرْكَانِهِ فِي الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ“ (صحیح البہاری، کتاب الصلوٰۃ، ۱/۲۶)

### عقائد و مناظرہ:

حضرت ملک العلماء کا دور متقداتی محرکہ آرائیوں کا گرم و گرم دور تھا۔ اہل سنت کی وحدت پارہ پارہ دوری تھی اور لوگ بت سننے خمیوں میں داخل ہوتے جا رہے تھے۔ ابن عبد الوہاب نجدی کے مسموم عقائد اسماعیلیں دہلوی کی تقویت ایمان کے ذریعہ متحدہ ہندو پاک کے خطوں میں پھیل رہے تھے۔ اس لئے ملک کے پاربان بھی شراذہ ملی کو سہینے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ اس خصوص میں اسماعیلیں دہلوی کے ہم درس اور مکتب شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے خاص فیض یافتہ علامہ فضل حق خیر آبادی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ آپ نے حمایت حق اور باطل کی سرکوبی کا جو مستحکم سلسلہ شروع کیا تھا اسی کی کڑیاں ملاتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادوری نے بھی حق کی حمایت اور باطل کے خلاف مجاہد آرائی کا سلسلہ چھیڑ رکھا تھا جس نے باطل کے منحور و بڑھتے سیلاب پر کامیاب بند باندھا۔ حضرت ملک العلماء بھی مکتب رضا کے فیض یافتہ تھے اس لئے آپ نے بھی باطل سے مختلف مجاہد بر لوہا لیا اور انہیں فاش شکستیں دیں۔ آپ کے مناظرے کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ حریف کو اسی کے اسلحے سے اسے شکست دیتے تھے کہ وہ اسے اسلحہ کے ذوق طیف پر دوسری بھی خراش نہ آتی۔ شاکستہ اور متین تنقید آپ کی پہچان لگنی جاسکتی ہے۔

آپ نے وہابیت کی جملہ شاخوں غیر مقلدیت، دیوبندیت اور آریوں، مسیحی مشنریوں کے مبلغین سے بہت کامیاب بحثیں کیں اور انہیں شکست سے دوچار کیا۔ آپ کا دور تو دیوبندیت اور وہابیت پر دار و گیر کا خاص دور تھا، اس لئے ان سے رزم آرائیاں تو تھیں ہی، آریہ ناجیوں اور عیسائی مشنریوں نے بھی بیوی بھالی عوام کو پھانسنے کے لئے نہ سبیل رکھا تھا۔ اس لئے علمائے اسلام ان کے خلاف بھی صف آرا ہوتے۔ ملک العلماء نے بھی اس محاذ پر اسلام کی پیروی کے حقوق ادا کئے۔ آپ جہاں کہیں حمایت حق کے لئے تشریف لے گئے، نصرت خدا واد آپ کی رہتی رہی۔ آپ کی اسی فاتحانہ شوکت و شفیقاہ خیرین پیش کرتے ہوئے آپ کے شفیق مربی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے فرماتے ہیں۔

میرے ظفر کو اپنی ظفرو سے اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں  
ملک العلماء کے صاحبزادے پروفیسر مختار الدین احمد لکھتے ہیں:

”مجھے یاد آتا ہے کہ میرے بچپن میں وہ (حضرت ملک العلماء) آریہ ناجیوں اور مسیحی مبلغین سے مناظرے کے سبب جیلوں میں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ غیر مقلدین وغیرہم سے مناظرے کے لئے بھی وہ دور ورائے کے نااہلوں سے لڑتے جاتے تھے ایک مناظرے کے لئے وہ رہا بھی تشریف لے گئے تھے۔ (حیات ملک العلماء ص ۱۶)

حضرت ملک العلماء، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے حکم پر فیروز پور میوات کے علاقے موضع جھراکاش دیاہ سے منظرے کے لئے تشریف لے گئے اور فتح باب ہو کر بریلی شریف واپس ہوئے۔ ”اس موقع پر اعلیٰ حضرت نے ایک اولیٰ جب عنایت فرمایا اور ارشاد فرمایا: یہ مدینہ طیبہ کا ہے۔ میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے لے کر سر پر رکھا اور آنکھوں سے نکال دیا۔“ (حیات اعلیٰ حضرت ص ۵۵/۱)

اس مناظرے کی پوری روداد آپ کے مرتبہ رسالہ ”شکست سفاہت“ (۱۳۲۶ھ) میں موجود ہے۔ اس نے علاوہ اس موضوع پر اور بھی کئی رسالے آپ نے تصنیف فرمائے:

- ۱۔ الحسام المسلول علی منکر علم الرسول (۱۳۲۳ھ)۔ ۲۔ بحم الکفر و علی الکلاب المظرة (۱۳۲۸ھ)۔ ۳۔
- غیر اس لدفع ظلام المباحث (۱۳۲۹ھ)۔ ۴۔ دفع الخلاف من بین الاحناف (۱۳۳۲ھ)۔ ۵۔ کشف الستور عن
- منظرۃ رابور (۱۳۳۳ھ)۔ ۶۔ ظفر الدین الجید (۱۳۳۳ھ)۔ ۷۔ تجنیب مناظرہ (۱۳۳۴ھ)۔ ۸۔ ظفر الدین
- حسب وغیرہ رسائل بھی مناظراتی تحریریں ہیں۔ زیر نظر مجموعے میں بھی کئی فتاویٰ مناظراتی انداز کے ہیں جن پر گفتگو
- بھی آتی ہے۔ یہ تمام چیزیں حضرت ملک العلماء کے مناظراتی معارفین کو متعین کرتی ہیں اور معتقداتی پہلوؤں اور تقابلی
- دلیات کے وسیع اور متنوع علوم میں آپ کی دسترس کے شواہد فراہم کرتی ہیں۔

### بیت و توقیت:

یہ تو ان حضرت ملک العلماء کی پہچان تھے اور آپ ان میں معاصرین کے درمیان کیٹائے روزگار۔ اس امتیاز



کے لئے امام احمد رضا کی یہ شہادت کافی ہے:

”(مولانا محمد ظفر الدین قادری) علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تجاہ آگاہ ہیں۔ امام ابن حجر کی نے زوائد میں اس علم کو فرض لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عام بلاد میں یہ علم، علما بلکہ عام مسلمانوں سے اٹھ گیا۔ فقیر نے بتو فیض قدس اس کا احیا کیا اور سات صاحب بنانا چاہے، جس میں بعض نے انتقال کیا، اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ بیٹھے۔ انہوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع و غروب و نصف اشعار ہر روز تاریخ کے لئے اور ہر اوقات ماہ رمضان شریف کے لئے بھی بناتے ہیں۔“ (حیات اعلیٰ حضرت ۱/۲۳۴)

حضرت ملک العلاما نے اس علم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بارگاہ میں رہ کر سیکھا اور اس میں مکمل مہارت حاصل کی۔ ہندوپاک کے دینی اوقات صلوٰۃ و تحریج کئے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے زبانی افادات اور اپنی ذاتی توضیحات کو سیکھا کر کے کئی رسائل ترتیب دیئے: ۱۔ الجواہر والیہ اوقات فی علم التوقیت معروف بہ توضیح التوقیت (۱۳۳۰ھ)۔ ۲۔ بدر الاسلام لمهمات کل الصلوٰۃ والصلیام معروف بہ موزن الاوقات (۱۳۳۵ھ)۔ ۳۔ توضیح الافلاک معروف بہ سلم السماء (۱۳۴۰ھ)۔ ۴۔ مشرقی اور سمت قبلہ / مشرقی کا غلط مسلک (۱۳۵۸ھ) جس پر حضرت کی قیمتی تحریریں انہیں فنون سے تعلق رکھتی ہیں۔

توضیح التوقیت کی ترتیب کے سلسلے میں ملک العلاما اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

اعلیٰ حضرت قبلہ نے علم توقیت کے قواعد کتابی شکل میں مدون نہیں فرمائے۔ بلکہ میری تعلیم کے زمانے میں قواعد زبانی فرمایا کرتے تھے جس کو میں اردو زبان میں لکھ لیتا اور میرے دوست وہم سبق حکیم سید عزیز غوث صاحب بریلی فارسی میں لکھ لیا کرتے اور شرکائے درس میں کوئی ان سے، کوئی مجھ سے سیکھا کرتا۔ مہر کیف! ایک زمانے تک وہ سب روپی پرزے کی شکل میں رہے۔ اس کے بعد میں نے بعض احباب کی فرمائش سے ان سب کو کتابی شکل میں جو کر دیا اور اس کو آسان سے آسان کرنے کے لئے مثالوں کے علاوہ تحریج مقامات متعلقہ کے عنوانات سے قواعد کو اتنا واضح کر دیا کہ اس کتاب کو پیش نظر رکھ کر ہر شخص اس فن کو بہ آسانی گھر بیٹھا سیکھ سکتا ہے۔ کہیں شبہہ بہتہ بذریعہ خط دریافت کر لینا کافی ہے۔“ (حیات ملک العلاما ص ۲۹)

حضرت نے نہ صرف یہ کہ اس علم کے افادات تحریری شکلوں میں عام کئے بلکہ اسے سفینوں کے ساتھ ساتھ سینوں میں بھی منتقل کیا اور کئی ایک نامور علامہ پیدا کئے۔ بہترے شائقین اس فن میں آپ سے خطوط کے ذریعہ استفادہ کرتے۔ ان مستفیدین میں مولانا حاجی محمد ظہور نعیمی مراد آباد اور مولانا مفتی سید محمد عظیم الاحسان ڈھاکہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ ان میں اول الذکر نے متحدہ ہندوپاک کے سارے مشہور مقامات کے اوقات صلوٰۃ و ظہور الاوقات کے نام سے تحریج کئے ہیں۔ اس کتاب کا خاص وصف یہ ہے کہ اس میں ہر مقام کا سمت قبلہ بھی تحریر ہے۔ یہ اس قابل ہے کہ کوئی ادارہ اسے بے انداز سے ایڈٹ کر کے شائع کرے۔

ان فنون میں آپ کے باضابطہ علامہ میں مولانا حافظہ عبدالرؤف بلانی دی نائب الحدیث جامعہ اشرفیہ

”رب پر (متوفی ۱۹۷۱ء) مفتی نظام الدین بلیاوی الہ آباد اور مولانا یحییٰ بلیاوی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

### سوانحی ادب:

حضرت ملک العلماء بہت شہرت اور کھرا او بی ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی تحریریں چاہے جس موضوع سے تعلق رکھتی ہوں، بیان کی شائستگی اور لہجے کی شگفتگی سے آراستہ ہوتی ہیں۔ مناظرانہ اور تنقیدی تحریروں میں بھی کہیں سو قیادہ لہجے کا دور دورہ تک پتہ نہیں چلتا۔ اسی شگفتہ شہسیرت و سوانح کے موضوع پر بھی آپ نے قیمتی تحریریں چھپوڑی ہیں۔

۱- شرح الشفا للفاضل عیاض (نامکمل) ۲- مولود رضوی (۱۳۶۰ھ) ۳- مبین الہدیٰ فی نفی امکان مشل المصطفیٰ (۱۳۳۳ھ) ۴- تنویر السراج فی ذکر المعراج (۱۳۵۳ھ) ۵- اعلام الاعلام باحوال العرب قبل الاسلام (۱۳۴۱ھ) ۶- خیر السلوک فی نسب الملوک (۱۳۳۳ھ) ۷- جواہر البیان فی ترجمہ خیرات الحصان (۱۳۳۳ھ) ۸- حیات اعلیٰ حضرت / مظهر المناقب (۱۳۶۹ھ) ۹- چودھویں صدی کے مجدد (۱۳۶۷ھ) ۱۰- اجمل المعتمد و المناقب الحمد (۱۳۷۵ھ) یہ ساری تحریریں آپ کے سوانحی ادب کا شاہکار ہیں۔

یوں تو حضرت کی ساری تصانیف اخلاص اور عقیدت کے جذبے سے سرشار ہو کر معرض تحریر میں آئیں لیکن مذکورہ بالا تصانیف میں عشق رسول اور محبت رضا کے شیریں جذبے کا زیادہ ہی نمایاں ہیں۔

شفائے قاضی عیاض کی عربی حاشیہ نگاری کا آغاز ۱۳۱۳ھ ربیع الاول شریف ۱۳۲۳ھ بروز چہار شنبہ ہوا۔ اس کے آغاز میں لکھتے ہیں:

”ہی زلفت للرحمن اہل لمانعت هذه الحاشية اصلي مائة و كعدة ابن شاء الله“

”میں نے خدا کے حضور نذر مانی ہے کہ جب یہ حاشیہ پایہ تکمیل کو پہنچے گا، اس وقت سورعت نمازیں شکرانہ کی پڑھوں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ۱۳۱۳ھ

مجدد ملت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ سے آپ کو بہت گہری عقیدت تھی۔ آپ نے امام احمد رضا کے اتباع رسول اور عشق مصطفیٰ علیہ السلام و الشہداء کی خوشبوؤں میں بے شب و روز دیکھے، ان کی شفقتیں، ہمدردیاں، انسانیت نوازی اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کا مشاہدہ کیا، علم و فن اور فکر و قلم کی عبرتیں ملاحظہ کیں۔ اس لئے ان سے شفقت کے دواہانہ جذبات اہتمام کو پہنچے ہوئے تھے۔ ”من احب شیعنا اکثر ذکرہ“ ”محجوب کے ذکر سے روں کو بیدار کر دیتی ہے۔ اس لئے امام احمد رضا کا ذکر بھی حضرت ملک العلماء کی تسکین روح کا سامان تھا۔ جلوت و خلوت بر جگہ امام احمد رضا کا ذکر جمیل حرز جاں رہتا۔ آپ کے خوانہ تاش، خلیفہ امام احمد رضا، مولانا سید شاہ غیاث الدین حسن شہرانی جب کبھی ”ظفر منزل“ پند تشریف لاتے تو پوری پوری رات اعلیٰ حضرت کے ذکر جمیل میں گزر جاتی۔ پروفیسر مختار مالدین احمد کے لفظوں میں:

”رات کے کھانے کے بعد اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رقتہ اللہ علیہ کا دواہانہ ذکر شروع ہوتا اور ان کے فضائل

و مناقب میں پوری رات گزرجاتی تھی۔ درمیان میں کبھی کبھی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف، تحریرات کے دفتر بھی کھل جاتے تھے اور عبارتیں پڑھی جاتی تھیں اور ان کے محاسن پر گفتگو ہوتی تھی۔ دو دن امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے عاشق جو ظہر ہے۔ (ماہنامہ جہان رضا، لاہور۔ جون ۱۹۹۹ء، ص ۶۱)

جب تک اعلیٰ حضرت حیات سے رہے، ملک العلماء نے ہمہ دم خود کو ان کی ہر ممکن علمی خدمت کے لئے مستعد رکھا۔ کار افتاب میں مین رہے، منظر اسلام کی تدوین کی ذمہ داری سنبھالی، حضرت صدر الشریعہ اور ملک العلماء نے بڑی تہذیب سے اعلیٰ حضرت کی تصنیفات کی حفاظت اور اشاعت کی جانب توجہ فرمائی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی رحلت کے بعد حضرت مفتی اعظم شاہ مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری قدس سرہ کی خواہش پر ملک العلماء بریلی شریف تشریف لے گئے اور تین چار مہینے کی جانکاہ محنت کے بعد اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ڈیروں تصانیف کے مہینے تیار کئے، منتشر ادراق کی شیرازہ بندی کی اور یوں بہتری تصانیف رضا کو ضائع ہونے سے بچایا، لیکن ایک ضیفہ رضا کی یہ جاں غار ان خدمات کچھ تنگ نظر حضرات کو ایک آنکھ نہ بھائی اور وہ ان تصانیف رضا کی اشاعت میں تاخیر کرنے کے حیلے کرنے لگے۔ اس سے کبیدہ خاطر ہو کر حضرت ملک العلماء بریلی شریف کے ایک دوست کے نام کو خط میں لکھتے ہیں:

”میں نے تین مہینے سے جانفشانی سے کام کیا اور خدا کا شکر ہے کہ اعلیٰ حضرت کی تصانیف کو ضائع ہونے سے بچا لیا مگر جو قدر دانی کی گئی، وہ آپ کے اور سب کے پیش نظر ہے۔ اگر تصنیفات کی اشاعت ہی کا سلسلہ جاری ہوتا تو دینی فائدہ کثیر ہوتا۔“

(حیات ملک العلماء ص ۲۷)

مولانا امجد رضا خاں نوری کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

”اس وقت اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی جملہ تصنیفات و تالیفات و تحریرات چھپ جائیں تو سنیوں کو کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہ ہوگی، تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، عقائد، اخلاق کے علاوہ تاریخ، جغرافیہ، ہیئت، توحید، حساب، جبر و مقادیر، تکوین، جفر، زائچہ، کون سے علوم ہیں جن میں اعلیٰ حضرت کی تصنیف نہیں۔ جس وقت یہ کتابیں چناب کی بہت و محنت و توجہ سے چھپ جائیں گی، اس وقت لوگوں کی آنکھیں کھلیں گی کہ اعلیٰ حضرت کیا تھے۔“ (حیات ملک العلماء ص ۲۶)

احسان شناسی کے جذبوں سے لہریں حضرت ملک العلماء کی ذات گرامی نے اپنے سارے محسنوں کے حقوق محبت ادا کئے۔ آپ کے ذخیرہ مکاتیب اور فکری یادداشتوں کے مجموعے اس کی تصدیق کے لئے کافی سے زائد مواد فراہم کرتے ہیں۔

آپ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے سب سے زیادہ منت کش تھے، اس لئے ہمیشہ ان کی یادوں میں محسن اور ان کے ذکر جیل میں رطب اللسان رہے۔ پوری زندگی ان کے فکری مشن کی اشاعت کے لئے وقف رکھی، ان کی نگارشات کے تحفظ اور طباعت کے لئے حضرت صدر الشریعہ اور ملک العلماء یکساں طور سے مضطرب نظر آتے ہیں۔ آپ اپنے دامن سے وابستہ حضرات کو ”ظفری“ کے بجائے ”رضوی“ لکھنے کی تاکید فرماتے۔ اس

حضرت کی تصانیف کی سب سے پہلی شراذہ ہندی کا سہرا آپ کے سر رہا۔ ”المجمل المعداد لتالیف المحدث“ میں سب سے پہلے آپ نے امام احمد رضا کی تقریباً آٹھ سو تصانیف کی موضوعاتی فہرست پیش کی ہے۔ امام احمد رضا کے حوالے سے آپ کا سب سے عظیم کارنامہ ”حیات اعلیٰ حضرت“ کی تدوین ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کا وصال شریف ۱۳۳۰ھ/۱۹۲۱ء میں ہوا۔ آپ کے وصال کے سترہ سال بعد تک آپ کی حیات و خدمات پر کوئی کام نہ ہوسکا۔ چند مقالات، تاثرات یا مختصر کتابچے ظاہر ہے مشرق کے اس عبقری کا کیا تعارف کرا سکتے تھے۔ اس راہ میں کئی چیزیں حائل ہوئیں۔ ۱۹۲۱ء کا زمانہ خلافتِ مودونت اور نان کو اپریشن تحریک کی شورشوں سے لبریز زمانہ تھا۔ پھر سلطنتِ عثمانیہ کے سقوط، ۱۹۲۵ء سے آریہ سماج کا شدید ٹکٹھن اور پھر ۱۹۳۰ء سے دوقومی نظریے میں آئی شدت اور قیامِ پاکستان کے تصورات نے ایسا ماحول پیدا کر دیا تھا جس نے اسلامیانِ ہند کے دل و دماغ ہلا کر رکھ دیئے تھے۔ ماحول کی ابتری اور دینی اور سیاسی قائدین کی غیر ذمہ دارانہ حرکتوں نے ذہنوں میں قوطیت کی ایسی برف بوسا رکھی تھی کہ غمیں قریب قریب شل ہو چکی تھیں۔ رفتہ رفتہ حالات نے سنہلایا اور برف کپٹنے لگی اور پھر امام احمد رضا کے حوالے سے اس جمود کے حصار سے جو ذاتِ گرامی سب سے پہلے نکلے وہ منظورِ اعلیٰ حضرت، حضرت ملک العلماء کی ذاتِ کریم تھی۔ آپ نے ہی سب سے پہلے کرمست کسی اور اس ’نہت خواں‘ کو طے کرنے کی شافی۔ اس راہ میں دانشورانِ رنشا میں سے جاں نثار اعلیٰ حضرت، مولانا سید ابوبسی قادری رضوی نے آپ کا پورا پورا تعاون کیا بلکہ انہوں نے بے مثل ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے پاس موجود سارا سوانحی مواد حضرت ملک العلماء کے حوالے کر دیا۔ بارہ سال کی محنت کے بعد چار جلدوں میں یہ تصنیف مکمل ہوئی۔ ۱۹۵۵ء میں اس کا صرف پہلا حصہ شائع ہوا۔ دوسری جلد اب تک دستیاب نہ ہو سکی، تیسری، چوتھی جلد پہلی جلد کے ہمراہ نصف صدی طے کرنے کے بعد اب شائع ہونے جا رہی ہے۔ اس شور سے دیکھا جائے تو حضرت ملک العلماء نے سوانحی ادب پر بھی نئے نئے علمی آثار چھوڑے ہیں۔

### فتہ و تصوف:

”مَنْ تَقَفَّ وَلَمْ يَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ وَمَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يَتَقَفَّ فَقَدْ تَزَلَّزَلَ“ (امام مالک)

”جس نے عالمِ شریعت ہونے کے ساتھ ساتھ طرزِ صوفیائی کی پیروی نہ کی، وہ بے عمل ٹھہرا اور جس نے صرف زہد اختیار کیا اور شریعت کے علم سے بے بہرہ رہا، اس کے ایمان کا بھی بحرہ نہیں“ ۱۲ اس ماحصل اس ارشادِ مالکی کی روشنی میں فتہ اور تصوف کا آپس میں گہرا رابط نظر آتا ہے بلکہ ابتدا میں دونوں ایک ہی دائرہ علم میں آتے تھے۔

علامہ محبت اللہ بہارنی ”مسلم الثبوت“ میں تحریر فرماتے ہیں :

”ان السلف فی الزمان القدیم کان متناولاً لعلم الحقیقۃ وہی الالہیات من مباحث الذات

والصفات و علم الطریقۃ وھی مباحث المتحیات و المملکات و علم الشریعۃ الظاہرۃ۔  
 ”زبانہ قدیم میں علم فقہ، علم حقیقت کے مباحث پر مشتمل ہوتا تھا جسے علم الہیات کہتے ہیں اور جس میں خدا کے  
 تعالیٰ کی ذات و صفات سے بحث ہوتی ہے۔ یونہی نجات بخش اور ہلاکت آمیز چیزوں کے علم، علم طریقت اور شریعت  
 مطہرہ کے ظاہری علوم بھی اس علم کے دائرے میں آتے تھے۔ ۱۲۰۰-۱۲۰۱ سال

بعد کے زمانوں میں تمدن کے پھیلاؤ نے جب علم کی شاخوں کو ضرب دینا شروع کیا تو فقہ اور تصوف دونوں نے اپنی  
 الگ الگ ممتاز شاخیں بنالیں لیکن ہر اردوری کے باوجود قدیم رفاقت کا اثر تو رہتا ہی تھا۔ اسی لئے حضرت امام غزالی ایک  
 فقیہ کو تصوف کے رنگ میں ہی رنگا دیکھنا چاہتے ہیں۔ فقہیانہ اوصاف کی یہ غزالی تشریح دیکھئے۔ فرماتے ہیں:

”فقہ وہ ہے جو دنیا سے دل نہ لگائے اور آخرت کی طرف ہمیشہ راغب رہے، دین میں کامل بصیرت رکھتا  
 ہو، طاعات پر مداومت اپنی عادت بنا لے، کسی حال میں بھی مسلمانوں کی حق تلفی پر برداشت نہ کرے، مسلمانوں کا اجتماعی  
 مفاد ہر وقت اس کے پیش نظر ہو، مال کی طمع نہ رکھے، آفات نفسانی کی باریکیوں کو پہچانتا ہو، عمل کو فاسد کرنے والی  
 چیزوں سے بھی باخبر ہو، راہ آخرت کی گھاٹیوں سے واقف ہو، دنیا کو فقیر سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس پر قابو پانے کی قوت  
 رکھی اپنے اندر رکھتے ہو، سفر و حضر اور خلوت و خلوت میں ہر وقت دل پر خوف الہی کا غلبہ ہو۔“ (احیاء العلوم)

فقہ اور فقہ کی ان تشریحات کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں تو حضرت ملک العلماء قدس سرہ ایک ممتاز فقیہ اور پرمسوز  
 صوفی نظر آتے ہیں۔ تصوف پر آپ کی کوئی باضابطہ تصنیف تو نہیں ملتی لیکن آپ کی جملہ فقہی اور دینی تصنیفات میں  
 حضرات صوفیہ کی رواداری اور اخلاص کے جذبہ رونق افروز ملتے ہیں۔ آپ کی پاکیزہ زندگی کے شب و روز معمولات  
 صوفیہ اور اذکار و اغفال سے معمور دکھائی دیتے ہیں۔ تعصب اور تنگ نظری سے کوسوں دور، قلبی پاکیزگی اور طہارت  
 باطن کا نثار خاندہ بھی آپ کی ذات گرامی۔ معاملہ سے بھی کبھی آپ کو سو قیام نہ کلام کرتے نہ دیکھا گیا۔ تحریروں کی شائستگی اور  
 جذبوں کی سادگی کہتی ہے کہ یہ کسی مرد خدا کے بول سکتے ہیں۔ زیر نظر مجموعہ فتاویٰ کے کتاب النظر والاہدۃ میں کئی صوفیانہ  
 فتاویٰ شامل ہیں۔ حضرت امام غزالی نے ایک فقیہ کے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں، وہ سارے اوصاف حضرت ملک  
 العلماء کی پاکیزہ، متوہی شعار، خدا ترس اور سراپا اخلاص ذات گرامی میں موجود ملتے ہیں۔

حضرت کی فقہیانہ شان پر کچھ گفتگو کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فقہ و افتاء کے تعلق سے بھی کچھ  
 بنیادی معلومات اور ان کے مختلف مراحل کا اجمالی تعارف پیش کر دیا جائے تاکہ قارئین، کتاب کے مندرجات اور خود  
 صاحب کتاب کی شان کمال کا اندازہ کر سکیں۔



انسان جنہو اور دریافت کا پیکر اور ایک دوسرے کے تعاون کا محتاج ہے۔ اس لئے ابتداء آفرینش سے ہی  
 اس کی جستجو کا سفر جاری ہے اور اس کے ساتھ متوازی طور پر باہمی مفاہمت کا عمل بھی۔ تحقیق و جستجو اور مفاہمت کے اسی  
 سلسلے کو فقہ (یعنی فہم) و افتاء (یعنی باہمی دریافت) کی معزز اصطلاحات سے موسوم کرتے ہیں۔ اس طور سے یہ دونوں

چیزیں ابتداءً تحقیق سے چلی آ رہی ہیں۔ قرآن حکیم، احادیث طیبہ میں بھی اس کی واضح ہدایات اور تفہیماتیں وارد ہیں۔ قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ ”فَاسْتَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ“ (التحل: ۴۳) (تو اسے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں) مفتی اور مستفتی دونوں کی اہمیت واضح فرما رہی ہے۔ سارے انبیاء و مرسلین، اُمامہ و مبلغین اپنی امتوں اور مائتوں کو اسلامی احکام بتاتے چلے آئے اور ساری امتیں اپنے پیغمبروں اور رہنماؤں سے شرعی احکام دریافت کرتی رہیں، اس لئے عمومی تناظر میں بھی رہنما فقہ اور مفتی اور سارے قبیح مستفتی نظر آتے ہیں۔ لیکن ہماری گفتگو امت محمدی کے مخصوص عربی فقہاء تک محدود ہے، اس لئے ان الفاظ کے وہی معانی بیان ہوں گے جو ان کے معروف اصطلاحی مفہوم کے گرد گھومتے نظر آئیں۔

فقہ و افتاء مفہوم کے اعتبار سے قریب مساوی ہیں۔ البتہ افتاء فقہ کی ایک مخصوص اور ممتاز حیثیت ہوتی ہے۔ علامہ زحرفی فقہ کی تحریف ان لفظوں میں کرتے ہیں:

”الفتیہ: العالم الذى يشق الاحكام و يقتض عن حقائقها“

”فقہ ایسے عالم کو کہتے ہیں جو احکام شریعت کی تہیں کھولے اور ان کے حقائق کی تفتیش کرتا ہے۔“

ابتداءً زمانہ میں یہ لفظ مجتہد مطلق کے تعلق سے استعمال کیا جاتا تھا لیکن اب ایسے ناقل فتویٰ کو مفتی اور فقہ کہتے ہیں جو فقہاء کے کرام کے مختلف طبقات پر گہری نظر رکھتا ہو اور راجح اور مرجوح، مفتی بہ میں امتیاز کی صلاحیت رکھتا ہو۔

حضرت علامہ سید محمد امین عابدین شامی قدس سرہ ”رد المحتار علی الدر المختار“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”المفتی هو المجتهد قاصداً غير المجتهد ممن يحفظ اقوال المجتهد فليس بعفت والواجب عليه

إذا سئل ان يذكّر قول المجتهد كما لا امام على وجه الحكاية فعرف ان ما يكون في زماننا من فتوى

الموجودين ليس بفتوى بل هو نقل كلام المفتي لياخذ به المستفتي۔ (رد المحتار ۴۷/۱)

”مفتی تو مجتہد ہوتا ہے۔ جو شخص مجتہد نہ ہو، صرف کسی مجتہد کے اقوال کو یاد رکھتا ہو، وہ مفتی نہیں ہوتا۔ ایسے شخص پر لازم ہے کہ جب اس سے کچھ پوچھا جائے تو کسی مجتہد جیسے حضرت امام اعظم کا قول بطور حجت بیان کر دے۔ اس وضاحت سے معلوم ہو گیا کہ ہمارے زمانے کے اصحاب فقہ کے فتاویٰ درحقیقت فتویٰ نہیں ہوتے بلکہ وہ کسی مفتی کے اقوال کی نقل ہوتی ہے تاکہ مستفتی اس کی روشنی میں حکم شریعت اخذ کر سکے۔“

اسی لئے لوہیں معلوف نے المجتہد میں مفتی کی موجودہ تفریح بیان کی ہے:

”المفتی: الفقیہ الذی يعطى الفتوى و يحجب عما ألقى عليه من مسائل المتعلقة بالسرعة“

”مفتی ایسے اسلامی دانشور کو کہتے ہیں کہ جب اس کے سامنے شریعت سے متعلق مسائل پیش کئے جاتے ہیں تو وہ ان کے جواب دیتا

ہے اور شرعی فیصلہ صادر کرتا ہے۔“ (المجذد ص ۹۸)

عقربی فقہ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ رسالہ مبارکہ ”اجلی الاعلام ان الفتوى

مطلقاً علی قول الامام“ (۱۰۲۳۴) میں چند بنیادی مقدمات بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”الرابعة: الفتوى حقیقیہ و عریفہ۔ فالحقیقیۃ حر الإفتاء عن معرفة الدلیل التفصیلی و اولئک الذین یقال لهم اصحاب الفتوی و یقال ”یئذنا افنى الفقیه ابو جعفر و الفقیه ابو الملیث و اضرا بهما رحمته الله تعالى۔ و العریقیۃ: اصحاب العالم یا قول الامام جاهلا عنها تفلیدا له من دون تلك المعرفة كما یقال فتاوی ابن نجیم و الغزی و الطووری و الفتاوی المعیریة و هلم تنزلوا زمانا و رتبة الی الفتاوی الرضویة جعلها الله تعالى مرضیة مرضیة۔ امین۔“

”پچھتا مقدمہ: فتویٰ کی دو قسمیں ہیں: عربی اور حقیقی۔ حقیقی یہ ہے کہ دلیل تفصیلی کی معرفت کے بعد فتویٰ دیا جائے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اصحاب فتویٰ کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں: یہی فتویٰ دیا ہے فقہ ابو جعفر فقہ ابو الملیث اور ان کے امثال نے۔ اور عربی فتویٰ یہ ہے کہ عالم لوگوں کو امام کے اقوال بتا دے۔ وہ دلیل کو نہ جانتا ہو و محض تقلید کے طور پر ایسا کرے۔ جیسے کہا جاتا ہے: فتاویٰ ابن نجیم، فتاویٰ غزی، فتاویٰ طوری اور فتاویٰ خیریہ وغیرہ اور بعد کے زمانہ میں فتاویٰ رضویہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو پسندیدہ اور مرضی کرنے والا بنادے۔ آمین!“ (الفتاویٰ الرضویہ۔ مترجم۔ ۱۰۹/۱)

اس کا ذکر پہلے ہو چکا کہ افتا کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی انسان کی۔ شریعت محمدی کے نزول سے اس کا شاندار اور ممتاز دور شروع ہوتا ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت اور نزول قرآن سے اسلامی تعلیمات کا دائرہ مکمل ہوتا شروع ہوا۔ حضرات صحابہ و صحابیات بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اسلامی تعلیمات کا درس لیتے، درپیش آنے والے مسائل دریافت کرتے۔ استفتا اور افتا کا یہ سب سے مستند، یقینی اور زریں دور ہے جو قیامت تک کے پیش آمدہ مسائل کے حل کے لئے سرچشمہ فیض کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس دور میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہر مسئلہ کا مکمل، مقدس اور قطعی بخشش حل پیش کرتی۔ اس تقدس مآب دور اولین کے بعد اب تک فقہ و افتا کے چار شاندار دور گزر چکے ہیں۔

### فقہ و افتا کا دوسرا دور: (۱۰ھ تا ۴۱ھ)

اس جہان رنگ و بو سے خورشید رسالت کا جب ظاہری رخ روپوش ہو گیا تو اکابر صحابہ کرام نے امت کی زمام قیادت سنبھالی۔ حضرات خلفائے راشدین نے اسلامی سلطنت کی سرحدیں وسیع کیں تو بحیثی تمدن نے نت نئے مسائل و ردائے کئے جن کے اسلامی حل کے لئے گروہ صحابہ کے صاحبان تدبر اور دالین تفقہ نے کتاب و سنت کی روشنی میں اپنے تدبر اور تائید الہی کے سہارے فیصلے صادر فرمائے جو بعد کی نسلوں کے لئے استناد کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس دور میں جو ۱۰ھ سے لے کر ۴۱ھ تک محیط ہے، حضرات خلفائے راشدین، حضرت عبداللہ بن مسعود (۳۲ھ)، حضرت ابو موسیٰ اشعری (۵۲ھ)، حضرت معاویہ بن جبل (۸۱ھ)، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ (۵۷ھ)، رضی اللہ تعالیٰ عنہما و جمعین کے فقہانہ فیصلے اور فتاویٰ بہت شہرت رکھتے تھے۔

## تیسرا دور: (۱۰۰ تا ۱۰۰ھ)

اکابر صحابہ کی صفیں خالی ہونے کے بعد اصغر صحابہ کرام اور کبار تابعین نے امت کی قیادت سنبھالی۔ اس دور میں اسلامی سلطنت کی وسعتیں شرق و غرب اور جنوب و شمال کی وسعتوں کو اپنے دامن میں سمیٹ چکی تھیں۔ تمدن کی وسعت، علم کی گرم بازاری، اور عرب و عجم کے اختلاط نے اہل تہذیبوں میں بڑی تیز گامی پیدا کر دی تھی۔ مدینہ منیرہ، مکہ معظمہ، کوفہ، بصرہ، شام، مصر اور یمن میں فقہائے مجتہدین کی کثیر تحفیں آراستہ تھیں اور ہر ایک کے درس و افادہ کی اپنی ایک الگ ہی صوم تھی۔ چند اسمائے گرامی پیش ہوتے ہیں۔

- ۱۔ امام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (م ۵۷ھ)۔ ۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر (م ۷۳ھ)
- ۳۔ حضرت ابو ہریرہ (م ۵۸ھ)۔ ۴۔ حضرت سعید بن مسیب مخزومی (م ۹۳ھ)۔ ۵۔ حضرت عروہ بن زبیر بن عوام اسدی (م ۹۴ھ)۔ ۶۔ حضرت ابوبکر بن عبدالرحمن (م ۹۴ھ)۔ ۷۔ حضرت امام زین العابدین علی بن حسین (م ۹۴ھ)۔ ۸۔ حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر (م ۱۰۶ھ)۔ ۹۔ حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر (م ۱۰۶ھ)۔ ۱۰۔ حضرت سلیمان بن یسار (م ۱۰۷ھ)۔ ۱۱۔ حضرت نافع (م ۱۱۷ھ)۔ ۱۲۔ حضرت ابن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ)۔ ۱۳۔ حضرت امام محمد باقر محمد بن علی بن حسین (م ۱۱۴ھ)۔ ۱۴۔ حضرت امام جعفر بن محمد بن علی بن حسین (م ۱۲۸ھ)۔ ۱۵۔ حضرت ابوالرضا عبداللہ بن ذکوان (م ۱۳۱ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین مدینہ طیبہ میں جلوہ افروز تھے۔
- ۱۶۔ حضرت عبداللہ بن عباس (م ۶۸ھ)۔ ۱۷۔ حضرت مجاہد بن جبر (م ۱۰۳ھ)۔ ۱۸۔ حضرت نکرمة ابن عباس (م ۷۷ھ) مکہ معظمہ کے نامور فقیہ تھے۔

- ۱۹۔ حضرت علقمہ بن قیس (م ۶۲ھ)۔ ۲۰۔ حضرت مسروق بن اجدع (م ۶۳ھ)۔ ۲۱۔ حضرت عبیدہ بن عمر و سلمانی (م ۹۲ھ)۔ ۲۲۔ حضرت اسود بن یزید نخعی (م ۹۵ھ)۔ ۲۳۔ حضرت قاضی شریح بن حارث کندی (م ۹۵ھ)۔ ۲۴۔ حضرت سعید بن جبیر (م ۹۵ھ)۔ ۲۵۔ حضرت عمرو بن شریح (م ۱۰۳ھ) کے فقہی افادات کی کوفہ میں وقوم تھی۔
- ۲۶۔ حضرت انس بن مالک (م ۹۳ھ)۔ ۲۷۔ حضرت ابوالعالیہ رفیع بن مہران (م ۹۰ھ)۔ ۲۸۔ حضرت ابوالاعشاء جابر بن یزید (م ۹۳ھ)۔ ۲۹۔ امام التبعیر والروایہ حضرت محمد بن سیرین (م ۱۳۱ھ)۔ ۳۰۔ حضرت قتادہ بن دعامہ (م ۱۱۸ھ) کے جلوہ سے بصرہ کی سر زمین جگمگاتی تھی۔
- ۳۱۔ حضرت عبدالرحمن بن عثیم اشعری (م ۷۸ھ)۔ ۳۲۔ حضرت ابوداؤد ابی حنیفہ خولانی (م ۸۰ھ)۔ ۳۳۔ حضرت قیس بن ذویب (م ۸۱ھ)۔ ۳۴۔ حضرت رجاہ بن حیوہ کندی (م ۱۱۲ھ)۔ ۳۵۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز (م ۱۰۱ھ) ملک شام کے نامور فقہاء میں شمار ہوتے تھے۔

- ۳۶۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص (م ۶۵ھ)۔ ۳۷۔ حضرت ابوالخیر مرشد بن عبداللہ (م ۹۰ھ)
- حضرت یزید بن ابی حبیب (م ۱۲۸ھ) نے مصر کے علمی انوں میں اجالا کر رکھا تھا۔



۳۹۔ حضرت طاہر بن کیسان ہندی (م ۱۰۶۶ھ)۔ ۴۰۔ حضرت وہب بن منبہ صنعانی (م ۱۱۴۳ھ)۔ ۴۱۔ حضرت نجی بن کثیر نے یمن کی بزم علم میں برکتیں بکھیر رکھی تھیں۔  
اس مختصر ترین فہرست سے ہی اندازہ کیجئے کہ اس دور میں اس فن نے کتنی وسعت اختیار کر لی تھی۔ اس کثیر پیمانہ کی باضابطہ شراذہ بندی ہوتی ہے چوتھے دور میں۔

### چوتھا دور :

اس دور کا اثر دوسری صدی ہجری کی ابتدا سے لے کر چوتھی صدی ہجری کے وسط تک پھیلا ہوا ہے۔ اسی دور میں سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی جلیل الشان ذات گرامی معجزہ سرور کائنات کی سورت میں جلوہ گر ہوئی جنہوں نے اپنے چالیس ہرگزیدہ حلالہ کے ساتھ مل کر اس فن کی باضابطہ شراذہ بندی فرمائی جو قیامت تک کے مسائل حیات حل کرنے کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضرات محققین نے خوب فرمایا:

”فقہ کی کاشت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمادی، حضرت علقمہ نے اس کی آبیاری کی، حضرت ابراہیم حنفی نے اس کو پھٹی کوکاتا، حضرت حماد نے اس کی بھوسی اباری، حضرت امام اعظم نے اسے باریک پیسا، حضرت امام ابو یوسف نے اسے گوندھا اور حضرت امام محمد بن حسن شیبانی نے اس کی روٹیاں پکا لیں۔ اب ساری امت ان روٹیوں سے شکر سیر ہو رہی ہے۔“

اس دور میں امام الائمہ، سراج الائمہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۸۰-۱۵۰ھ) کے علاوہ بہت سارے ائمہ کے فقہی مکاتب کی بنیاد پڑی۔ مدینہ طیبہ میں حضرت امام مالک بن انس (۹۳-۱۶۹ھ)، مصر میں حضرت امام محمد بن ادریس شافعی (۱۵۰-۲۰۴ھ)، بغداد میں حضرت امام احمد بن حنبل (۱۶۳-۲۴۱ھ)، کوفہ میں حضرت سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ) مصر میں امام لیث (م ۱۷۵ھ)، بغداد میں امام ابو ثور (م ۲۴۰ھ)، اندلس اور دمشق میں امام عبدالرحمن بن عمرو شافعی اور اسی (۸۸-۱۵۷ھ) کے مذاہب پھیلے۔ لیکن چار مشہور فقہی مذاہب حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی کے سوا کسی دوسرے فقہی مکتب کو بچائے دوام نہ مل سکی۔

نبی و دودو ہے جس میں فقہ کی باضابطہ اصولی تدوین ہوئی، مختلف مذاہب پھیلے، ہر مذہب کی ترجمان کثیر کتابیں لکھی گئیں، فقہی مباحثات کی روش عام ہوئی، یہاں تک کہ عالم میں صرف چار فقہی مذاہب کے اثرات ہی محفوظ رہ سکے۔ ان چاروں مذاہب میں جو عروج اور قبول عام، فقہ حنفی کو نصیب ہوا اسے محض فضل الہی، امام الائمہ، سراج الائمہ، کاشف الائمہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کو فی ثوابت کو فی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طہارت باطن، بکری گہرائی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کی مقبولیت کا ثمرہ ہی کہا جاسکتا ہے۔ امام جلیل حضرت ملا علی قاری حنفی (م ۱۰۱۴ھ) کے بیان کے مطابق پوری امت کا دو جہاں حصہ حنفی ہے۔ (مرقاۃ ۲/۲۳۸)۔ اپنے تو خیر اپنے ٹھہرے، غیروں نے بھی آپ کی عظمت، جلالت اور مقبول بارگاہ الہی ہونے کی شہادت دی ہے۔ سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول کافی شہرت رکھتا ہے:

الناس فی الفقہ عیال علی ابی حنیفۃ: لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے دستِ نگر ہیں۔

بہت ممتاز شافعی ہندی محدث اور فقہ علامہ محمد طاہر قسری (م ۱۸۶۷ھ) صاحب ”تجلیح البحار“ (المعنی: ”سیر بہت چمکی بات تحریر فرماتے ہیں:

قلو لم یکن للہ سر حقیقی قبہ لہما جمیع لہ شطر الاسلام او ما یقاربہ علی تقلیدہ حتی عبد اللہ یغنیہ وعمل برائہ الہی یومنا ما یقارب أربع مائة وخمسين سنة وقبہ: دل دلیل علی صحیحہ“ (المعنی ص ۸۰)۔  
 ”اگر اس مذہب حنفی میں اللہ تعالیٰ کی قبولیت کا راز پوشیدہ نہ ہوتا تو لغت یا اس کے قریب مسلمان اس مذہب کے مقلد نہ ہوتے۔ ہمارے زمانے تک، جس کو امام صاحب سے تقریباً ساڑھے چار سو برس کا عرصہ ہوتا ہے، ان کی فقہ کے مطابق اللہ وحدہ کی عبادت ہو رہی ہے اور ان کی رائے پر عمل ہو رہا ہے۔ یہ اس مذہب کے عند اللہ مقبول اور صحیح ہونے کی شاہد اور دلیل ہے۔“ (تاریخ علم فقہ: مفتی سید عظیم الاحسان، مطبوعہ مکتبہ برہان، دہلی۔ ص ۷۷)

فقہ حنفی کی ایجاد کو بارہ سو سال سے زائد کا عرصہ بیت چکا ہے۔ اس طویل عرصے میں لاکھوں فقہاء اور ارباب فتاویٰ پیدا ہوئے، ان کی لسانی اور قلمی یادگاریں علائکہ اور تصانیف کی صورت میں منظر عام پر آتی رہیں۔ اسلام بحرِ بر کی وسعتوں پر محیط ہو چکا ہے۔ کسے یا راہے کہ ان کے اجمالی حالات بلکہ صرف اسے گرامی بنی شاکر کر سکے۔ اس لئے مزید تفصیل میں نہ جا کر فقہائے احناف کے طبقات، فقہ حنفی کی مستند کتابوں کی درجہ بندیاں اور چند ممتاز ترین کتب فتاویٰ کی تفصیل پر اکتفا کی جاتی ہے۔

ماہرینِ فقہ نے حضراتِ فقہاء کو سات طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔

#### ۱- مجتہد فی الشرع / مجتہد مطلق مستقل:

یہ فقہائے اسلام کا وہ طبقہ ہے جنہیں اصولی قواعد کی تائیس، کتاب و سنت، اجماع اور قیاس سے فرقی احکام کے استنباط کی ذاتی سطح پر استعداد حاصل ہو اور وہ اصول و فروع میں کسی کی تقلید کے محتاج نہ ہوں۔ جیسے سراج اللامۃ امام اعظم ابو حنیفہ (م ۱۵۰ھ)، امام مالک (م ۱۷۹ھ)، امام شافعی (م ۲۰۴ھ)، امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) وغیرہ۔

#### ۲- مجتہد فی المذہب / مجتہد مطلق غیر مستقل:

یہ ایسے فقہاء ہوتے ہیں جن میں مجتہد مطلق کی ساری صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں لیکن وہ خود کو اصول میں کسی مجتہد مطلق کا تابع رکھتے ہیں اور ان کے بنائے ہوئے اصول کی روشنی میں کتاب و سنت، اجماع اور قیاس سے مسائل کے استخراج کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یعنی اصول میں مقلد ہوتے ہیں اور فروع میں مجتہد۔ جیسے حضرت امام ابو یوسف (م ۱۸۳ھ)، امام محمد (م ۱۸۹ھ)، امام عبد اللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ) وغیرہ علائکہ امام اعظم قدس سرہ اہم۔

#### ۳- مجتہد فی المسائل / مجتہد مقید:

ایسے فقہاء اس زمرے میں آتے ہیں جو اصول و فروع دونوں میں مجتہد مطلق کے تابع ہوں اور ان کے وضع

کردہ اصول و فروع کی روشنی میں ایسے مسائل کا استنباط کر سکتے ہوں جن کے بارے میں ائمہ مذہب سے کوئی روایت نہیں ملتی۔ جیسے امام ابو بکر خضاف (م ۲۶۱ھ)، امام ابو جعفر طحاوی (م ۳۳۱ھ)، امام ابوالحسن کوفی (م ۳۴۰ھ)، شمس المائتہ حلوانی (م ۴۵۶ھ)، شمس المائتہ سرخسی (م ۵۰۰ھ)، امام فخر الاسلام بزدوی (م ۴۸۲ھ)، امام فخر الدین قاضی خاں (۵۹۳ھ)۔

#### ۴۔ اصحاب تخریج:

حضرات فقہاء کا یہ طبقہ اجتہاد و استنباط مستقل کی قدرت نہیں رکھتا، البتہ ائمہ مذہب کے وضع کردہ سارے اصول و فروع پر گہری نگاہ ہوتی ہے، جس کی روشنی میں یہ مجمل کی تشریح، مجمل کی تعین مثالوں کے حوالے سے کر سکتے ہیں۔ حضرت امام ابو بکر احمد بن علی رازی (م ۳۷۰ھ) اسی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

#### ۵۔ اصحاب ترجیح:

یہ حضرات اصحاب تخریج سے کتر فقہات کے حامل ہوتے ہیں اور ائمہ مذہب سے منقول روایات میں سے اصول و فروع کی روشنی میں بعض کو بعض پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جیسے امام ابوالحسن قدوسی (م ۴۲۸ھ)، صاحب ہدایہ امام ابوالحسن علی بن ابی بکر فغانی مرغینانی (م ۵۹۳ھ) وغیرہ۔  
”ہذا اولیٰ، هذا اصح، هذا اوضح، هذا اوفى للقياس“ جیسے اقوال ان کی پہچان ہوتے ہیں۔

#### ۶۔ اصحاب تیسر:

فقہاء کا یہ گروہ مذہب کے قوی اور ضعیف، مقبول اور مردود اقوال میں تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ظاہر الروایہ اور نادور روایات کے درمیان امتیاز کی قدرت ان میں موجود ہوتی ہے، جیسے اصحاب متون معتبرہ مثلاً صاحب مختار، صاحب وقایہ، صاحب مجمع وغیرہ۔

#### ۷۔ مقلد محض:

جن میں مذکورہ بالا کوئی صلاحیت موجود نہ ہو۔ ایسے حضرات کا ذاتی قول قابل عمل نہیں ہوتا۔ بس یہ ائمہ مذہب کے اقوال نقل کر سکتے ہیں جیسے موجودہ دور کے صاحبان فقہ۔  
حنفی فقہاء کی طرح کتب احناف کے بھی طبقات ہیں۔ علماء نے ان کے تین طبقے بیان کئے ہیں۔ ۱۔ کتب اصول۔ ۲۔ کتب نوادر۔ ۳۔ کتب واقعات۔

#### ۱۔ کتب اصول:

کتب اصول ہی کو ظاہر الروایہ بھی کہتے ہیں۔ اس طبقے میں وہ کتابیں اور روایات شامل ہیں جو اصحاب مذہب سے منقول ہیں۔ حنفی ائمہ شمس سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، اور امام محمد کی مرویات اسی ذیل میں آتی

ہیں۔ ان میں امام زفر، امام حسن بن زیاد وغیرہ ملائذہ امام اعظم کی روایات کا بھی شمار ہوتا ہے۔ لیکن عموماً ظاہر الروایۃ کا طلاق حضرت امام محمد بن حسن غنیانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان چھ تصانیف مبارکہ پر ہوتا ہے:

۱۔ مبسوط۔ ۲۔ جامع صغیر۔ ۳۔ جامع کبیر۔ ۴۔ میر صغیر۔ ۵۔ میر کبیر۔ ۶۔ زیادات۔ یہ کتابیں ظاہر الروایۃ اس لئے کہلاتی ہیں کہ انہیں نوادر کے ساتھ ثقہ راویوں نے روایت کیا ہے۔ موجودہ دور میں مسائل اصول جن کتابوں میں جمع ہیں، ان میں حاکم شہید کی کتاب الکافی اور شمس الامم سرخسی کی مبسوط نہایت معتد ہیں۔

## ۲۔ کتب نوادر :

اس کے ذیل میں اصحاب مذہب کی وہ روایات آتی ہیں جو مذکورہ بالا چھ کتابوں میں نہ ہوں جیسے حضرت امام محمد کی کیسانیات، بارونیات، جرجانیات، رقیات، زیادة التزیادات (امالی امام محمد بردایت ابن رستم) کے مسائل اور روایات۔ حضرت امام ابو یوسف کی کتب الامالی، حضرت امام حسن بن زیاد کی آخر رو غیر ہا۔

## ۳۔ کتب واقعات :

ان میں وہ مسائل آتے ہیں جنہیں ائمہ خلفہ کے بعد والے طبقے نے تصنیف یا روایت کیا ہو جیسے فقہ ابو الیث سمرقندی کی کتاب النوازل، دیگر حضرات کی مجموع النوازل، واقعات الناطقی، واقعات صدر الشہیدہ واقعات دراصل فتاویٰ یا اقتضایا کے مجموعے ہوتے ہیں۔ اسی صنف سے زیر نظر کتاب کا خاص تعلق ہے۔

موجودہ دور میں فقہ حنفی کی اخذ کے طور پر استعمال ہونے والی مستند کتابیں یہ ہیں:

- ۱۔ اصول بزودی۔ امام غنی بن محمد بزودی (م ۴۸۲ھ)۔ ۲۔ المبسوط۔ شمس الامم سرخسی (م ۵۰۰ھ)۔ ۳۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع شرح تہذیب النہج۔ ملک العلماء امام ابو بکر بن مسعود بن احمد کاسانی (م ۵۸۷ھ)۔ ۴۔ فتاویٰ قاضی خاں۔ امام فخر الدین حسن بن منصور اوزجندی فرغانی معروف بہ قاضی خاں (م ۵۹۲ھ)۔ ۵۔ الہدایۃ۔ امام ابو الحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی (م ۵۹۳ھ)۔ ۶۔ البحر الرائق شرح کنز الدقائق، شیخ زین بن ابراہیم معروف بہ ابن نجیم صاحب الاشاہ والنظار (م ۹۷۰ھ)۔ ۷۔ درمختار شرح تہذیب البصار۔ علامہ سید محمد امین ابن عابد بن شامی (م ۱۲۵۲ھ)۔ ۸۔ حاشیہ حنفی (م ۱۰۸۸ھ)۔ ۹۔ رد المحتار علی الدر المختار۔ علامہ سید احمد طحاوی (م ۱۳۰۲ھ)۔ ۱۰۔ طحاوی علی مرقا الفلاح۔ علامہ سید احمد طحاوی۔ ۱۱۔ فتاویٰ عالمگیری۔ مفتی نظام الدین دغلا کا پورڈ۔ ۱۲۔ العنایا النہدیۃ فی التتادل الرضویۃ۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی (م ۱۳۴۰ھ) قدس سرہ۔

مؤلفین فقہانہ کتب استلاف کی ایک درجہ بندی اور کی ہے یعنی ۱۔ متون۔ ۲۔ شرح۔ ۳۔ فتاویٰ۔ سب سے مقدم اور اہم متون ہیں پھر شرح پھر فتاویٰ۔ چند مستند متون، شرح اور فتاویٰ یہ ہیں۔

## مستند متون :

۱۔ مختصر امام غماوی ۲۔ مختصر امام کرخی ۳۔ مختصر امام قدوری ۴۔ کنز الدقائق ۵۔ وانی ۶۔ دقایہ ۷۔ نقایہ ۸۔ اصلاح ۹۔ مختار ۱۰۔ مجمع البحرین ۱۱۔ مواہب الرحمن ۱۲۔ ملقنی ۔

## مستند شروح :

۱۔ مذکورہ بالا مختصرات کی شرحیں ۲۔ کتب اصول ستہ (جامع کبیر، جامع صغیر، مبسوط، زیادات، تیر تیر، صغیر کی شرحیں ۳۔ مبسوط امام سرخسی ۴۔ بدائع الصنائع ۵۔ تبیین الحقائق ۶۔ فتح القدیر ۷۔ عنایہ ۸۔ غایہ ۹۔ غایۃ البیان ۱۰۔ درایہ ۱۱۔ کفایہ ۱۲۔ نہایہ ۱۳۔ حلیہ ۱۴۔ غنیۃ ۱۵۔ البحر الرائق ۱۶۔ اشترک الفائق ۱۷۔ درر الکام ۱۸۔ درر مختار ۱۹۔ جامع المختصرات ۲۰۔ جوہرہ نیرہ ۲۱۔ البیاض وغیرہ۔  
امام احمد رضا کے نزدیک انہیں میں محققین کے حواشی بھی داخل ہیں جیسے غنیۃ شربلانی، حواشی خیر الدین ربی، رد المحتار، منیۃ اللیق، فتاویٰ خیرہ، الفتاویٰ الدریۃ للشافعی، الفتاویٰ الرضویہ اور اس جیسی دوسری کتابیں۔ اختتامی، جامع الرموز، شرح ابی الکاکرم، سران و ہاج، شرح ملا سکین کا شمار شروح میں نہیں۔

## مستند فتاویٰ :

۱۔ خانیہ ۲۔ خلاصہ ۳۔ بزازیہ ۴۔ خزائنہ المفتیین ۵۔ جواہر الفتاویٰ ۶۔ تحفیات (مجمیع نام کی متعدد کتابیں) ۷۔ ذخیرہ ۸۔ واقعات طاعنی ۹۔ واقعات صدر الشہید ۱۰۔ نوازل فقیہ ۱۱۔ مجموع النوازل ۱۲۔ ادائیجیہ ۱۳۔ ظہیریہ ۱۴۔ عمدۃ ۱۵۔ کبریٰ ۱۶۔ صغریٰ ۱۷۔ تہمتہ الفتاویٰ ۱۸۔ صغیرہ ۱۹۔ فصول عمادی ۲۰۔ فصول استروشی ۲۱۔ جامع مضار ۲۲۔ ۲۳۔ خانیہ ۲۴۔ ہندیہ / فتاویٰ عالمگیری ۲۵۔ الاشباہ والنظائر ۲۶۔ منیہ وغیرہ۔  
فقیر، رحابہ، خزائنہ الروایات، مجمع البرکات، برہان کا شمار فتاویٰ میں نہیں۔ فتاویٰ طور، فتاویٰ مفتاح ابن نجیم ناقابل اعتماد ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ملخصاً - مترق جلدیں)

☆☆☆☆☆

اب ایک اجمالی نظر خاص صنف فتاویٰ کی تاریخ پر۔

تحفظ اور اطلاع کی راہ سے سب سے پہلا مجموعہ فتاویٰ حضرت مولائے کائنات کا ہے جس کی نقلیں لوگوں نے محفوظ کیں۔ یونہی حضرت زید بن ثابت کے فتاویٰ کے تحریری مجموعے کا بھی تذکرہ ملتا ہے (مقدمہ فتاویٰ مظہریہ ص ۵۲)۔ عرب اپنی بے پناہ قوت حافظہ کی بنا پر باتیں ضبط تحریر میں لانے کو عار سمجھتے تھے اور اپنی قوت حفظ پر ہی زیادہ انحصار کرتے تھے۔ اس لئے فقہائے صحابہ کی کثرت کے باوجود ان کے فتاویٰ اور فیصلے ضبط تحریر میں نہ لانے کا جسکے پالائے گئے لیکن ان کی باضابطہ حفاظت اور تدوین کا اہتمام نہ ہوسکا۔ خود احادیث کریمہ کی باضابطہ تدوین تیسری صدی کے آغاز کی چیز ہے۔

تو پھر فتاویٰ اور تشایا جو قیصر تدریس پوری کرتے ہیں، ان کی تدوین نہ ہو سکی تو یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں۔ اس کتابت دور میں بھی سیکولر اصحاب فتاویٰ ایسے ملیں گے جن کے فتاویٰ محفوظ نہیں رہ پاتے اور سے بھی قرآن کی ترویج و اشاعت کی نوبت نہیں آتی۔ پھر بھی بعد کی صدیوں میں دوسرے فنون کی کتابوں کی طرح مرتب فتاویٰ کی شرح بھی ہو سکتی تھی۔ تدوین کی راہ میں سب سے پہلا مجموعہ فتاویٰ حضرت فقیہ ابو الیث سمرقندی کا ہے ”کتاب النوازل“۔

صدی کی ترتیب سے چند مشاہیر فتاویٰ ذکر کئے جاتے ہیں:

- ۱۔ فتاویٰ ابی بکر۔ ۲۔ فتاویٰ ابی القاسم (تیسری صدی ہجری)۔ ۳۔ فتاویٰ ابن قطان۔ ۴۔ فتاویٰ ابی الیث۔ ۵۔ فتاویٰ ابن الحداد (پچھٹی صدی)۔ ۶۔ فتاویٰ ابن الصبار۔ ۷۔ فتاویٰ السیجی۔ ۸۔ فتاویٰ خواہر زادہ۔ ۹۔ فتاویٰ جندی (پانچویں صدی)۔ ۱۰۔ فتاویٰ تہرستانی۔ ۱۱۔ فتاویٰ حسام الدین۔ ۱۲۔ فتاویٰ سراجیہ۔ ۱۳۔ فتاویٰ ظہیر بیہ۔ ۱۴۔ فتاویٰ قاضی خاں۔ ۱۵۔ فتاویٰ کبریٰ۔ ۱۶۔ فتاویٰ صغریٰ (پچھٹی صدی)۔ ۱۷۔ فتاویٰ ابن رزین۔ ۱۸۔ فتاویٰ صوفیہ۔ ۱۹۔ فتاویٰ ولوالجیہ (ساتویں صدی)۔ ۲۰۔ فتاویٰ ابن عقیل۔ ۲۱۔ فتاویٰ زرکشی۔ ۲۲۔ فتاویٰ سبکی (آٹھویں صدی)۔ ۲۳۔ فتاویٰ قاری الہدایہ۔ ۲۴۔ فتاویٰ حاوہ۔ ۲۵۔ فتاویٰ ابن شمس۔ ۲۶۔ فتاویٰ ابی السعد۔ ۲۷۔ فتاویٰ زبیدیہ (دسویں صدی)۔ ۲۸۔ الفتاویٰ الخیر فی نفع المریہ۔ ۲۹۔ الفتاویٰ الدرر فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ (تالیف ۱۲۳۸ھ)۔ ۳۰۔ فتاویٰ جامع البرکات۔ ۳۱۔ فتاویٰ نقشبندیہ۔ یہ محدود و چند اسمائے فتاویٰ تھے جو کشف الظنون سے انتخاب کئے گئے۔

ہندوستانی فتاویٰ کی تاریخ بھی اتنی ہی پرانی ہے جتنی ہندوستانی اسلام کی۔ ہند کی سرزمین مسلمانوں کے قدم سے عہد فاروقی میں ہی سر فراز ہو چکی تھی۔ جب سلاطین اسلام نے ہندوستان میں قدم بھائے اور اس کفرستان میں اسلام کی پرچم کشائی ہوئی تو اسلامی احکام کے نفاذ اور دریافت کا ایک سلسلہ چل پڑا۔ خود سلاطین اسلام، اسلامی دانشور ہوا کرتے تھے اور فقہی معاملات سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ اس ذیل میں سلطان محمود غزنوی، ظہیر الدین محمد بابر، سلطان عالمگیر اورنگ زیب کے نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ محمود غزنوی نے خود فقہ پر شائد ارکتاب تصنیف کی ”انشر بدی الفروع“۔ دیگر سلاطین نے بھی فتاویٰ کے مجموعے مرتب کرائے۔ اس ذیل میں فتاویٰ عالمگیری کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی جس کی تدوین پر اس زمانے میں دو لاکھ روپے صرف ہوئے۔ یہ کتاب عجب اخلاص اور دیانت کی پاکیزہ شہنشاہی چھاؤں میں مرتب ہوئی کہ صدیوں کی گرو بھی اس کی مقبولیت اور افادیت پر ذرہ برابر اثر انداز نہ ہو سکی بلکہ آئے دن اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اب تک کئی بین الاقوامی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کے علاوہ ۲۔ فتاویٰ فیروز شاہی۔ ۳۔ فتاویٰ ابراہیم شاہی۔ ۴۔ فتاویٰ اکبر شاہی۔ ۵۔ فتاویٰ عادل شاہی۔ ۶۔ فتاویٰ تاجرانہ جیسے مجموعہ ہائے فتاویٰ بھی سلاطین اسلام کے دور کی یادگار ہیں۔

دستور اسلامی کی بنیادی زبان عربی تھی اور سلاطین ہند کی سرکاری زبان فارسی، اس لئے پیشتر فنون کی طرح فتاویٰ کی کتابیں بھی یا تو عربی زبان میں لکھی گئیں یا فارسی زبان میں۔ بارہویں صدی کے اخیر میں جب اس سرزمین پر اردو

نے قدم ہمارے تو افغانی سلاطین ہند کے قدم اکھڑ رہے تھے اور انگریزوں کے تسلط کا آغاز ہو رہا تھا۔ اس لئے اب عوام انفرادی سطح پر علمائے امت سے مسائل میں رجوع کرنے لگے اور اردو فتاویٰ کے تحت جو مجھے بھی منظر عام پر آنے لگے۔ ان میں چند اہم مجموعہ ہائے فتاویٰ یہ ہیں:

- ۱۔ العطا یا النبیۃ فی التاوی الرضویہ (۱۳۱۰ھ)۔ عبقری فقیر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ (م ۱۳۴۰)۔ ۲۔ فتاویٰ ارشادیہ (مطبوعہ ۱۹۵۵ء)۔ علامہ ارشاد حسین رانی پوری۔ ۳۔ فتاویٰ محبوبیہ (مطبوعہ ۱۳۱۶ھ)۔ مولانا احمد حسین خان۔ ۴۔ فتاویٰ امجدیہ۔ علامہ مفتی حکیم ابوالعلا محمد امجد علی قادری رضوی۔ ۵۔ فتاویٰ مولانا عبدالحی فرنگی جلی۔ ۶۔ فتاویٰ قیام المسند والدین۔ مولانا عبدالباری فرنگی جلی۔ ۷۔ فتاویٰ نعیمیہ۔ مفتی احمد رضا نعیمی۔ ۸۔ فتاویٰ نظامیہ۔ مفتی رکن الدین۔ مطبوعہ حیدر آباد دکن۔ ۹۔ فتاویٰ صدارت العالیہ۔ مطبوعہ حیدر آباد دکن (۱۳۵۳ھ)۔ ۱۰۔ فتاویٰ واحدی۔ علامہ عبدالواحد سیستانی (مطبوعہ لاہور ۱۳۴۶ھ)۔ ۱۱۔ فتاویٰ مسعودی۔ علامہ محمد مسعود شاہ نقشبندی۔ ۱۲۔ مجموعہ فتاویٰ۔ میر علی شاہ گولڑوی (قلمی)۔ ۱۳۔ فتاویٰ ملک العلماء۔ ملک العلماء مولانا شاہ محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی، وغیرہ وغیرہ۔

☆☆☆☆☆

فقد افتا کی تاریخ پر ایمانی نگاہ ڈالنے کے بعد آئیے یہ دیکھتے ہیں کہ منصب افتا کے تقاضے کیا ہوتے ہیں؟۔  
فقد اسلامی کا تعلق زندگی کے ہر شعبہ سے ہے۔ سیاست و امارت، قوانین اور جرائم، انفرادیت اور اجتماعیت، عبادات و معاملات سبھی اس سے جڑے ہوئے ہیں۔ اس لئے مذہب سے لے کر معاشرت تک کے مسائل اور رب سے لے کر بندے تک کے حقوق اس کے دائرہ بحث میں شامل ہیں۔ انفرادی اور شخصی طور پر دیکھتے تو نکاح، طلاق، نسب، پرورش و پرداخت، نفقہ، میراث، ان سبھی معاملات کے مسائل زیر غور آتے ہیں جن سے عائلی اور خاندانی تنظیم میں مدد ملتی ہے۔ اجتماعی اور تمدنی معاملات میں خرید و فروخت، اجارات، زمین، کفالت، شرکت، قرض، دفاعے عہد اور دیگر مسائل پر گفتگو ہوتی ہے۔ حقوق عباد میں والدین، اولاد، اہل خاندان، پاس پڑوس، شہر، ملک، قوم اور ملت کے مفادات کا تحفظ اسلامی نقطہ نگاہ سے ملحوظ ہونا چاہیے۔ اسی لئے یہ سارے معاملات بھی فقہ اسلامی کے دائرے میں آتے ہیں۔ حقوق اللہ میں ہمسافر انصاف و واجبات، مسن و مسلمات سبھی شامل ہیں۔ غرض دنیا سے لے کر آخرت تک کے مسائل اس فن سے وابستہ ہیں۔ اس لئے فقیر اور مفتی کا منصب بھی اپنے ساتھ بہت ساری نزاکتیں، ہمہ گیریاں اور اہمیتیں رکھتا ہے جن کے معیار پر پورا اترنے کے لئے مفتی کے اندر چند ممتاز خصوصیات کا ہونا ضروری ہے۔ آئیے دیکھتے ہیں کہ وہ خاصائص کیا ہیں؟۔

کسی مفتی اور فقیر کے اندر ایک عامی سے بالاتر ذاتی اور علمی دونوں سطح پر کچھ امتیازی خصوصیتیں ہونی چاہئیں۔ ذاتی سطح پر وہ رطب خالق، رطب خلق اور رطب نفس تنوں کے تقاضے پورا کرتا ہو۔ وہ ایک خدا ترس، اطاعت شعار بندہ، رسول رحمت کا جاں نثار امتی، دیانت دار، صداقت شعار، روادار، پیکر اخلاص، و مرد منور طبیعت رکھنے والا فرد امت ہو۔ حق پسند، حق گو، ہر قسم کی عصبیت سے بالاتر، نیم اور بر، بار، قول کا وحشی، عمل کی دولت سے مالا مال، وین

تصلب سے آراستہ، شرافت و ہندوب کا پیکر اور شائستگی سے بھرپور ایک اچھا انسان ہو۔ جو فقیرانہ اوصاف سے آراستہ ہو گا وہی علم اور دین کے تقاضے پورا کر سکے گا۔

علی سطح پر اس دور میں مقلد مفتی کے اندر درج ذیل خصوصیتیں ہونی چاہئیں:

(۱) مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ شریعت کے بنیادی مہاور سے واقف ہو خصوصاً کتاب و سنت، تفسیر وحدیث کے موجودہ ذخیرے پر وسیع نگاہ ہونی چاہئے تاکہ وہ پوری بصیرت کے ساتھ اپنے ائمہ مذہب کے اقوال کی تفہیم اور تلقین کی ذمہ داری ادا کر سکے اور سنت سے مسائل کے جوابات کتاب و سنت کی جاں بخش ضایاؤں میں اصول ائمہ مذہب سے استفادہ کرتے ہوئے مدلل طریقے سے پیش کر سکے۔

(۲) مفتی جس امام کی تقلید کرتا ہے، اس مذہب کی کتابوں اور فقہاء کے علمی مراتب اور طبقات سے پوری طرح واقفیت رکھتا ہو تاکہ اس ناقل مفتی کو اقوال ائمہ کی نقل در روایت میں دشواری پیش نہ آئے اور نہ وہ اس راہ میں تسامح کا شکار ہو بلکہ پوری بصیرت کے ساتھ افتاء کی منہی ذمہ داری پوری کر سکے۔

(۳) مفتی کو راجح اور مرجوح اقوال کا علم ہونا چاہئے تاکہ کہیں بے علمی میں قول مرجوح پر فتویٰ نہ دے بیٹھے جب کہ قول مرجوح پر فتویٰ دینا باطل ہے۔

(۴) مذہب احناف کی کتابوں کی متاخرین نے بالترتیب تین وجہ بندیاں کی ہیں۔ ۱- متون۔ ۲- شروح۔ ۳- فتاویٰ۔ ہر ایک درجے میں معتبر اور غیر معتبر دونوں طرح کی کتابیں موجود ہیں۔ مفتی کو اس کی واقفیت ہونی چاہئے کہ کون سے کتاب کس خانے میں آتی ہے اور آیا وہ معتبر ہے یا نہیں؟۔

(۵) معتبر اور متداول کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ ہونا چاہئے اور ائمہ مذہب کے اختلاف کی صورت میں رسم المفتی اور آداب الافتاء کی دفعات کی پابندی کرنی چاہئے، یعنی روایت، درایت، ترجیح، تصحیح کے اعتبار سے منبوط پہلو پر عمل ہو۔

(۶) مفتی کے لئے حالات زمانہ سے واقفیت اور حتی البسح رعایت ضروری ہے ورنہ ضرورت فساد کا اندیشہ ہے۔ ”من لم يعرف اهل زمانه فهو جاهل“ (جو حالات زمانہ سے واقف نہیں، وہ نادان ہے) مشہور فقہیانہ مقولہ ہے۔

(۷) فقہی اصطلاحات مستند کتابوں کے انداز بیان اور مصنفین کے ترتیبی مزاج سے واقفیت بھی ضروری ہے تاکہ اقوال اخذ کرنے میں غلطی نہ ہوئے پائے۔ بعض ائمہ سب سے پہلے قوی قول بیان کرتے ہیں پھر ضعیف، بعض کا انداز اس سے مختلف ہوتا ہے۔

(۸) حنفی مفتی کو کسی دوسرے امام کے مذہب پر فتویٰ دینا جائز نہیں۔ حنفی مطلقاً امام اعظم کے مذہب پر عمل کرے گا اور حنفی مفتی ہمیشہ حضرت امام اعظم کے قول پر فتویٰ دے گا۔ اسی مستحکم اتحار کے سبب تو اسے حنفی کہتے ہیں۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ فرماتے ہیں:

(ترجمہ) ”طبع سلیم کے لئے قابل قبول انصاف کی بات یہ ہے کہ ہمارے زمانے کے مفتی کا کام یہی ہے کہ مشائخ نے جو فتویٰ دیا ہے، اسے نقل کر دے۔ اسی بات پر علامہ ابن ہنلی اپنے فتاویٰ میں گمزن ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:



”اصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر عمل کیا جائے۔ اسی لئے مشائخ اکثر انہی کی دلیل کو ان کے مخالف اصحاب کی دلیل پر ترجیح دیتے ہیں اور مخالف کے استدلال کا جواب بھی پیش کرتے ہیں۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ عمل قول امام پر ہوگا اگرچہ ایسی جگہ حضرات مشائخ نے یہ صراحت نہ فرمائی ہو کہ فتویٰ قول امام پر ہے۔ اس لئے کہ ترجیح خود صراحۃً صحیح کا حکم رکھتی ہے کیونکہ مرجوح رائج کے مقابلے میں بے ثبات ہوتا ہے۔“

جب معاملہ یہ ہے تو قاضی اور مفتی کو قول امام سے انحراف کی گنجائش نہیں مگر اس صورت میں جب کہ مشائخ میں سے کسی نے یہ صراحت فرمائی ہو کہ فتویٰ امام کے سوا کسی اور کے قول پر ہے۔“ (فتاویٰ رضویہ، مترجم جلد اول ص ۱۰-۱۰۱)

لیکن کسی بھی امام کا قول، بطرح کا ہوتا ہے۔ ۱- قول صوری۔ ۲- قول ضروری۔

اس کی توجیح عبقری الشرح، بے مثل مخفی فیہ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے قلم سے ملاحظہ کیجئے۔ آپ اپنے طویل الثامن رسالہ ”اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقا علی قوم الامام“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”العامۃ“ اقوال وبالله التوفیق: ”القول فولان۔ صوری و ضروری۔ فالصوری هو المفعول المنقول والضروری ما لم یقله القائل نصا بالخصوص لکنہ قائل بہ فی ضمن العموم الحاکم ضرورۃ بان لو نکلم فی هذا الخصوص لکنکلم کذا ویدعا بخلاف الحکم الضروري الحکم الصوری وح فی نفسی علیہ الضروری حتی ان الاخذ بالصوری بعد مخالفة للقول والعديل عنه الی الضروري موافقة او ابتعاد له کأن کان زید صالحا فامر عمرو بحداثة یا کرهه نضا جهارا وکرر ذلك علیهم مرارا وقد کان قال لهم ”ایاکم ان تکرر صوابا سافا ابد“۔ قعد زمان فسق زید، علایه فان اکرمه بعدہ بحداثة عملا ینصه المکرر المقرر لکنوا عاصین وان تکرر اکرامه کانوا مطیعین ومنثل ذلك یقع فی اقوال الائمة۔ (الفتاویٰ الرضویة ۱/۹، ۱۰ لاہور)

”پانچواں مقدمہ“ میں اللہ کی توفیق کے سہارے عرض کرتا ہوں کہ قول کی دو قسمیں ہوتی ہیں: ۱- قول صوری اور ۲- قول ضروری۔

قول صوری وہ ہے جو کسی نے صراحۃً کہا اور اس سے نقل ہوا۔ اور قول ضروری وہ قول ہے جسے قائل نے صراحۃً اور خاص طور پر نہ کہا ہو مگر وہ کسی ایسے عوم کے ضمن میں اس کا قائل ہو جس سے ضروری طور پر یہ حکم برآمد ہوتا ہے کہ اگر وہ اس خصوص میں کلام کرتا تو اس کا کلام ایسا ہی ہوتا۔

کبھی حکم ضروری، حکم صوری کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں حکم صوری کے خلاف حکم ضروری رائج اور فیصلہ کن ہوتا ہے، یہاں تک کہ اب قول صوری پر عمل کرنا قائل کی مخالفت شمار ہوتا ہے اور حکم صوری کو چھوڑ کر حکم ضروری کی طرف رجوع کو قائل کی موافقت یا اس کی پیروی کہا جاتا ہے۔ مثلاً زید نیک اور صالح انسان تھا۔ اس لئے عمرو نے اپنے خادموں کو کہنے لفظوں میں صراحۃً حکم دیا کہ وہ زید کی تعظیم کریں۔ اس نے اس حکم کا بار بار اعادہ کیا لیکن اس سے پہلے وہ خدام کو یہ حکم عام بھی دے چکا تھا کہ کسی فاسق کی تعظیم ہرگز نہ کریں۔ اتفاق ایسا ہوا کہ زید فاسق ملعون ہو گیا۔ اب اگر عمرو کے خدام اس کے کمر درگاہت شدہ صریح حکم پر عمل کرتے ہوئے زید کی تعظیم کریں تو عمرو کے نافرمان شمار ہوں گے

دور اگر اس کی تعظیم ترک کر دیں تو اطاعت گزار نہیں رہے۔ ایسا ہی معاملہ اقوال ائمہ میں بھی پایا جاتا ہے۔  
اس توضیح کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ ائمہ احناف بعض اوقات حضرت امام ابوحنیفہ کے قول ظاہر سے انحراف کرتے ہوئے دیگر پہلو پر کیوں عمل کرتے ہیں اور اس کے باوجود غنی کیوں کہلاتے ہیں؟ لیکن قول امام سے عدول ہر جگہ روا نہیں بلکہ مخصوص حالات میں خاص اسباب کے تحت اس کی اجازت ہوتی ہے۔ وہ خاص اسباب کون سے ہوتے ہیں، اس کی وضاحت کرتے ہوئے امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ فرماتے ہیں:

(ترجمہ) ”ائمہ مذہب کے قول صوری کے خلاف حکم ضروری پر عمل ہوتا ہے۔ اس کے درج ذیل چھ اسباب ہوتے ہیں:

۱۔ ضرورت۔ ۲۔ حرج۔ ۳۔ عرف۔ ۴۔ تعادل۔ ۵۔ کوئی اہم مصلحت جس کی تکمیل مطلوب ہو۔ ۶۔ کوئی بڑا مفدہ جس کا ازالہ مطلوب ہو۔

ان اسباب کی بنا پر قول ضروری پر عمل اس لئے ہوتا ہے کہ ضرورتوں کا استثناء، حرج کا دفعہ، اسوہ وینی مصلحتوں کی پاسداری جو اپنے سے زیادہ فساد سے خالی ہوں، مفاد کو دور کرنا، عرف کا لحاظ کرنا اور تعادل پر کاربند ہونا، یہ سب اس لئے کو لازم کیے ہیں جو شریعت سے معلوم ہیں۔ سارے ائمہ ان کی جانب مائل، ان کی پاسداری کے قائل اور ان پر اعتقاد کرتے ہیں۔ اب اگر کسی مسئلے میں امام کا کوئی صریح حکم موجود ہو پھر حکم تبدیل کرنے والے مذکورہ امور میں سے کوئی ایک پیدا ہو تو ہمیں یہ قطعی یقین ہوگا کہ اگر یہ صورت حال خود ائمہ مذہب کے زمانے میں پیدا ہوتی تو ان کا قول اس کے تقاضے کے مطابق ہوتا۔ ان حالات سے آنکھیں موند کر اس کے برعکس وہ ائمہ بھی حکم نہ دیتے۔ ایسی صورت میں ان ائمہ سے غیر منقول قول ضروری پر عمل کرنا ہی دراصل ان کے قول پر عمل ہے۔ اب ان کے سابقہ منقول اقوال صوری پر جم جانا ان کی بیرونی نہ کہلاتے گی۔“ (فتاویٰ رضویہ ۱۱۰/۱)

اس کی بہت سی نظائریں فقہائے احناف نے پیش کی ہیں بلکہ خود فیض شریع میں اس کی واضح مثال مساجد میں عورتوں کی حاضری ہے جو زمانہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں روا تھی بلکہ خود حدیث میں اس کا حکم ہے لیکن بعد میں خود حضرات صحابہ نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے سختی سے روک دیا۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ قول خود مسند امام احمد اور صحیحین میں منقول ہے:

”لو ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رای من النساء ما یبئنا لنعہن من المسجد کما منعنا بنو اسرائیل نہ“ کیا

”اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عورتوں کی موجودہ حالت ملاحظہ فرماتے تو انہیں مسجد میں آنے سے روک دیتے جس طرح بنی اسرائیل نے اپنی عورتوں کو مسجد کی حاضری سے روک دیا۔“

(۸) اصحاب ترجیح فقہانے جس قول کو ترجیح دے دی، مفتی کو اس کے خلاف فتویٰ دینا ہرگز روا نہیں۔ اگر کسی مسئلے

میں مختلف اقوال متفقہ پائے جائیں تو ان میں سے جو زیادہ موکلہ اور راجح ہوں، اسی پر فتویٰ دیا جائے۔  
اس ترجیح کے لازم العمل اسباب، جعفری فقہ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے بیان فرمائے

ہیں۔ میں اس کا خلاصہ ذیل میں درج کرتا ہوں:

۱- تصحیح کا زیادہ موکلہ ہونا۔ ۲- تصحیح کا متون میں اور دوسرے کا شروع میں ہونا۔ ۳- تصحیح کا شروع میں اور دوسرے کا قوائدی میں ہونا۔ ۴- فقہانے اس تصحیح کی حالت بیان فرمائی اور دوسرے کی کوئی علت اور دلیل نہ پیش کی۔ ۵- تصحیح کا استحسان ہونا۔ ۶- ظاہر الروایۃ ہونا۔ ۷- وقف کے لئے زیادہ دفع بخش ہونا۔ ۸- قول اکثر ہونا۔ ۹- اہل زمانہ کے لئے زیادہ سازگار اور موافق ہونا۔ ۱۰- ایجاب اور دلیل کے لحاظ سے زیادہ واضح ہونا۔ ۱۱- احوط ہونا۔ ۱۲- ارفق (زیادہ سہل العمل) ہونا۔ ۱۳- معمول بہ ہونا۔ ۱۴- مذہب امام ہونا۔ (مترجم فتاویٰ رضویہ ملخصاً جلد اول ص ۱۶۹ تا ۱۷۱)

(۹) مفتی کو جواب دینے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ جواب معلوم ہونے کے باوجود غور و خوض، تلاش و جستجو سے جب جواب کی صحت کا یقین حاصل ہو جائے تب جا کر جواب سپرد قلم کرے۔ ورنہ ایسا اوقات سوال کی جزئیات کے مختلف ہونے سے جواب کی نوعیت بھی بدلتی رہتی ہے۔ اگر بار یکہ بین اور غور و خوض سے کام نہیں لیا گیا تو معاملہ سچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔

(۱۰) خوف خدا کے سامنے میں جواب صاف سحرے اسباب میں وضاحت کے ساتھ تحریر کرے۔ شیخ و شیخ کی سچائی (۱۰) خوف خدا کے سامنے میں جواب صاف سحرے اسباب میں وضاحت کے ساتھ تحریر کرے۔ شیخ و شیخ کی سچائی دار یوں سے خود بھی سچے اور مسائل کو بھی اس میں الجھنے سے بچائے۔ اگر صورت جواب مختلف النوع ہو تو مسائل سے سوال قائم کر کے اس کی نوعیت متعین کر لے پھر متعین رخ پر تحقیقی جواب تحریر کرے۔ لفاظی اور ضامی سے بالکل اجتناب کرے، رد و ٹوک لفظوں میں جواب دے۔ ہاں سلاست اسلوب کی روش مستحسن رہے گی۔

☆☆☆☆☆

فتیہ واقفا اور ان کے لوازمات کے اس قدر سے تفہیمی جائزے کے بعد جب ہم حضرت ملک العلماء کی فتویٰ نگارشات کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ ایک ممتاز فقہ، جہر مفتی اور تجربہ کار اسلامی دانشور نظر آتے ہیں۔ آپ نے چوں سال تک :  
افتاویٰ فرمائی، کثیر فقہی موضوعات پر رسالے تحریر فرمائے اور نئی محفولوں میں ہزاروں لاکھوں مسائل بیان فرمائے۔  
۱- مواہب ارواح القدس کشف حکم العرس (۱۳۳۳ھ)۔ ۲- اعلام الساجد بصرف جلد الاضویۃ فی المساجد :  
۳- تعلیق علی القندوری (۱۳۲۵ھ)۔ ۴- بیض المرآت فی الجہل والاباط (۱۳۲۶ھ)۔ ۵- انقیض الرضوی (۱۳۲۵ھ)۔ ۶- ریح الخلف من بین الاحناف (۱۳۳۳ھ)۔ ۷- اقول الاظہر فی الاذان بین یدی فی تکمیل الجہری (۱۳۲۶ھ)۔ ۸- ریح الخلف من بین الاحناف (۱۳۳۳ھ)۔ ۹- نہایۃ المنتہی فی شرح ہدایۃ المبتدی چا  
المہر (۱۳۳۳ھ)۔ ۱۰- تسہیل الوصول الی علم الاصول (۱۳۳۸ھ)۔ ۱۱- نافع البشر فی فتاویٰ ظفر (۱۳۳۹ھ)۔ ۱۲- لہرۃ بند (۱۳۳۳ھ)۔ ۱۳- تسہیل الوصول الی علم الاصول (۱۳۳۸ھ)۔ ۱۴- جامع الاقوال فی ردیۃ الہلال (۱۳۵۷ھ)۔ ۱۵- عید کا چاند  
امر الاصحاب باقسام البیصال الثواب (۱۳۵۳ھ)۔ ۱۶- جامع الاقوال فی ردیۃ الہلال (۱۳۵۷ھ)۔ ۱۷- عید کا چاند  
۱۸- تحویر المصباح للقیام عند علی الفلاح (۱۳۷۱ھ) جیسی آپ کی قیمتی تحریریں فتدوفا کے موضوعات (۱۳۷۰ھ)۔

سے بن تعلق رکھتی ہیں۔

مفتی اور فقیہ کا جو معیار حضرت امام غزالی نے پیش کیا تھا، اس کی روشنی میں احقر نے منصب افتاء کے ذمہ دار بننے کے لئے خصائص کے دو خانے ذکر کئے تھے جن میں سے ایک کا تعلق اس کی ذاتی سطح سے تھا اور دوسرے کا علمی سطح سے۔ دونوں سطحوں کا معیار، ان کے لوازمات اور تقاضوں پر گزشتہ اوراق میں گفتگو ہو چکی۔ ان کے تناظر میں ہم جب حضرت ملک العلماء کے اوراق حیات کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ ان دونوں معیار پر کھرے اترتے دکھائی دیتے ہیں۔ آپ کا اخلاقی معیار اتنا روشن ہے کہ بس دیکھا کیجئے۔ احقر نے حضرت کی خود نوشت یادداشتیں، قلمی مائع، خطوط کے ذخیرے اور مختلف گرائڈر اوراق کی زیارت کی ہے۔ کسی مبالغہ اور تردد کے بغیر عرض کرتا ہوں کہ ”پہلے مجھے ہر قسم پر غرض امت، مصلحت، پرسوز داعی، خدا ترس، بندہ طاعت شعار، درمند طبیعت اور سوز و دل سے سیریز ایک ایسے انسان نظر آئے۔ آپ کے یہاں حرص و آز کا گز نہیں، قناعت پسندی، شیوہ و فطرت سخی، تنگ دستی سے بادیود ہر کار خیر میں سبقت فرماتے۔ کثیر مدارک، خانقاہوں اور مکتبوں کی اپنی جب خاص سے مدد فرماتے۔ ملت کے مفادات پر ذاتی مفاد کو بے دریغ قربان کر دیتے، ہر آڑے وقت پر کام آتے۔ آپ کے ساتھ جس نے بھی احسان کیا، اسے ہمیشہ یاد رکھا بلکہ اس کا حق احسان ادا کرنے کی کوشش کی۔ نیتوں سے بے زار اور ہمدردیوں سے ہمیشہ قریب رہے۔ ان باتوں کی قدر سے تائید کیجئے یہ تو ایسی مجموعہ فتاویٰ میں شامل رسالہ مبارک ”تحتہ الاحباب فی فتح الکتاب والباب“ کا مطالعہ کیجئے۔ اسی طرح ”ہادی الھدایۃ لترك الموالاة (۱۳۳۹ھ) اور ”سند القرار لہما جری مبارک“ (۱۳۶۶ھ) جیسی تحریروں میں بھی آپ نے بہت سوز و دل کے ساتھ ملت کی صحیح راہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے۔

میں یہاں کتاب السیر کے ایک فوٹے کا اقتباس پیش کرتا ہوں جس سے حضرت کے سوز و دل اور خیر خواہی امت کا قدر سے اندازہ ہو جائے گا۔ ہنود کی دل آزاری کے پیش نظر گانے کی قربانی ترک کرنے پر ہمیشہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”لَا يَأْتِيُنَا نَحْمٌ حَقِيْقًا“ کی تصدیق دیکھئے کہ ہاتھ ملاتے ہی قربانی پر نظر شفقت پھیلتی۔ بظاہر ترک اضیہ بقر کی خواہشکاری ہے مگر اہل اسلام کی مذہبی حالت، احکام خدا کی تعمیل میں توانی (سستی) و مسامتہ، ہر ایک کے پیش نظر ہے۔ آج جب روپے، ڈیڑھ روپے میں واجب اضیہ ادا ہو جاتا ہے، جب توبہ حالت ہے کہ میٹرے میں، جن پر قربانی واجب ہے، نہیں کرتے۔ پھر جب چھ سات روپے صرف ہونے لگیں گے، میٹرے ستر اسی ان ڈوب سے محروم رہا کریں گے۔ جتہ کا کرنا بھی اسی صورت پر موقوف ہے کہ برادران وطن بچے دل سے اس کی اجازت دیں۔ ورنہ دل آزاری کا وہ نایاب نسخہ ہاتھ لگے گا کہ نہ صرف قربانی بلکہ اذان، تکبیر، حمد، جماعت، وعظ، نصیحت، جس کام کو چاہیں گے، بند کرادیں گے اور پھر دوست کے دوست۔

مسٹر گاندھی وغیرہ لیڈروں جنہود کا مسلمانوں سے اتفاق و اتحاد ظاہر کرنا، خلافت خلافت چلا نا، صرف اپنا اُلُو سیدھا کرنے، ہج و کشی ترک کرانے کے لئے ہے۔ اخباروں کے کالم ان واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔ اخبار حقیقت لکھو ۳۰

جنوری ۱۹۲۰ء کا مضمون جس کی سرخی ”انسداد کا وکشی پر مسلمانوں کا حکم“ ہے، ملاحظہ کرنے سے یہ امر اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ انسداد کا وکشی میں مسٹر گاندھی نے سب سے پہلے ابتدا کی ہے۔ انہوں نے اپنی ولی ہجرت سے مسلمانوں سے اتحاد و مل کر لیا ہے اور ہر طرح وہ گالیوں کی جانوں کو بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ غرض ان کی چٹائی چڑی باتوں میں آنا اور ابتدائے اسلام سے اس وقت تک مسلمانوں پر جو جو مظالم ہوئے آئے ہیں، خصوصاً حال کے واقعات شاہ آباد و کنار پور وغیرہ کو اس قدر جلد بھلا دینا، مسلمانوں کی سخت ناوائی اور غلطی ہے۔“

علمی سطح پر حضرت ملک العلماء کی جامعیت کا ایک زمانہ شاہد ہے۔ رائج و نئی علوم کا کون سے ایسا گوشہ ہے جو آپ کی نگاہ میں نہ تھا۔ اس وسیع انظری پر قدرے گفتگو پہلے بھی ہو چکی ہے۔ فقہی زاویے سے چند شاہد یہاں بھی پیش ہوتے ہیں۔

### وسعت نگاہ:

حضرت ملک العلماء جملہ اسلامی اور فلکیاتی علوم میں اتھارنی تھے۔ ان کی تصانیف کی فہرست سے ہی ان کی نشی وسعت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ زیر نظر مختصر مجموعہ فتاویٰ میں بھی آپ کی علمی گہرائی اور فکری گیرائی کے شاہد بکھرے پڑے ہیں۔ میں یہاں اس کے چند اشارے دیتا ہوں۔

احقر نے جب حضرت ملک العلماء کے موجودہ فتاویٰ کے مآخذ کتب کی فہرست تیار کی تو یہ کتابیں تین سو سے اوپر جا پہنچیں۔ ان میں تقریباً تیس کتابیں فن التفسیر سے متعلق ہیں، ستر سے زائد کتب حدیث اور تقریباً ڈیڑھ سو فقہی کتابیں ہیں۔

فتاویٰ کے دوران جب آپ تفسیر وحدیث اور فقہی کتابوں کے حوالے پیش کرنے پر آتے ہیں تو مستند حوالوں کے انبار لگا دیتے ہیں۔ کتاب الصوم کے آغاز میں آیت کریمہ ”قَمَن شَهِدَ مِنْكُمْ الشُّهُرَ“ کی تفسیر پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”قَمَن شَهِدَ مِنْكُمْ الشُّهُرَ فَلْيَصُمْهُ“ کی تفسیر میں مشرین کے متعدد اقوال ہیں۔ چند اقوال جو اس وقت نظر

تفسیر میں ہیں، قلمبند ہوتے ہیں۔

(۱) تفسیر بیضاوی، جلالین، مدارک، تفسیر خازن، ابن جریر طبری، تفسیر نیشاپوری، ورمشور، تفسیر واحدی، تفسیر حسینی، محام العزیز، تبویر التفسیر، روح البیان، بحر المحیط، التہذیب، تفسیر کبیر، تفسیر کشاف، تفسیر ابن کثیر، فتح البیان، توحی، میں ہے: واللفظ للاول ”قَمَن“ حضر فی الشهر ولم یکن مسافراً فلیصمه“ یعنی جو شخص رمضان کا مہینہ اپنے گھر میں پاسے اور مسافرت ہو تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

(۲) تفسیر بیضاوی، تفسیر حسینی، روح البیان، بحر المحیط میں ہے: واللفظ للبیضاوی ”قَمَن شَهِدَ مِنْكُمْ الشُّهُرَ“ یعنی جو شخص تم میں سے رمضان کا چاند پائے تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

روح المعانی میں اتنا اور بڑھایا، ”و یفین بہ“ یعنی رمضان کا چاند پائے اور اسے تہقن ہو تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔ بحر المحیط میں یہ معنی لکھ کر مجاورہ کے اعتبار سے اس معنی کو ضعیف کہا کہ مجاورہ شہادت الہی لالی نہیں کہتے بلکہ شہادت۔

کتاب حدیث اور طرق حدیث کے ذخیروں پر بھی وسیع نگاہ تھی۔ سفر سے زائد کتابوں کے حوالے تو اسی مجموعے میں ملتے ہیں۔ ایک مضمون کی دیندہ حدیث پیش کر دیتے ہیں۔ ایک حدیث کے دسیوں طرق بیان کر جاتے ہیں۔ تعمیر مسجد کے فضائل پر مختلف روایات کی چودہ حدیثیں بیان فرمائیں۔ اسی ذیل کی دوسری حدیث بیان فرمائی تو کیا وہ اس حدیث کی توسیع یا کرام سے مرویات بیان کر دیں اور لطف یہ کہ متن کے مختلف اضافے بھی ذکر فرمائے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

”دوسری حدیث میں ہے: من بنی للہ مسجدًا، جو شخص خدا کے لئے مسجد بنائے وہی روایہ ولیہ کمفحص فطافہ اگرچہ قطاۃ کے مجموعے جیسی وہی روایہ ار اصغر یا اس سے بھی چھوٹی وہی روایہ بذکر اللہ عز وجل فیہ تاکہ اس میں ذکر خدا ہوئے (نہ کہ مسجد ضرار کہ تفریق میں المسلمین و تقلیل جماعت کی غرض سے بنائی جائے) بنی اللہ لہ بینا فی الجنة اللہ اس کے لئے گھر جنت میں بنائے گا فی روایہ من دور و باقوت موتی اور یا قوت کے رواہ ابن ماجہ وابن حبان و سیدنا ابو حنیفہ وابن خزیمہ و البزار فی مسنده والطبرانی فی الصغیر و الترمذی و هو فی الکبیر والواسط وابن عدی والنسائی عن سیدنا عثمان و عمرو حار بن عبد اللہ و ابی ذر و انس بن مالک و ابی امامہ و ابی ہریرہ و اسماء بنت الصديق و عمرو بن عبسہ و رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین“۔

حضرت ملک العلماء کے فتاویٰ میں فقہی مراجع بھی کثرت سے استعمال ہوئے ہیں جو آپ کے علم اور مطالعہ کی وسعت کا روشن ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ اس مجموعہ فتاویٰ میں شامل فقہی رسائل ”نسویر المصباح“ ”نصیرۃ الاصحاب“ ”اعلام المساجد“ میں کثیر درجہ فقہی کتب کے حوالے دیکھے جاسکتے ہیں۔ جبکہ اذان غانی کے بارے میں ایک مختصر سے فتوے میں پائیں کتابوں کے حوالے موجود ہیں۔

تفسیر، حدیث اور فقہی مراجع کی اس قدر کثرت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے علمی فیضان کی برکت ہی کبھی جاسکتی ہے۔ فتاویٰ رضویہ اس تنوع، کثرت اور ہمہ جہتی میں بہت ممتاز ہے۔

### آداب افتاء کی رعایت :

مفتی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ فقہاء اور کتب فقہ کے مراتب اور رسم الفتی سے مکمل واقفیت رکھتے ہو اور اس کی روشنی میں فتویٰ دیتا ہو۔ حضرت ملک العلماء آداب افتاء پر بصیرانہ عبور رکھتے تھے اور اپنے فتاویٰ میں ان کا پورا پورا خیال رکھتے بلکہ اردو کو جب ان کی حدود پھیلا گئے دیکھتے تو ان کا ہر پور تقاب کرتے اور انہیں ان کی ذمہ داریاں یاد

دلاتے۔ اس کی بہت قی نظریں اس مجموعے میں مل جائیں گی۔ میں یہاں صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں۔  
سوال تھا: امام کی جائے قیام عام مقتدیوں کی جگہ سے پانچ انگل بلند ہے یا امام و ملیز میں کھڑا ہے تو نماز میں  
کچھ قیاحت تو نہیں؟ امام احمد رضا نے جواب مرحمت فرمایا: ”یہ صورت مکروہ ہے“ حوالے پیش فرمائے، وجہ بتائی پھر اس  
کا مناسب حل پیش فرمایا۔ یہی استیضائیک اور صاحب افتا کے پاس بھیجا گیا، ان کا جواب تھا: ”پانچ انگل بلند ہو تو کچھ  
خرج نہیں“ انہوں نے بھی حوالے پیش کئے، علت بیان کی۔

مستفتی نے دو سوال اور یہ دونوں جوابات حضرت ملک العلماء کی خدمت میں پیش کئے۔ حضرت ملک العلماء نے آداب افتا  
سے قائل مفتی کا بھرپور تعاقب کیا۔ میں حوالوں کی مبادیات حذف کر کے اس جواب کا خلاصہ پیش کرتا ہوں۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:  
”جواب سید مولوی ابراہیم رشیدی محض غلط ہے اور فتویٰ محض بے دلیل ... فتاویٰ عالمگیریہ سے مستدار ارتقا  
قامہ اور ذرائع جو کھسا ہے، یہ دونوں بوجہ مخالفت ظاہر الروایہ غیر معتبر ہیں۔ ظاہر الروایہ (جس پر عمل وافتا متعین اور اس  
کے خلاف فتویٰ دینا جہل و خرقہ اجتماع ہے) وہی ہے جو حضرت نجیب اول متع اللہ المسلمین بطول بقالہ نے  
اختیار فرمائی ہے۔۔۔

شرح محمود بلکہ باوجود وضوح و شیوع اس کے آپ جیسے تیز فہم کے لئے علانیے تصریح فرمادی کہ جب بھی فتویٰ  
لکھتے ہیںنا تو ظاہر الروایہ پر عمل کرنا۔ کیونکہ اس کے خلاف پر افتا جہالت و نادانی و خرقہ اجتماع ہے۔  
ثانیاً: یہ امر مسلم ہے کہ اتباع اس روایت کا کیا جائے گا جس کے موافق روایت ہو اور احادیث الہی و اودو حاکم  
و ابن حبان وغیرہ کی اس باب میں مطلق ہیں اور ظاہر الروایہ قدر متنازع ہے۔ پھر اس سے عدول فقہات سے دور بلکہ کار  
جہول ہے۔

ثالثاً: تصحیح اور فتویٰ جب مختلف ہو تو عمل میں اعتبار، موافقت اطراف متون کا ہوتا ہے۔ اور متون سارے کے  
سارے یک زبان، ہمہ گیر رہے ہیں: یکسرہ ان بقوم فی مکان اعلیٰ من مقام القوم اذالم یکن بعض القوم  
معه۔ تو اس سے عدول محض جہالت و نادانی ہے۔

رابعاً: بحر المراقب میں ثابت کہ مخالف ظاہر الروایہ کا، مرجع عدہ ہوتا ہے اور وہ مجتہد کا قول نہیں رہتا پھر باوجود  
ایماہ حقیقت امام کے خلاف فتویٰ دینا سوا مستثنیات خاصہ مصرحہ و شامی وغیرہما کے خلاف دیانت و عقل ہے۔  
خامساً: آپ کا فرمانا اذ اتعازضا امامان البخ۔ محرم صاحب الاول تو یہ مسئلہ ہی اختلافی ہے۔ جس رد مختار سے

آپ سند لائے اس میں ہی مرقوم ہے:۔۔۔۔۔  
”یعنی علامہ خیر الدین رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ خیر الرفع البریہ میں فرمایا کہ علامات افتا کے بعض الفاظ بعض سے

اتویٰ ہوتے ہیں جیسے اصح کہ اتویٰ ہے صحیح ہے، تو صحیح پر مقدم کیا جائے گا۔“  
سادساً: ذرا یہ تو ارشاد وہ کہ یہاں صحیح اور اصح میں اختلاف کہاں؟ بلکہ اسی روایت کو بعض علماء نے اوچ لکھا کہ مافی  
الدر۔ محقق علی الاطلاق ابن ہمام نے فتح القدیر میں وجہ فرمایا، نا فہم۔ صاحب! یہاں تو ظاہر الروایہ اور غیر ظاہر الروایہ

میں اختلاف ہے۔ جہاں ظاہر الروایۃ ہی پر افتاح متین، جسے آپ نے پس پشت ڈال کر یا اپنے پرانے کی نقل بنا کر جمیل اور خرق جماعت کی رادلوں کو لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم۔

جب آپ افتخاریات میں اہل سنت کیا بلکہ اہل اسلام کے مخالف ہیں۔ اس شخص کے، جس کے جگے میں علماء عرب و عجم نے تحفہ کی طوق ڈالی ہو، مرید مستغنیہ تو پھر آپ کو ان مسائل میں جو فقہیہ ہیں، جو مابین ہمارے علماء کے مختلف فیہ ہو، قس و قال کی کس عقل مند نے راہ بتائی؟ اگر اپنے زعم میں فقیہ ہو، کچھ تحریر کرنا چاہتے ہو، تو چشم مار دشن دلی ما شاہد۔ کلمہ پڑھو، علماء سرزمین تحریک کے موافق اپنے عقاید بناؤ، جب ان باتوں میں بڑا درد ایسی ہی اخراجات پر جسے رہو۔ ان وختانی فرعیات میں بحث کرو، تو احمق نمبر ۲ بننا ہے۔ جیسے کوئی قادیانی یا ہندو کسی حقنی سے مناظرہ وادار کبے کہ آئیں بالجہر کہنا چاہئے یا بالانفاء؟ تو ہرادی عقل والا بھی کبے کہہ کر اسے اذیت دے! پہلے اسلام لائے بن پھر ان باتوں میں منہ کھولنا۔ اللہ تعالیٰ اصدق الصادقین کی تکذیب کریں، حضور اقدس افضل الناس و اعلم الناس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کریں، اہلس لعین کے علم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ بتائیں اور تنبیہات میں خامہ فرسائی کریں؟ اپنے کو پانچویں سوار میں بتلائیں؟ رع۔ خرم بادت از خدا و از رسول۔

ایسے جائے مطلق جو ادب مثنیٰ سے محض جاہل اور اس پر طرہ تحریر کا شوق کرے، تو اس سے فتاویٰ عالمگیر، اذا شعارض اسامان، حرر العبد محمد ابراہیم سنی حنفی جشتی رشیدی، گفتے کی کیا شکایت؟ ان سب میں الف تو ہم ہم ہوا ہی قلام تو میری کھیر تھا مگر حافظ جی اسے بھی چٹ کر بیٹھے۔ بالجملہ جواب اولیٰ صحیح ہے اور تحریر ثانی غلط صریح، جہل قبیح ہے۔“

یہ اقتباس جہاں حضرت کی آداب افتاء سے پوری واقفیت، تفقہ اور دقیقہ دہی کو واضح کر رہا ہے، ویس آپ کی طراشت طبع اور عجمی تنقید کے دلچسپ اسلوب کا بھی آئینہ دار ہے۔

تفصیل:

مقامات دین کے فہم اور اصول دین کی بصیرت کو تفقہ کہتے ہیں۔ یہ ملک العلماء کے مربی اور مرشد، اعلیٰ حضرت اہم احمد رضا کا خاص رنگ تھا جو ان کے پورے علمی وجود پر چھایا ہوا تھا۔ حضرت ملک العلماء نے بھی اس بارگاہ فیض سے حصہ لیا ہے، اس لئے آپ کے یہاں بھی گہری فقاہت ملتی ہے۔ گو آپ کو شہرت ایک محدث، ایک مصنف، ایک مناظر، اہل سنت و قیامت کے ماہر اور جفاکش مدرس کی حیثیت سے ملی لیکن ان سب کے ساتھ ساتھ آپ کے یہاں فقاہت کا جو ہر بھی اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود ہے۔ اس دعوے کی تصدیق کے لئے اسی مجھ سے اس وقت کے چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

سنی حنفی المذہب کی بنائی ہوئی مسجد میں ایک غیر مقلد صاحب امامت کا شوق رکھتے ہیں۔ مسئلہ پیش ہوتا ہے ملک العلماء کی بارگاہ میں۔ یہ سوال تو دستیاب نہ ہو سکا لیکن جواب کی تفصیلات بتاتی ہیں کہ سوال میں بہت ساری جزئیات



تھیں۔ جواب میں حضرت ملک الحداد نے جس جزئیات نگاری، ظرف نگاہی اور دقیقہ دسی سے کام لیا ہے، وہ دیکھنے سے قلعہ رکھتی ہے۔ بارہ صفحات پر پھیلا ہوا یہ فنی حضرت کی فصاحت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ پورا الخلف تو اس فتوے کے مطابق ہے ہی اٹھایا جاسکتا ہے۔ میں یہاں انکس نکات پر پھیلے اس فتوے کے خاص خاص گوشوں کا خلاصہ پیش کرتا ہوں۔

ابتدا ہوتی ہے: غیر مقلد کا استحقاق امامت کا دعویٰ باطل محض ہے کیونکہ بانی اور مصلیٰ سب سنی ہیں اور اہل مذہب بھی جسے چاہیں گے، وہی امام ہوگا۔ غیر مقلدین بد مذہب ہیں اور بد مذہب کی تو قیہ حرام۔ اس لئے امامت کا اعزاز انہیں دیا جاسکتا۔ بد مذہب حدیث اہل نجران کو سند میں نہیں پیش کر سکتے کہ دیکھو وہ کافر مستان تھے، حضور نے انہیں مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی اجازت دی تو بھلا ایک کلمہ گو مسجد سے کیسے روکا جاسکتا ہے؟ حضرت نے مختلف حوالوں سے اپنا موقف مستند بنانے کے بعد اخیر میں خوب فرمایا:

”غیر مقلدین اگر حدیث نجران سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو پہلے اپنی کلمہ گوئی سے انکار کریں اور یہ ہی کافی نہیں بلکہ اپنے کافر اسلمی ہونے کا ثبوت دیں۔ بھر سلطنت اسلام میں امان لے کر آجائیں۔ سلطان اگر مناسب جانے گا تو انہیں بھی کفار نجران کی طرح چند روز امان دے گا اور اتنے دنوں اپنی مسجدوں میں نماز سے نہ روکے گا۔“

غیر مقلد امام نے وقف کے استحقاق عام سے فائدہ اٹھانا چاہا تو حضرت نے ترکی بہ ترکی جواب سے اس کی بولی بند کر دی:

”غیر مقلدین کے نزدیک اگر وقف کا استحقاق ایسا عام ہے تو کیا وہ نوشینہ دے سکتے ہیں کہ ان کی مسجدوں میں ہنود و نصاریٰ و یہود و مجوس و درافض و غیر ہم جو فرقہ چاہے جائے اور اپنے طور پر عبادت کرے۔ تا قوس پھولیں، گھٹنے بجانیں، آگ جلانیں، چلیپا قائم کریں، انہیں کچھ انکار نہ ہوگا؟“

گفتگو آگے بڑھتی ہے اور غیر مقلدین کی دراندازی کی ممانعت مختلف وجہ سے ثابت کی جاتی ہے۔ ”ان کی آمد سے سنیوں کی دل آزاری ہوتی ہے، فتنے اٹھتے ہیں، عوام بدکشی ہے اور وحشتیں، فتنے، دل آزاریاں مسجد سے دور رکھی جائیں گی۔“ آگے چل کر چھوٹی توجیہ یہ پیش کرتے ہیں کہ ان کی مداخلت سے مسجدیں ویران ہوتی ہیں۔ رقم طراز ہیں:

”غیر مقلدین اگر حنفیہ کی مسجدوں میں نہ آئیں تو یہ مساجد ویران نہ ہوں گی کہ ان کے بانی، ان کے نماز سنی حنفی، ان کے آداب کرنے والے کثیر وافر ہیں لیکن انہیں اگر حنفیہ کی مساجد پر قبضہ دیا جائے تو رعایا و ملک کے بڑے حصے کو ودخت ضرروں میں سے ایک ضرر ضرر پہنچے گا:

۱- یا تو وہ اپنی نہ چھوڑیں اور غیر مقلدین کی مداخلت و اقوال و افعال دل شکنی کے باعث فتنے اٹھیں اور مسجدیں ویران ہو کر تیل آباد ہوں۔

۲- یا حنفیہ اپنی عزت، اپنی عافیت عزیز رکھ کر اپنی مسجدیں چھوڑ بیٹھیں۔ ہر طرح غیر مقلدین کا قبضہ ان مساجد کی ویرانی کا سبب ہے اور بحکم قرآن عظیم جس کے آنے سے مسجدیں ویران ہوں، وہی ظالم ہے۔ اسی کو مسجد میں آنے کی اجازت نہیں۔“



ثبوت کے لئے فریقین کی کثرت کرتا ہیں کہ چھپ کر شائع ہو چکی ہیں۔ کافی ہیں۔ بلکہ کسی ثبوت کی حاجت نہیں تم ہمیں گمراہ کہتے ہو اور تم نہیں۔ اور اگر تم اس وقت مسئلہ نہ کہو تو ہمارا فریق تو ضرور تمہیں گمراہ و بددین کہتا اور رکھتا اور چھپاتا ہے۔ اب وہ حال سے خالی نہیں۔ یا تو تم فی الواقع گمراہ ہو تو مطلب حاصل۔ یا واقع میں تم ہدایت پر ہو۔ تو جو فریق ہدایت کو خلافت جانے، وہ گمراہ ہے۔ اب یا تو تم نہیں، ہمارے صحیح اعتقادات میں حق پر جانے ہو یا نہیں؟ اگر نہیں تو معلوم ہوا کہ ہمارے بعض اعتقاد تمہارے نزدیک حق نہیں۔ اور اگر ہاں، تو ہمارے اعتقادات سے ایک یہ بھی ہے کہ تم گمراہ و بددین ہو، یہ نہیں حق ہوا۔ ہر حال دونوں تقدیر پر ایک ضرور گمراہی پر ہے۔ اور شرع مطہر کا اہل حق کو حکم ہے کہ گمراہوں سے میل جول نہ کریں۔ ان سے دور بھاگیں، ان کی نماز میں نہ شریک ہوں، اور وہ بیمار پڑیں تو عیادت کو نہ جائیں، وہ مر جائیں تو جنازے کی نماز نہ پڑھیں۔ اب اگر معاذ اللہ تم گمراہ ہیں تو تم کو حکم ہے کہ ہم سے دور ہو، ہماری نماز میں شرکت نہ کرو۔ اور اگر تم اہل بدعت ہو تو ہم کو حکم ہے کہ ہم اپنی نماز میں تمہیں شریک نہ دے دیں۔

ان اقباسات سے حضرت کے ذہن عالی کی بڑائی اور جزئیات نگاری پر گرفت پوری طرح نمایاں ہے۔ اسی طرح کتاب الکناح میں ایک فقہ سے کی تردید اور اصلاح میں آپ کی جوت طبع اور روشن ماغ نے جو جولا ئی دکھائی ہے، وہ دیکھنے کی چیز ہے۔ آپ نے جواب اول کی فاش غلطیاں ایسی ررق آشکار کی ہیں کہ کچھنے اور چھڑے دیے ہیں۔ (پورافقوی ص ۱۰۰۔۔۔ یہ موجود ہے) یونہی ”مکڑی کا فیصلہ“ میں آپ نے جس دیدہ ریزی سے فیصلے کی پوری مسل کا فقیہانہ جائزہ لے کر اس کی خامیاں طشت از با م کی ہیں اور درست شرعی فیصلے کی جانب جیسی مدبرانہ راہنمائی فرمائی ہے، وہ آپ کی تدبیر آئینہ فکر اور فقیہانہ بصیرت کا کھلا ثبوت ہے۔ (پورا رسالہ کتاب القناح میں دیکھئے)

حضرت کا رسالہ مبارکہ ”اعلام الساجد“ صرف جلوہ الاضحیٰ فی المساجد میں بالکل امام احمد رضا کا فقہی رنگ دمکتا نظر آتا ہے۔ وہی جزئیات نگاری، وہی دقیقہ رسی، وہی کثیر و کثیر خواہات، وہی استنباطی رنگ۔ مکمل رسالہ ص ۱۰۰۔۔۔ پر ملاحظہ فرمائیں۔ میں یہاں صرف ایک اقتباس پیش کرتا ہوں۔

سوال: تہذیب قرآنی کی کمال کج کراس کی رقم سے مسجد کی تعمیر کی جاسکتی ہے یا نہیں؟۔ جواب: اثبات میں ہے۔ غالبی غیری کی ایک عبارت پیش کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

”عبارت ہذا تحریر بالا کی روشن دلیل ہے۔ اور اس سے ہر ذکی، حقیق، سلیم الطبع، جزئیات مسائل متعلقہ پوست اخیر، ادنی تا مل سے مثال سکتا ہے۔ مگر تعمیم نفع کے لئے ایک ضابطہ و تاعدہ کلیہ لکھا جاتا ہے جو کتاب فقیر پر ادراغ طیبہ اساتذہ کرام و مشائخ عظام حصہم اللہ العلام بالاطف العام سے ناقص ہوا۔ جس سے ہر عاقل فہیم تمام جزئیات بآسانی نکال سکتا ہے۔ وما یوفیہ الا باللہ وھو حسبی و نعم الوکیل۔

ظاہر ہے کہ پوست، گوشت اخیر دونوں مفق بہ ہیں اور شریعت مطہرہ نے بعد اراقت دم اس سے انتفاع کا حکم دیا۔ کما فمنا عن الہدیۃ عن المحیط۔ اور انتفاع وہ حال سے خالی نہیں۔ وہی ہو گا یا دنیاوی۔ اول ہر طرح جائز ہے مگر سے ہو یا بدل سے۔ لہذا من قولہ ویتصدق بجلدھا وقولہ وکر یا عبا بالدرھم لیتصدق بھا جاز

لانہ فربہ کالتصدق۔

ثانی بھی دو حال سے خالی نہیں۔ یا بچہ ہوگا یا بیدلہ۔ اول مطابق جائز ہے۔ لیس فی عسر الاحکام ”او یجعلہ آلفہ کحراب وعف“ او فی الخاتبة: ”ولا یاس بان یتخذ من جلد الاضحية فروا او بساطا او منکما یجلس علیہ“ او فی الکافی والہدایة: ”او یعمل منه الة نستعمل فی البیت کالمنطع والحجاب والغربال ونحوھا“ او کالدلو والمنقرة والقرب عینی۔

ثانی بھی دو حال سے خالی نہیں یا بدلہ ہوگا یا نہیں۔ اول ناجائز ہے۔ تکرر بقرات فی تفسیر خلاصہ میں ہے: ”ولا بیعہ بالدرہم لیتفق الدرہم علی نفسه وعبالہ“

ثانی یعنی بدلہ نہیں نہ ہو بلکہ مشن ہو وہ بھی دو حال سے خالی نہیں، یا مستہلک ہوگا یا غیر مستہلک، اول ناجائز ہے۔ لیس فی الہدایة والتبیین والکافی والطحاوی وعزائۃ المغنیین: ”ولا یشتری بہ مالا ینتفع بہ الا بعد استہلاکہ کالخل والابازیر اعتبارا بالبیع بالدرہم والمعنی فیہ انہ تصرف علی قصد النعمول۔

ثانی جائز ہے۔ لیس فی الہدایة وشرح الكنز لعلامسکین والکافی والتبیین والطحاوی وعزائۃ المغنیین: ”ولا یاس بان یشتری بہ ما ینتفع بعینہ فی البیت مع ینافہ استحسانا“۔

یایوں خیال کیا جائے کہ قربانی کرنے والا گوشت اخیر کو اپنے صرف میں لائے گا یا غیر کے۔ عام ازیں کو کوئی شخص معین ہو یا غیر معین جیسے رفاہ عام۔ ثانی ہر طرح جائز ہے۔ اور اپنے صرف میں لانے کی چار صورتیں ہیں۔ دو جائز، دو ناجائز (۱) اس کی کوئی چیز بنائے (۲) اس سے کوئی غیر مستہلک چیز بدلے تو جائز ہے اور (۳) اگر وہ پیوں سے بیچا (۴) کوئی مستہلک چیز خریدی تو ناجائز و ممنوع۔ و ۱۰ مضت الادلۃ آنفا۔“

### تصوف:

حضرت ملک اعلمنا شک فقہ نہیں تھے بلکہ سوز عشق اور نفس سوزیہ سے معمور ایک خوش طبع درویش فقہ تھے۔ یہی سبب ہے کہ آپ کی تحریروں میں ملانہ خشکی نہیں ملتی بلکہ صوفیانہ لطافت پیرتی محسوس ہوتی ہے۔ دل آزاری سے گریز، تنقید میں بھی شگفتگی کا ہوتا، سوچنا نہ پن سے اجتناب، اخلاص کی خوشبو، ہمدردانہ جذبے، تمکنا نہ لکھنے کیا ہیں؟ صوفیانہ خصائل ہی تو ہیں جن کا رچاؤ ہر جگہ نظر آتا ہے، لیکن عام صوفیانہ درویش سے ہٹ کر خاص صوفیانہ مسائل پر بھی آپ نے خاص فرما کی ہے۔ کتاب المحظر والاباحہ میں اس طرز کے کئی ایک فتاویٰ شامل ہیں۔

ص..... پر سوال ہے کہ کیا زید اپنے والد کی مرضی کے بغیر اشغال صوفیہ میں مہمک ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب بہت ژرف لکھی کے ساتھ دیا گیا۔ اطاعت والدین کے فضائل پر مشتمل کثیر احادیث کریمہ بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں

”پس صورت مستفسرہ میں جب کہ باپ اس کا شیخ کے یہاں جانے، جلتے میں شامل ہوتے سے رد کرتا اور کہتا

ہے کہ اس میں میری سخت ناراضگی ہوگی، ہرگز اس شخص کو اجازت نہیں کہ والدین کو ناراض کر کے حلقہ میں شامل ہوئے کی کیوں کر اجازت دی جائے گی؟ اس شخص کو چاہئے کہ شیطان کے دھوکے سے باز آئے، والدین کی فرمائندگی کرے، ان کو ایذا نہ دے، عاقبت نہ بنے، والدین کی رضا بہت بڑی نعمت ہے، اس کی قدر کرے۔  
(دوسری جانب باپ کو تلقین کرتے ہیں) اگر اس کا باپ اسے روکنے میں کوئی مصلحت شرعیہ دیکھتا ہے یا اسے اپنے ایذا کا خیال ہے کہ اسے تھما چھوڑ کر وہ اپنا کام نہ کر سکے گا، تو کوئی حرج نہیں۔ اگر اس کا کوئی حرج نہیں تو ذکر و فکر، شغل و افکار سے وہ اپنے بچے کو نہ روکے، کیونکہ اس کو اجازت نہیں کہ وہ کام کرے جو اللہ اور رسول کی رضا کے خلاف ہو۔  
توجہ قلبی کے جواز کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”توجہ لینا اپنے پیرو مشد سے اور مشدوں کا اپنے مریدین کو توجہ دینا جائز اور فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ثابت ہے۔ کتاب الترفیب والترہیب حافظ ذکی الدین عبد العظیم منذری مطبع فاروقی دہلی ص ۳۰۹ پر ہے: عن یعلیٰ ابن شداد قال حدثنی ابی شداد ابن اویس: عبادۃ بن الصامت حاضر بمعذہ قال کما عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقط فقال هل فیکم غریب یعنی اهل الكتاب قلنا لا۔ قول۔۔۔ فامر یقلق الباب وقال ارفعوا ایدیکم وقولوا لا اله الا الله۔ فرغنا ابدینا ساعة ثم قال الحمد۔ لله۔ فلیتم انک یعتنی بحدۃ الکلمۃ ووعدتنی علیہا الجنة وانت لا تعلف العیاد ثم قال ایشروا فان الله قد غفر لکم۔

یعنی مروی ہے یعنی ابن شداد سے، کہا مجھ سے بیان فرمایا میرے باپ حضرت شداد بن اویس نے اور حضرت عبادۃ بن صامت تشریف رکھتے تھے اور میرے باپ کی تصدیق فرماتے تھے۔ کہا، تھے ہم نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کیا تم میں کوئی ایسی بیوی یا عورتی ہے؟ ہم نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس حضور نے دروازہ بند کرنے کا حکم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ تم اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر لا الہ الا اللہ کہو ایک ساعت تک، ہر لوگوں نے ہاتھوں کو اٹھایا۔ پھر حضور نے دعا فرمائی کہ سب خویاں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ ابھی تو نے مجھے اس کلمہ کے ساتھ بھیجا اور اس پر مجھے جنت کا وعدہ فرمایا اور تُو وعدہ خلاف نہیں فرماتا۔ پھر فرمایا کہ خوش ہو کہ عزوجل نے تم کو بخش دیا۔ رواہ

الامام احمد باسناد حسن والطبرانی وغیرہما

یہ خاص توجہ لینے اور دینے کا جزئیہ ہے ورنہ لا الہ الا اللہ کی تعلیم کو تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہان کی طرف بھیجے گئے۔ پھر اس پوچھنے کے کیا معنی تھے کہ ہل فیکم غریب تم میں کوئی ایسی بیوی تو نہیں؟ پس اس پوچھنے ہی پر بس نہ فرمایا بلکہ دروازہ بند کرنے کا حکم دیا کہ غیر کا دخل نہ ہو؟ تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی خاص تلقین لا الہ الا اللہ تھی جس میں خاص ہی خاص حضرات کا حصہ ہے۔ اور یہ وہی توجہ ہے کہ مشائخ کرام اپنے مریدین کو دیتے ہیں۔ ولسلہ

الحمد والہ تعالیٰ اعلم۔“

حضرت کے اس استدلال نے یہ معاملہ بھی طے فرمادیا کہ حضرات صوفیہ کے معہولات، کتاب وسنت کے اسرار باطنی سے ماخوذ ہیں، یونانیوں اور یوروپ کی تعلیمات کا ملغوبہ نہیں۔

بیعت کی شرائط بیان کرتے ہوئے خالص صوفیانہ طرز کا جواب سہرا قلم کرتے ہیں:

”پیر میں تین باتوں کا ہونا ضروری ہے۔“

اہل یہ کہ وہ صاحب اجازت، خلیفہ اپنے شیخ کا ہو اور وہ اپنے شیخ کا ولی حذ القاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ اس کا مسلسل ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مسائل شرعیہ ضروریہ سے واقف اور اس کا عامل ہو اور اسے حقوق شرع میں قاصر و دستہا و نذہ ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عقیدہ اہل سنت و الجماعت ہو، بد مذہب نہ ہو۔ چاہل سے بیعت درست نہیں کہ ما بے علم تنہا خدا را شناخت۔ جو شخص خود خدا کو نہیں پہچانتا دوسرے کو کیا پہچو گائے گا۔

اودھو مشق گم ست گرا ہری کند۔ مشہور متولہ ہے ”چاہل پیر شیطان کا ٹٹو ہے“

ابرہیز میں ہے: اذا لم یکن علم لذیہ یضاہر ولا باطن فاضرب بہ ل حجج البحر قال الشیخ رضی اللہ عنہ مرادہ یعلم الظاہر علم الفقہ والنوحید ای القدر الواجب منہما علی المکلف ومرادہ یعلم الباطن معرفۃ اللہ تعالیٰ۔

مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ پیر کے لئے ضروری ہے کہ کسی مدرسہ سے دستار فضیلت پائے ہوئے ہو بلکہ اس کو علم باللہ اور علم باحکام اللہ ہو۔ مسائل اعتقادیہ و عملیہ فقہ و تلبیہ تصوف سے بے بہرہ و بے علم نہ ہو۔ حضرات سادات کرام کی فضیلت سید ہونے کی وجہ سے مراد آنکھوں پر ہے۔ مگر یہاں نسبی بزرگی کی ضرورت نہیں بلکہ مرید ایسے شخص سے ہونا چاہئے جس کے متعلق اس کا یہ اعتقاد ہو کہ اس زمانہ میں تمام لوگوں سے تربیت مرید کے لئے اعلیٰ و افضل ہے، ورنہ اس کو بیعت نہ کرنی چاہئے۔

ابرہیزنی علم سیدنا عبد العزیز میں ہے:

لا تقدم من قبل اعتقادك انه مرتب ولا اولیٰ بها منه فی العصر (ای) ولا تقدم من علی شیخ بقصد التدخیل فی صحبته حتی تتحد انه من اهل التریبہ وانه لا احق منه بها فی زمنہ۔

”یعنی مرید ہونے کے لئے کسی کی خدمت میں اقدام نہ کر، اور اس کی صحبت میں داخل ہونے کا ارادہ نہ کر۔ جب تک یہ اعتقاد نہ کر لو کہ یہ شخص تربیت کا اہل ہے اور اس زمانہ میں اس سے زیادہ کوئی شخص اس کام کے قابل نہیں۔“

تو اگر کسی غیر سید کے ساتھ اس کو اس طرح داہنگی ہے تو اسی کے ہاتھ پر مرید ہونا چاہئے اور سید صاحب کے ساتھ ہے تو اس کے ہاتھ پر ہو۔ غرض یہ معاملہ مستحق بنانے کا ہے۔ کسی عاشق سے پوچھئے کہ سید پر عاشق ہونا چاہئے یا غیر سید پر؟ جو جواب اس کا ہے، وہی جواب اس کا سمجھئے۔

بہمہ شہر پر زخواباں، منم و خیال ما ہے  
چہ کلم کہ چشم بدخونہ کند بکس لکے ہے

تقدید :

حضرت ملک العلماء کو نقد و فخر کی بھی ایک خاص قسم کی استعداد عطا کی گئی تھی۔ آپ حریف کو ان کی ہتھیار سے زیر کرنے کے قائل تھے۔ اس طرز کی تحریریں آپ کے مناظرانی رسائل میں خاص طور سے ملتی ہیں۔ زیر نظر مجموعہ فتاویٰ میں بھی بہت سارے تنقیدی جوابات ملتے ہیں جن میں طرز انشا کی خوشگوار و جلیبی تنقید اور دلچسپ بیچو بیچ کے غصے نے بھی دیکھنے کو مل جاتے ہیں۔ میں یہاں آپ کے ایک مفصل فتوے کے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں۔

فاتحہ کے جواز اور عدم جواز کے سلسلے میں تحریری معرکہ آرائی چل رہی تھی۔ نقد و نظر کے لئے فریقین کی تحریریں اشتقاق کی صورت میں ملک العلماء کے حضور پیش کی گئیں۔ آپ نے ان تحریروں کا بڑا افلا خلائہ خاصہ کیا اور تنقید کا حق ادا کر دیا۔ یہ پورا فتویٰ بارہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ میں اس کے چند دلچسپ اقتباس پیش کرتا ہوں جو ہیں تو قدرے طویل لیکن افادیت سے کم تر نہیں ہیں۔ آپ رقم طراز ہیں :

”علمائے اہل سنت کی تصریحات کے تو دور یا اندر سے ہیں۔ کہاں تک کوئی لکھے۔ اب دو فتویٰ وہاں یہ حال کے معتدرا لکل فی لکل مولوی رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ رشیدیہ سے نقل کیا جاتا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوگا کہ نہ تو گوہر کے نزدیک بھی اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ اگرچہ وہ وحی علم و فہم سے اپنی تحریر کو بھی نہ سمجھیں اور اصل اشیاء میں اباحت ہونے کو پرانا مبالغہ اور دھوکے کی ٹہنی کہتے جائیں۔

چوتھیوں سوال ”رقلین کپڑے پہننا، نیلا تہبہ باندھنا، موٹی قلعہ رکھنا، بال سر کے پودھنا اس خیال سے کہ اگلے

پیشواؤں کا معمول ہے تو اس میں بھی کوئی قباحیت ہے یا نہیں؟“ کے جواب میں ہے ”ان بیانات میں کوئی معصیت نہیں۔

ہر کی نیت سے براہ پہلی نیت سے بھلا ہے۔ فقط“۔ یہ جواب پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ جب تو

بے شک بول اٹھے کہ کوئی معصیت نہیں۔ مولوی اصغر حسین صاحب دیوبندی کی طرح (جیسے انہوں نے فاتحہ کے لئے کہا)

یہ نہ کہا کہ ”نقد کی کتاب میں ان بیانات کا کہیں نام و نشان نہیں۔ لہذا امام ابوحنیفہ کے نزدیک بے اصل ہے۔ نہ جس

صاحب کی طرح یہ کہا کہ ”بہت سے حنفیہ کا یہ قول ہے کہ اصل اشیاء میں حظر یعنی ممانعت ہے۔ تو جب تک اس کا جواز اولیٰ

فقہیہ سے نہ ثابت ہو مومن و باغیہ تازر سے گا“۔ نہ مجتہد صاحب کی طرح یہ کہا کہ ”اصل اشیاء میں اباحت پرانا مبالغہ ہے اور

اگر بالفرض مان بھی لیں، یہ تمام اشیاء باغیہ افراد با جائز ہیں تو جو امور بالفراہ با جائز ہوں ان کو مجموعہ کر کے یہ نیت بنا لیا

دھوکے کی ٹہنی ہے۔“ نہ کلے کی پانچ دانی دوروتی کے شہر کی طرح یہ لکھا کہ ”یہ فعل حضرت اور ان کے صحابہ اور تابعین اور

ائمہ مجتہدین سے منقول نہیں (ص ۲۶۳) اور جو غیر منقول ہو اور حضرت کی تعلیم سے زیادہ ہو، بدعت جائیں۔ (ص ۱)

س (۱) نہ یہ کہا کہ ”یہ نیت کسی کتاب میں منقول نہیں تو جب تک ان بیانات کا منقول ہو یا اس کو کسی مجتہد کا نیک گمان کرتا

ثابت نہ کریں گے، جب تک یہ بیانات بدعت سینہ رہیں گے اور جو برائی بدعتوں کی اوپر قربانی بیان ہوئی یعنی جس نے اس کی

تقریر کی گویا اس نے مدنی اسلام کے ڈھانے پر یا ایسے شخص اور جو اسے جگہ سے اس پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی سب کی اور قبول نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کے نکلش اور نہ فرض وغیرہ ذلک من الاحکام، وہ سب اس بیت والے پر طاعت ہوگی۔  
والاحول والافاقہ الا باللہ العلیٰ العظیم۔

رہا بحثی روداد اور "صاحب فائز مردیہ کا فیصلہ" کا عبارت در مختار سے دھوکا کھانا اور اصل اشیاء میں توقف جتنا، اباحت کو رائے مستحل کہنا، اصل اشیاء میں اباحت کے قائل کو معتزلت کا مقرر بنانا بھٹن "پادر ہوا" اور "رودرقتا" اور بناء فاسد علیٰ الفاسد ہے۔ جس کا کشف بھونہ عز وجل فقیر نے اپنے رسالہ "موہب اردار القدر" میں بروہیت نام و مالاکام کر دیا ہے فلسطالع صاحب "دفع الکلیسات" نے اسی مضمون کے متعلق زیر قول دوم و سوم، صادق عجیب تحریر محمد عبدالرحیم کو لکھا: "ناقل کی اتنی وجہ کی حماقت و بھالت ظاہر ہوتی ہے۔ بندہ خدا عبارت کا ترجمہ بھی نہ سمجھا، حق تحریف خوب ادا کیا وغیر ذلک۔"

راقم الحروف ان پاکیزہ الفاظ کے جواب میں صرف المرء یفیس علی نفسه کی شہرت پر اکتفا کر کے اس بات کا جواب دینا مناسب جانتا ہے کہ فرماتے ہیں: الاصل فی الاشیاء الاباحۃ حنیف کا متفق علیہ قاعدہ نہیں اس لئے مقتد عالم اباحت تکلف والے آخر میں یہ رقم ہے کہ جمہور حنیف کا مختار یہ ہے اس میں کیا حماقت و بھالت ہوئی؟ عبارت تحریر ایمان تمام والی یہ ہے "المختار الاباحۃ عند جمعیۃ الحنفیۃ والشافعیۃ" اس عبارت کا ترجمہ آپ کے نزدیک کیا ہے؟ تو مجب یہ سمجھا سکے۔ انصاف سے کہتے یہ تینوں گرامی اوصاف آپ کے ہوئے یا مجب کے؟ غچ بھائی جاتی ہے یہ دیکھو تو سراپا کس پر مزید آگے لکھتے ہیں:

مصباح النعمیٰ میں لکھا کہ "معاذہ غیر قدم سفر کا باجماع حنیف و شافعیہ کے مکروہ ہے۔" حالانکہ ان کے اقراریں امام، محقق و فقیہ و محدث طلیل شیخ محقق قدس سرہ شرح سفر السعادیہ میں فرماتے ہیں: "فقہاء و راویان جواز معاذہ و مکروہت اس اشتکاف نے و تفصیل سے صحیح جواز اوست اگر چہ در غیر قدم سفر نیز باخذ۔" نہ معلوم ڈیڑھی صاحب کے نزدیک اجماع کس چیز کا نام ہے؟ اعظم گروہی صاحب آخر حریف اسے کہتے ہیں مصنف کچھ فرمائے، آپ کچھ اس کے سر قیوب رہے ہیں۔ تحریف اسے کہتے ہیں کہ صرف اپنے مطلب کے دو لفظ لے لئے، باقی سے آنکھیں میچ لیں۔ تحریف اسے کہتے ہیں کہ جو جی بے دلیل کرو یا، جو معنی میں آیا کہہ بیٹھے۔ دیکھئے اعظم گروہی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں جو مولوی بشیر قوی نے کی۔ "تقسیم المسائل" اس پر انکار استہاد کے لئے "مقابلہ المؤمنین" سے نقل کیا "بکرہ الانتفاع بالقبور" اور اس کا مطلب یہ لکھا کہ "قبور سے مدد مانگنا جائز نہیں"۔ حالانکہ اصل عبارت اس کی یہ ہے: "بکرہ التمتع بالمقبرۃ وان لم یبق آت اور "قبرستان سے فائدہ لینا مکروہ ہے اگر چہ اس کے آثار باقی نہ رہیں۔

آپ کے انتہائی عربی بڑھا سمجھ سکتا ہے کہ یہاں زمین مقبرہ سے تسبیح اور اسے اپنے تصرف میں لانے کا ذکر ہے۔ اسی لئے "اگر چہ" کہہ کر ترقی کرتے ہیں کہ قبر کا نشان نہ رہنے کے بعد جواز انتفاع کا گمان ہو، لہذا تصریح کر دی کہ گواثر نہ رہے تاہم انتفاع روا نہیں۔ قوی صاحب! وہ لفظ جو بالکل ان کے خلاف مطلب بلکہ صریحاً رد تھا، اڑا گئے اور



براہ راست ہندوستان کے کوثر بنیامین؟۔ کہئے یہ تحریف ہوئی یا نہیں؟ کہو ہوئی!

ایسی ہی ظریفانہ اور شہرت سے آپ کی ساری تنقیدی تحریروں پر آراستہ نظر آتی ہیں۔ احقر نے زیر نظر مجموعہ فتاویٰ کے اتنے ہی فنی تعارف پر اکتفا کرتا ہے۔ اب کچھ باتیں ترتیبی مراحل کے تعلق سے۔

☆☆☆☆☆

حضرت ملک العلماء علامہ شاہ محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی قدس سرہ سے ان کی سادگی، رواداری، علم و فضل بالخصوص اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس، راہ کی نسبت خاص کی وجہ سے احقر کو بے حد عقیدت ہے۔ حضرت کے وصال کو تقریباً نصف صدی ہوئی ہے لیکن چند مضامین کے سوانہ حضرت پر کوئی کام ہو سکا اور نہ حضرت کی نگارشات کو ہی منظر عام پر لانے کی باضابطہ کوشش ہو سکی۔ تنویر المصباح، النورۃ الاحباب، مبارک پور، گھنٹی، لاہور اور ہزاروی بارغ سے شائع ہوئیں۔ ”تنویر المسراج فی ذکر المعراج“ اور ”صحیح الہدایہ کی کچھ قطعیں پاکستان سے شائع ہوئیں۔ چند مضامین بھی لکھے گئے جن میں مولانا محمد محمود قادری مصنف تذکرہ عنائے اہل سنت کا مضمون ”ملک العلماء اور علم حدیث“ قدرے متصل ہے جو تین سطحوں میں مابینہ اشرفیہ مبارک پر سے شائع ہوا۔ لیکن

پیشانیوں کا نشان بنائیں

ملنے مٹنے نام ہو ہی جائے گا

اب جو نوٹ چکا ہے۔ حضرت پر تحقیقی کاموں کی پیش رفت یہی تھی ہے۔ براہ درمختصر مولانا ملک الظفر تیسرا ایڈیشن (کلکٹر) سے جب اس مضمون پر گفتگو ہوئی تو انہوں نے ناچیز کی رائے کو شرف قبول عطا کرتے ہوئے اپنے سہ ماہی رسالہ ”الگوثر شمس رام“ کا ”ملک العلماء نمبر“ نکالنے کا پختہ عزم کر لیا اور ان کی دوسرا جافٹنا کاوش کے بعد پانچ سو سے زیادہ صفحات پر مشتمل ”گرامر فقہیہ مرحلہ اشاعت کے قریب آن پہنچا ہے۔ حضرت کی اگر ”افتداریہ تصنیف“ جامع الرضوی معروف بہ ”صحیح الہدایہ“ کی جلد اول (عقائد) پر لاہور کی رضا فاؤنڈیشن کام کر رہی ہے۔ احقر نے بھی مختلف جہت سے حضرت ملک العلماء کے حضور قلمی نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔

۱۔ ”ملک العلماء اور علمائے شمس رام“ (مطبوعہ مابینامہ جہان رشا جون ۱۹۹۹ء)۔ ۲۔ ”علم توقیت میں ملک العلماء کے ایک ممتاز شاگرد، علامہ عبدالرؤف بایاوی، نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور (مطبوعہ سہ ماہی افکار رشا مبینی۔ جولائی تا دسمبر ۲۰۰۲ء)۔ ۳۔ ”تاج العلماء اور سید العلماء کے گری مکاتیب بنام ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین قادری برکاتی قدس سرہ“ (مطبوعہ جہان رشا، لاہور۔ فروری ۲۰۰۳ء)۔ آج سے چار سال پہلے بہت کاوش کے ساتھ حضرت کا رسالہ ”سرور القلب المحزون فی الصبر عن نور العیون“ کو تجدید انداز میں ”اسلامی نظریہ موت“ کے نام سے ایڈٹ کر کے اس پر مقدمہ لکھی، کتابت کے مراحل سے گذارا۔ یہ کتاب مجمع النعمی ہزاری بارغ سے شائع ہو چکی ہے۔

حضرت ملک العلماء کے فتاویٰ کی ترتیب کے بارے میں احقر نے آج سے تین سال پہلے نمبر ۱ ملک العلماء محرمی ڈاکٹر طارق مختار صاحب سے تذکرہ کیا تھا۔ موصوف نے بطیب خاطر پورا تعاون دینے کا وعدہ کیا۔ مختلف مرحلوں

میں پیہم اصرار کے بعد اس کی نقول حاصل ہوئیں بالآخر چنانچہ نے ذوالحجہ ۱۴۲۳ھ میں اس کی ترتیب کا آغاز کر دیا۔ بیشتر مسودات بہت ڈولیدہ خط تھے اور بعض کے اوراق تو اس قدر بوسیدہ تھے کہ ان کی سیاہ زیر اس کا چپاں پڑھا بھی کارے وارو۔ بہر حال! اختر نے اپنے موٹی کے خبر دے پر حضرت ملک العلماء قدس سرہ کی روحانیت سے استعانت کرتے ہوئے اس نا صاف مسودے کی زیر اس کا چپاں دیکھنی شروع کیں۔ ناقص نے کتابت میں اتنی زیادہ غلطیاں کی تھیں کہ اسے پڑھنے اور درست کرنے میں کئی مہینے بیت گئے۔ بہت سے اوراق کرم خوردہ تھے یا ان کی سطر میں وقفے وقفے سے مسلسل نہ تھیں۔ انہیں ملائے اور وہاں مناسب الفاظ جوڑنے میں جو زحمت اٹھانی پڑی، اس کا کیا ذکر کروں۔ اس تجربے سے فتاویٰ رضویہ کے کجاہ مرتبین کی جان کا یہاں کا قدرے اندازہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ انہیں پوری ملت کی جانب سے جڑائے خیر دے اور ان کی ترتیب شاہد رکھے۔ آمین!۔ بعض ناقص عبارات کی تلاش اور درستی میں کئی کئی دن لگ گئے۔ مہینوں کے بعد یہ مسودہ ٹائپسٹ کے حوالے ہوا۔ جناب مولانا احسن نیاز سی صاحب جو حلقہ ولویہ سے تعلق رکھنے کے باوجود کافی روادار ثابت ہوئے ہیں، انہوں نے اپنی صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہوئے یہ ناقص اور بدخط مسودہ پڑھ کر ٹائپ کیا اور بہت حد تک صحت کتابت کا خیال رکھا۔ میں ان کا بے حد ممنون ہوں کہ اگر وہ نہ ملے تو مجھے پورا مسودہ اپنے قلم سے صاف کرنا پڑتا جو میرے لئے کافی صبر آزما اور وقت صرف مرغلہ تھا۔ بہر کیف! ان مسلسل جانچ پیوں کے بعد چار مہینے کے عرصے میں حضرت ملک العلماء قدس سرہ کے اس قلمی سرمایے کو منظر عام پر لانے کے قابل کیا جا سکا۔

اس مجموعہ فتاویٰ میں ایک سو چوبیس فتاویٰ شامل ہیں جن میں کئی ایک بہت مبسوط، مفصل اور بڑے قیمتی ہیں۔ انہیں میں یہ پتھر رسائل بھی ہیں:

- ۱- تنویر المصباح للقیام عند سی علی الفلاح (۱۳۳۰ھ) اقامت میں کس وقت کھڑا ہونا چاہئے۔
  - ۲- عید کا چاند (۱۳۷۰ھ)۔ رویت ہلال کے مسائل۔
  - ۳- تحفۃ الاحیاء فی فتح الکوفۃ والباب (۱۳۳۶ھ)۔ کھڑکی کا فیما۔
  - ۴- اعلام المساجد بصرف جلود الاضحیۃ فی المساجد (۱۳۲۵ھ) قربانی کی کھال بچ کر اس کی رقم سے تعمیر مسجد کا حکم۔
  - ۵- نصرة الاصحاب بقسام ایصال الثواب (۱۳۵۴ھ) ایصال ثواب کے شرعی طریقے۔
  - ۶- مواہب لرواح الفلاس لکشف حکم العرس (۱۳۲۴ھ)۔ عرس کے جواز کا ثبوت۔
- یہ وہ رسائل ہیں جو کسی استثنا کے جواب میں معرض تحریر میں لائے گئے۔ اس لئے دراصل یہ فتاویٰ ہیں، گو اپنے حجم کی وسعت اور ضخامت کے سبب انہوں نے مستقل تصنیف کی صورت اختیار کر لی ہے۔ ایک قیمتی رسالہ دستاویز ہونے کی وجہ سے فتاویٰ کی صفوں میں شامل ہونے سے رہ گیا: الفصولی الاظہر فی الاذان بین یدی المنیر (۱۳۳۳ھ)۔ یہ رسالہ جمعہ کی اذان غانی کے موضوع پر تھا۔
- یہ پورا مجموعہ گیارہ ابواب پر تقسیم ہے جن میں ایک سو چوبیس فتاویٰ شامل ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) کتاب النوازل ۳۲۳- (۲) کتاب الزکوٰۃ ۵- (۳) کتاب الصوم ۶- (۴) کتاب النکاح ۲۱- (۵) کتاب الطلاق ۹- (۶) کتاب السیر ۵- (۷) کتاب الوقت ۴- (۸) کتاب القضاء ۱- (۹) کتاب الاصلیۃ ۸- (۱۰) کتاب الخطر والاذا ۲۶- (۱۱) کتاب الفرائض ۶- ۱۲۳-

یہ سارا سرمایہ دور جہزوں میں محفوظ تھا۔ ایک رجسٹر صحیح حالت میں تھا اور دوسرا ختم۔ ان کے علاوہ کچھ بوسیدہ اوراق پریشان بھی تھے۔ اس مجموعہ کے بیشتر قنادی ۱۳۲۳ھ تا ۱۳۲۵ھ کے دوران کے ہیں جس زمانے میں ملک الحما بریلی شریف میں قیام فرما تھے۔ مسودات کے آغاز میں حضرت علامہ رقم طراز ہیں:

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وبه نستعين وبحمده ورضاه ظفر الدين والصلاة والسلام على سيد المرسلين عالم علوم الاولين والآخرين وعلى اله وصحبه وعلماؤه وحزبه لا سيما الامام الاعظم والغوث الاعظم وسائر الاولياء والعلماء صلى الله تعالى على سيدهم ومولاهم وعليهم وبارك وسلم - امين!

اباجدا فقير يارگاہ رضوی محرفظ الدین بھاری - مجرودی قادری برکاتی غفرلہ ما مضی وما سبانی ہاتس کہ یہ چند استنساخ جوابات ہیں جو زمانہ قیام بریلی شریف میں سالوں کے جواب میں لکھے گئے۔ عام مسلمانوں کے فائدے کے لئے کتابی شکل میں ایک جگہ جمع کئے گئے۔ اللہ تعالیٰ اس کی اشاعت کی توفیق بخشے اور اس سے مسلمانوں خصوصاً حق بجانبوں کو فائدہ پہنچائے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز وهو حسی ونعم الوکیل۔

یہ تحریریں سو سال پہلے کی ہیں اس لئے طرز الاملا آج سے بہت مختلف تھا۔ احقر نے اسے دور حاضر کے طرز املا کے مطابق ٹائپ کرایا ہے۔ پیرا گرافنگ بھی میری ہے۔ آیات قرآنی کی تخریج کیہ دی گئی ہے اور جہاں ترجمہ نہیں تھا وہاں اپنی حضرت امام احمد رضا کے شاہکار ترجمہ قرآن کنز الایمان سے ترجمے کا اضافہ بھی کروا گیا ہے۔ فقہی عبارات میں حوالوں کی تخریج کرنے کا ارادہ تھا لیکن یہ کام کافی دشوار گزار ثابت ہوا۔ بعض بعض عبارتوں نے کئی کئی گھنٹے لے لئے۔ اس لئے پھر اس کا خیال کئی وجہ سے ترک کر دیا۔ پہلی وجہ تو یہ تھی کہ اس کا فائدہ خواص اٹھا سکتے ہیں، عوام کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اور حضرات فقہ و افتاء سے شغف رکھتے ہیں، ان کی ٹکا، خود ہی ضروری مراجع پر ہوتی ہے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ کتابوں کے ایڈیشن بدلتے رہتے ہیں، اس لئے جو لے خواص کے لئے بھی زیادہ مفید ثابت نہیں ہوتے۔ تیسری سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ حضرت مصنف نے جن کثیر روکیر فقہی مآخذ کا استعمال کیا ہے، دوسری کتابیں تو کیا ان کا نصف بھی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جیسے محترم با نشان ادارے میں موجود نہیں۔ دراصل یہ دارالافتاء کی چیزیں ہیں، شاید اسی لئے ان کی فراہمی کی جانب پوری توجہ نہیں کی گئی۔ مکمل فراہمی کتب کی ناکامی کے سبب نقد کا تو مہر صورت رہتی، اس لئے میں نے باقی کتب کی تخریج کا خیال چھوڑ دیا۔ البتہ جہاں جہاں آسانی کے ساتھ حوالے لے سکے، انہیں شامل کر لیا گیا ہے، اس لئے معاملہ بالکل سہلکھا بھی نہیں ہے۔

ترتیب کے بعد تقدیم، فہرست مضامین اور فہرست مآخذ تیار کرنے کا مرحلہ تھا۔ تقدیم خاصی طویل ہو گئی اور

اس نے قریب قریب ایک مہینے کا وقت لے لیا۔ اس کی تیاری میں درج ذیل کتابوں سے استفادے رہے:

- ۱- شرح عقود درسم المفتی - علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی
- ۲- مقدمہ رد المحتار علی الدر المختار - علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی
- ۳- العطاویہ فی الفتاویٰ الرضویہ (مترجم) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری - رضا اکیڈمی ممبئی۔
- ۴- تاریخ التشریع الاسلامی - محمد خضری بک / مترجمہ عبدالسلام ندوی - دار المعرفین - عظیم گڑھ
- ۵- الفقہ الاسلامی وادلائہ - الدكتور وحید الخزلی - دار الفکر - دمشق
- ۶- مقدمہ عمدۃ الرعاۃ حاشیہ مشرح وقایہ - علامہ ابن الحسین عبدالحی قرطبی - فاروقیہ بکڈ پو - دہلی
- ۷- فتاویٰ مظہریہ - علامہ مفتی مظہر اللہ نقشبندی - ترجمہ پروفیسر محمد سعید احمد - ادارہ مسعودیہ - کراچی
- ۸- آداب الاقارب - علامہ سید امیر احمد قادری رضوی - بیت السادات، دودھ پوری گڑھ
- ۹- تاریخ علم فقہ - مفتی سید عظیم الاحسان - مکتبہ برہان - دہلی
- ۱۰- مقدمہ فقہی پہیلیاں - علامہ ارشد القادری - کتب خانہ امجدیہ - دہلی
- ۱۱- حیات اعلیٰ حضرت - ملک العلما شاہ مظہر الدین قادری - قادری بکڈ پو، محلہ - بریلی
- ۱۲- حیات ملک العلما - پروفیسر مختار الدین احمد - ادارہ نعمانیہ - لاہور
- ۱۳- ماہنامہ جہان رضا - جون ۱۹۹۹ء - مدیر چیئر زاہد اقبال احمد فاروقی - مرکزی مجلس رضا - ممبئی

ان مآخذ کے علاوہ میرے مربی اور مشفق استاذ، مفتی عظیم ہند شارجہ بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں گزارے ہوئے وہ آٹھ سالہ لحاظ بھی اس راہ میں میرے رہنما رہے جن کے دوران میں نے حضرت کی خدمت بابرکت میں رہ کر فتویٰ نویسی کے آداب سیکھے اور تقریباً ایک ہزار فتاویٰ لکھنے کی سعادت میسر آئی۔

فہرست مضامین میں پہلے ارادہ تھا کہ فتاویٰ رضویہ کے جدید ایڈیشن کے طرز پر مضامین اور مخفی مسائل کی الگ الگ فہرست تیار کی جائے لیکن بعد میں کچھ سوچ کر اس کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس کی وجہ میرے سامنے تھی:

۱- حضرت ملک العلما کا یہ ذخیرہ فتاویٰ چند سال کی کاوشوں پر محیط اور مختصر ہے اس لئے اس میں تفصیلی کی ضرورت نہیں۔

۲- دوسری وجہ یہ ہے کہ اس ذخیرے میں وہ تنوع بھی نہیں جو امام احمد رضا کا حصہ تھا۔ امام احمد رضا کے یہاں تو علوم کا سمندر موج مارتا نظر آتا ہے۔ وہ صرف علوم اسلامیہ سے ہی اپنے فتاویٰ میں استفادہ نہیں کرتے بلکہ معقولات، ارضیات اور فلکیات کے جملہ شاخص ان کے وسیع ذہن میں مٹی ہوئی تھیں۔ اس لئے وہ سب سے اپنے منتخب کی تہنید میں پیش کرتے اور سوالات کے گوشے جا کر کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس لئے وہاں ضروری ہے کہ نئی غیر متعلق اقادات کی بھی الگ سے فہرست دی جائے تاکہ قاری آسانی کے ساتھ پھر پورا استفادہ کر سکے۔ فتاویٰ ملک العلما میں بھی فیض رضا کی تجلیاں چمکی ہوئی ہیں لیکن اختصار کے پیش نظر مسائل کی فہرست میں ہمارے کرامت مخفی مسائل کی جانب اشارے کر دیئے گئے ہیں۔

ماخذ کی فہرست میں پورا ذخیرہ کھنگالنے کے بعد کتابوں کو چار خانوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ۱۔ تفسیر۔ ۲۔ حدیث۔ ۳۔ عقائد، اصول، فقہ۔ ۴۔ سیرت، تصوف وغیرہ۔ ہر ایک خانے کی کتابیں الگ الگ ترتیب میں رکھی گئی ہیں۔ ان کے مصنفین کے اسمائے گرامی بقید سن وفات بھی درج کئے گئے ہیں۔ اس ذیل میں فتاویٰ رضویہ کے جدید لاہوری ایڈیشن سے کافی مدد ملی۔ مولیٰ تعالیٰ مفتی عبدالقیوم ہزاروی مدظلہ کو پوری ملت اسلامیہ کی جانب سے جزائے خیر دے جنہوں نے یہ گرانقدر سہرا سلسلہ ترتیب و اشاعت شروع کر رکھا ہے۔ اب تک کی اطلاع کے مطابق اس کی پچیس جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ فتاویٰ رضویہ کے علاوہ مولانا آزاد لائبریری اے ایم یو علی گڑھ کی فہرست کتب، مولانا عبدالحی کھنوی کی ”اسلامی علوم فنون ہندوستان میں“، اراغب طہار کی ”تاریخ افکار و علوم اسلامی“ اور اپنے پاس موجود دیگر کتابوں سے بھی استفادے رہے۔ پھر بھی کہیں کہیں مصنف کا نام یا سن وصال دریافت نہ ہو سکا اس لئے کافی مشقت خیزی کے باوجود فتویٰ باقی رہ گئی۔

اب اخیر میں ان کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرنا اپنا اخلاقی فریضہ سمجھتا ہوں جن کے تعاون اور کرم فرمایوں کے سہارے یہ مرحلہ سعادت اپنی تکمیل کو پہنچا۔ اس خصوص میں خدمت گرامی تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری دامت برکاتہم القدر سید قائم مقام مفتی اعظم ہند، بین الاقوامی شہرت یافتہ بزرگ محقق پروفیسر مختار الدین احمد سائیں صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، استاد گرامی حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی دام ظلہ صدر شعبہ افتاء جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا بے حد ممنون ہوں جنہوں نے اپنے کلمات کریمہ سے اس ناچیز کی ہمت افزائی فرمائی اور دعائیہ کلمات سے نوازا۔ گرامی قدر مرتب اعزازی، بنیرہ ملک العلما محترمی ڈاکٹر طارق مختار صاحب فید کریمہ خصوصی شکریے کے مستحق ہیں جنہوں نے ہر ہر قدم براحتہ کا تعاون فرمایا اور اپنی شفقتوں کے سائے میں یہ مراحل طے کرائے۔ محبت گرامی مفتی محمد عبدالرحیم نشترواتی خلیفہ تاج الشریعہ کا بھی دلی شکریہ کہ انہوں نے اپنے کلمات خیر سے ناچیز کو یاد کیا۔ جناب احسن یازدی صاحب کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے بہت اچانکت اور محنت کے ساتھ اسے کتابت کے مرحلے سے گذارا، یہ انہیں کا حصہ تھا ورنہ اس ناقص مسودے کو دوسرا ہاتھ بھی نہ لگاتا۔

ترتیب و کتابت میں ہر ممکن کوشش کی گئی ہے کہ خامیاں دور و دور ہی رہیں لیکن متقاضائے بشریت سمجھتے ہیں۔ اہل نظر اپنی خلصانہ بدایات سے نوازیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تلافی کی جاسکے۔

مولیٰ تعالیٰ میری یہ مختصر فقہی خدمت قبول فرمائے، اس گناہگار کے لئے سامان آخرت کرے اور اپنے محبوب بندے حضرت ملک العلما قدس سرہ کی روحانی توجہ و رزائی کا سبب بنی۔ و ما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ و نور عرشہ محمد و آلہ و صحبہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

محمد ارشاد احمد رضوی ساحل شہرامی

۲۱ ربیع الثور شریف ۱۴۲۳ھ / ۲۳ مئی ۲۰۰۲ء بروز شنبہ ایک بجے دن

## ملک العلماء - ماہ و سال کے آئینے میں

نمیرہ ملک العلماء، ڈاکٹر طارق مختار

شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی، نئی گڑھ

- ۱۳۰۲ھ : ولادت، ۱۰ ابرہم الحرام
- ۱۳۰۷ھ : بسمہ خوانی
- ۱۳۱۲ھ : مدرسہ غوثیہ خفیہ، منہج بین، پٹنہ میں داخلہ لیا اور درجات کی تعلیم حاصل کی
- ۱۳۲۰ھ : ۲۵ جمادی الآخرہ کو مدرسہ خفیہ پٹنہ میں داخلہ لیا اور حضرت محدث سورتی (م ۱۳۳۳ھ) سے مستند امام اعظم، مشکوٰۃ شریف وغیرہ کی تعلیم حاصل کی
- ۱۳۲۰ھ : مدرسہ امداد العلوم، بانس منڈی، کانپور میں حاضر ہوئے۔ اسی دوران اس ادارے کے علاوہ احسن المدارس، کانپور اور ایک اور دارالعلوم کے اہل علم سے بھی استفادہ کرتے رہے پھر چلی بحیثیت آگے
- ۱۳۲۱ھ : مدرسہ مصباح الہندیہ، بانس بریلی میں۔ وہابی غلام حسین و یوہندی کے درس میں شریک ہوئے
- ۱۳۲۱ھ : امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی بارگاہ میں حاضری
- ۱۳۲۲ھ : ملک العلماء کی خواہش اور کوشش سے بدست اعلیٰ حضرت دارالعلوم مظفر اسلام کا قیام
- ۱۳۲۲ھ : اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بارگاہ میں بخاری شریف کا درس اور فتویٰ نویسی کی مشق کا آغاز
- ۱۳۲۲ھ : ۸ رمضان المبارک کو پہلا فتویٰ تحریر فرمایا
- ۱۳۲۳ھ : الحسام المسلمونی علی منکر علم الرسول (عقائد و مناظرہ) کی تصنیف
- ۱۳۲۳ھ : مواہب ارباب القدس لکھنؤ حکم العرس (فتہ) کی تصنیف
- ۱۳۲۳ھ : ظفر الدین الجید (مناظرہ) کی تصنیف
- ۱۳۲۳ھ : شرح کتاب الشفا بترغیف حقوق المصطفیٰ (سیرت) کی تصنیف کا آغاز
- ۱۳۲۳ھ : مبین الہدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفیٰ (عقائد) کی تصنیف
- ۱۳۲۵ھ : دستار فضیلت اور سند درس و افتاء سے سرفرازی
- ۱۳۲۵ھ : وسط شعبان المعظم میں اعلیٰ حضرت نے اپنی اجازت و خلافت عطا فرمائی اور فاضل بہار کا لقب عطا کیا
- ۱۳۲۵ھ : تعلق علی القدوری (فتہ) کی تصنیف
- ۱۳۲۵ھ : اعلام الساجد بصرف جلود الاخیوۃ فی المساجد (فتہ) کی تصنیف

- ۱۳۲۶ھ : دارالعلوم منظر اسلام میں درس و افتاء کا آغاز
- ۱۳۲۶ھ : بطل الرأی فی النظر والاباح (فتہ و اصول) کی تصنیف
- ۱۳۲۶ھ : انقیاض الرضوی فی تحمیل المجوی (فتہ و اصول) کی تصنیف
- ۱۳۲۶ھ : شکست سفاہت (مناظرہ) کی تصنیف
- ۱۳۲۷ھ : الجمل الحمد و التالیف الجیدہ (تاریخ) کی تصنیف
- ۱۳۲۷ھ : ظفر الدین الطیب (مناظرہ) کی تصنیف
- ۱۳۲۸ھ : نجم الکثرہ علی الکتاب المظہرہ (مناظرہ) کی تصنیف
- ۱۳۲۹ھ : سال کے آغاز میں معززین شملہ کی پُر اصرار طلب پر شملہ تشریف لے گئے
- ۱۳۲۹ھ : انصراس لدفع غلام المنہاس (مناظرہ) کی تصنیف
- ۱۳۳۰ھ : اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ایما پر مدرسہ خلیعہ نعل آ رہ (بہار) تشریف لے گئے
- ۱۳۳۰ھ : الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت (توقیت و یدیت) کی تصنیف
- ۱۳۳۰ھ : التحقیق السبین الکلمات التوبین، کی تصنیف
- ۱۳۳۰ھ : اطیب الاسیر فی علم التفسیر، کی تصنیف
- ۱۳۳۰ھ : سال کے اخیر میں سشن حج مسٹر سید نور الہدیٰ کے قائم کردہ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پنڈت میں صدر مدرس کی حیثیت سے تشریف لے گئے
- ۱۳۳۱ھ : التعلیق علی شروح المعنی (ضمہ) کی تصنیف
- ۱۳۳۲ھ : عقد سنون، ہمراہ رابعہ خاتون بنت مفتی محمد واعظ الحق استخوانوی (پٹنہ)
- ۱۳۳۲ھ : رنغ الخلاف من بین الاحناف (فتہ) کی تصنیف
- ۱۳۳۲ھ : حاجز اوی زریہ خاتون کی ولادت
- ۱۳۳۳ھ : خیر السلوک فی نسب السلوک (تاریخ و انساب) کی تصنیف
- ۱۳۳۳ھ : نزول السکینۃ بامانید الاجازات المتعینہ (حدیث) کی تصنیف
- ۱۳۳۳ھ : القول الاظہر فی الاذان بین یحییٰ المنہر (فتہ) کی تصنیف
- ۱۳۳۳ھ : جواہر البیان فی ترجمۃ خیرات الحسنان (مناقب) کی تصنیف
- ۱۳۳۴ھ : حاجز اوی ولیہ خاتون کی ولادت
- ۱۳۳۴ھ : سال کے اخیر میں خانقاہ کبیرہ شہرام کے سجادہ نشین شاہ ولیع الدین صاحب کی فرمائش پر صدر مدرس کی

حیثیت سے شہرام تشریف لے گئے

- ۱۳۳۴ھ : کشف السور عن مناظرہ راپور، کی تصنیف
- ۱۳۳۴ھ : گنجینہ مناظرہ (کلمات کے مناظرے کی روداد) کی تصنیف
- ۱۳۳۵ھ : آغاز سال میں ایک صاحبزادے تولد ہوئے لیکن عالم شہر خواری میں انتقال ہو گیا
- ۱۳۳۵ھ : تقریب (منطق) کی تصنیف
- ۱۳۳۵ھ : تہذیب (فلسفہ) کی تصنیف
- ۳۳۵ھ : واقعہ (نحو) کی تصنیف
- ۱۳۳۵ھ : بدرالسلام لہجیات کل الصاویۃ والعیام (توقیت) کی تصنیف
- ۱۳۳۵ھ : مؤذن الاوقات (دس شہروں کے اوقات صوم و صلوٰۃ کی تاریخ)
- ۱۳۳۵ھ : عافیہ (صرف) کی تصنیف
- ۱۳۳۶ھ : تحفۃ الاحباب فی فتح الحق والباب (کفر کی کافیت) (فقہ) کی تصنیف
- ۱۳۳۶ھ : صاحب زادہ مختار الدین احمد کی ولادت
- ۱۳۳۷ھ : نظم المہانی فی حروف المعانی (نحو) کی تصنیف
- ۱۳۳۷ھ : تحفۃ الاحبار فی اخبار الاخبار (مناقب) کی تصنیف
- ۱۳۳۷ھ : الاسیر فی علم التفسیر، کی تصنیف
- ۱۳۳۷ھ : صبح البہار کی تصنیف کا آغاز
- ۱۳۳۸ھ : سرور القلب المحمود فی السر عن نور العیون (اخلاق) کی تصنیف
- ۱۳۳۸ھ : ندوۃ العلماء (مناظرہ) کی تصنیف
- ۱۳۳۹ھ : صاحبزادی ربیعہ خاتون کی ولادت [ربیعہ خاتون]
- ۱۳۳۸ھ : جب مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ حکومت بہار کے زیر انتظام آگیا تو مذہداروں کی طلب پر آپ پھر پھر مدرسہ کی حیثیت سے پٹنہ تشریف لے گئے
- ۱۳۳۹ھ : ہادی الہدایۃ لفرک الموالاة (سیاست) کی تصنیف
- ۱۳۳۰ھ : توضیح الافلاک معروف بہ سلم السماء (ہیئت) کی تصنیف
- ۱۳۳۱ھ : اعلام الاعلام باحوال العرب قبل الاسلام (تاریخ) کی تصنیف
- ۱۳۳۲ھ : صاحبزادی صفیہ خاتون کی ولادت



- ۱۳۳۳ھ : نہایت المستفی فی شرح ہدایہ الہدی (فقہ) کی تصنیف
- ۱۳۳۳ھ : الاقادات الرضویہ (اصول حدیث) کی تصنیف
- ۱۳۳۳ھ : صاحبزادی شمیمہ خاتون کی ولادت
- ۱۳۳۵ھ : جامع الرضوی المعروف بیچ البہاری جلد اول (کتاب العقائد) کی تصنیف
- ۱۳۳۶ھ : صاحبزادی نعیمہ خاتون کی ولادت
- ۱۳۳۷ھ : دلچسپ مکالمہ (نصائح) کی تصنیف
- ۱۳۳۷ھ : جامع الرضوی (جلد دوم) کے چاروں حصوں کی تکمیل ہوئی
- ۱۳۳۸ھ : تسہیل الوصول الی علم الاسول (فقہ و اصول) کی تصنیف
- ۱۳۳۹ھ : نافع البشر فی قادیان فقہ (فقہ)
- ۱۳۵۳ھ : تنویر السراج فی ذکر المعراج (سیرت) کی تصنیف
- ۱۳۵۳ھ : نضرۃ الاسحاب باقسام ایصال الخبائب (فقہ) کی تصنیف
- ۱۳۵۷ھ : الانوار العالیہ من الخس البازغہ (فلسفہ) کی تصنیف
- ۱۳۵۷ھ : الفوائد المدنیۃ الامور العامہ (عقائد و کلام) کی تصنیف
- ۱۳۵۷ھ : جامع الاقوال فی رویۃ الہلال (فقہ) کی تصنیف
- ۱۳۵۸ھ : مشرقی اور مست قبلہ (میت) کی تصنیف
- ۱۳۶۰ھ : مولود رضوی (سیرت) کی تصنیف
- ۱۳۶۵ھ : تحفۃ العظماء فی فضل العلماء (فضائل) کی تصنیف
- ۱۳۶۶ھ : سدا القرائم جاری بہار (نصائح / سیاست) کی تصنیف
- ۱۳۶۷ھ : چودہویں صدی کے مجدد (مناقب) کی تصنیف
- ۱۳۶۹ھ : حیات اعلیٰ حضرت، چار جلد (مناقب) کی تصنیف
- ۱۹۴۸ء : بدرہ شخص الہدی کے پرنٹل ہوئے
- ۱۹۵۰ء : بدرہ شخص الہدی سے ریٹائرمنٹ لیا۔ اس کے بعد ظفر منزل، چند میں مخصوص افراد کو درس دیتے اور
- تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے
- ۱۳۷۰ھ : عید کا چاند (فقہ) کی تصنیف
- ۱۳۷۱ھ : تنویر المنہاج للفقہاء عن حقی علی الفلاح (فقہ) کی تصنیف

- ۱۳۷۱ھ : شاہ شاہد حسین درگاہی میاں سجادہ نشین بابرگاہ عشق مبین گھاٹ، پشتہ کی استاد عا پر پورنیہ (مبار) تشریف لے گئے جہاں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح فرمایا
- ۱۳۸۰ھ : کشمیر سے ظفر منزل تشریف لائے
- ۱۳۸۲ھ : وصال سے پہلے ”النور والضمای“ سلاسل الاولیاء“ تصنیف فرمایا
- ۱۳۸۲ھ : ۱۹ جمادی الآخرہ ۱۳۸۲ھ / ۱۸ نومبر ۱۹۶۲ء کو ذکر بالجبر کرتے ہوئے رب کریم کے حضور حاضر ہو گئے اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور متعلقین و معتقدین کو ان کے فیوض و برکات سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین!



## پیش لفظ

مولانا مفتی محمد عبدالرحیم نشتر فاروقی  
مرکزی دارالافتاء ۸۲ رسودا گران، بریلی شریف

اعلیٰ حضرت کے تلامذہ میں ملک العلماء حضرت علامہ مفتی محمد ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ کی شخصیت بے مثل، ممتاز اور منفرد نظر آتی ہے خصوصاً فنونِ تادیب و توحید، ہندسہ و ریاضی، جبر و کسرا، اوقاف و اعداء میں آپ کی شخصیت یکنائے روزگار تھی۔ کہتے ہیں کہ آپ سولہ خانوں کے نقوش گیارہ سو طریقیوں سے تحریر لیتے تھے جبکہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو سولہ سو طریقیوں سے یہ نقوش بھرنے کی عہادت حاصل تھی۔

یوں تو آپ کی شخصیت ایک ہیأتِ داں اور محدث کی حیثیت سے زیادہ معروف ہے لیکن جب آپ کے فتاویٰ پر نظر جاتی ہے تو آپ فقہ و اصول میں بھی بے مثل و بے نظیر نظر آتے ہیں بلکہ فقہیات کے میدان میں بھی آپ پورے طور سے امام احمد رضا خان قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ کی نیابت فرماتے دکھائی دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد ارشد احمد رضوی ساحل شہسرا می لکھتے ہیں:

”مقاماتِ دین کے فہم اور اصولِ دین کی بصیرت کو قطعہ کہتے ہیں۔ یہ ملک العلماء کے مربی اور مرشد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا خاص رنگ تھا جو ان کے پورے علمی وجود پر چھایا ہوا تھا۔ ملک العلماء نے بھی اسی ارگاہِ فیض سے حصہ لیا ہے، اس لیے آپ کے یہاں بھی گہری فقاہت ملتی ہے، گو آپ کو شہرت ایک محدث، ایک مصنف، ایک مناظر، ہیأت و توحید کے ماہر اور جفا کش مدرس کی حیثیت سے ملی لیکن ان سب کے ساتھ ساتھ آپ کے یہاں فقاہت کا جو ہر بھی اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود ہے۔“

[فتاویٰ ملک العلماء ص ۳۹]

حضرت ملک العلماء کی فقہی نگارشات کا مطالعہ کرنے کے بعد بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ آدابِ افتاء اور جزئیاتِ فقہینہ پر گہری نظر رکھنے والے ایک ممتاز فقیہ اور مفتی ہیں۔ آپ نے تقریباً ۵۴ سال فتویٰ دیے فرمائی اور فقہی موضوعات پر کثیر رسائل تحریر فرمائے۔ چنانچہ خود فاضل مرتب نے اپنی تقدیم میں حضرت کے ۱۵۱ فقہی رسائل کا تذکرہ کیا ہے۔

فتاویٰ ملک العلماء کے فاضل مرتب علامہ ساحل شہسرا می زید جعفر نے ملک العلماء کے فقہی شہ پارے کی ترتیب کا تذکرہ ۲۰۰۳ء کے وسط میں مجھ کاچیز سے کیا تھا۔ پھر جب موصوف اپنا مرتبہ گروہ یعنی مجموعہ فتاویٰ لے کر بریلی شریف آئے تو میں اس گراں قدر مجموعے کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ ساحل صاحب نے نہ صرف یہ کہ حضرت ملک العلماء کے بہت ہی ثواب و عطا و نصیبی شہ پاروں کی نہایت سلیقے سے شہراذہ بندی کی ہے بلکہ اپنی تقدیم میں وہ جواہر پارے نکیسے ہیں جن کی قدر و قیمت کو اہل نظر بخوبی محسوس کر سکتے ہیں۔ انھوں نے تقریباً ایک ماہ کے عرصے میں تیار کی گئی اس تقدیم میں حضرت ملک العلماء کی

حیات طیبہ، ان کے علم فضل کا تعارف، مختلف علوم میں عبقریت، ادبی سلاست اور فقیہی مہارت کے گلشن ہزار رنگ کی ایسی سیر کرائی ہے کہ دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ خصوصاً فتاویٰ افتا کی تشریح، ان کی عہد بہ عہد تاریخ، مستند فقیہ اور کتابوں کی تفصیل، فتویٰ نگاری کی تاریخ اور اس منصب عظیم کے تقاضے پر جیسی گفتگو کی ہے وہ منحصر ہونے کے باوجود بہت جامعیت رکھتی ہے۔ علامہ ساحل منصب افتا کے تقاضے کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”کسی مفتی اور فقیہ کے اندر ایک عالی سے بالاتر ذاتی اور علمی دونوں سطح پر کچھ امتیازی خصوصیتیں ہونی چاہئیں۔ ذاتی سطح پر وہ خالق، رابطہ خلق اور رابطہ نفس تینوں کے تقاضے پورا کرتا ہو۔ وہ ایک خدا ترس، اخلاعت شعار بندہ، رسول رحمت کا جاں نثاری، دیانت دار، صداقت شعار، روادار، پیکر اخلاص، دردمند طبیعت رکھنے والا فرد امت ہو، حق پسند، حق گو، ہر قسم کی عصبیت سے بالاتر، علیم اور بردبار، قول کا وحشی، عمل کی دولت سے مالا مال، دینی تہذیب سے آراستہ، شرافت و تہذیب کا پیکر اور دانشمندی سے بھرپور ایک اچھا انسان ہو۔ جو فقیہ ان اوصاف سے آراستہ ہوگا وہی علم اور دین کے تقاضے پورا کر سیکے گا۔“

[فتاویٰ ملک العلماء ص ۳۰]

فقیہ کے ذاتی اوصاف کے اس جامع تعارف کے بعد علمی سطح کی خصوصیتوں کا تذکرہ دس نکات کی صورت میں پیش کیا ہے جو بزرگوں کی مختلف کتابوں میں پھیلے ہوئے سیکڑوں صفحات کا خلاصہ ہے۔ یہ نکات ہر مہتممی شائقِ حق کے لیے راہنما اصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ تقدیم نگار نے اس جامع تھیس کے سلسلے میں خاص فیض اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بارگاہ سے اضافیا ہے۔ اس کے بعد انھیں اصول کی روشنی میں حضرت ملک العلماء کی فقیہی بصیرت پر بھرپور گفتگو ملتی ہے۔ وسعت نگاہ، آداب افتا کی رعایت، تقفہ، تصوف، تنقید کے ذیلی عنوانات سے ملک العلماء کی فتاویٰ کی آشکار کی ہے کہ ہر قاری ملک العلماء کی فتاویٰ کا اعتراف کرتا نظر آئے گا۔

اس کتاب کی گراں قدری اور مرتب کی پر خلوص محنت کا اثر ہے کہ سیدی و سندی و استاذی حضور تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اتر رضا قادری ازہری بریلوی دامت برکاتہم القدسیہ نے بطیب خاطر اس کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی اور مجمع الرضوی کے بانی شہزادہ حضور تاج الشریعہ حضرت مولانا محمد رضا خان قادری بریلوی مدظلہ العالی اور ادارے کے ممبران حضرت مولانا مفتی محمد شعیب رضا نسیمی نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری قبول فرمائی۔ اس سلسلے میں محبت گرامی حضرت مولانا مفتی محمد ریاض اویسی اور حضرت مولانا مفتی محمد حامد رضا قادری صاحبان کا تعاون بھی شامل رہا۔

ارائین ادارہ اس گراں قدر اشاعت پر سرت کا اظہار کرتے ہوئے موقع رکھتے ہیں کہ حضرت ملک العلماء کے اس فن پارے کی اہل سنت بالخصوص صاحبان افتا کے حلقے میں خاطر خواہ پڑائی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ حضرت مصنف، مرتب اور ادارے کے اراکین و جملہ معاونین کو دوزخ میں جزائے خیر عطا فرمائے اور مسک اعلیٰ حضرت کی خدمت کرتے رہنے کی توفیق رفیع عطا فرمائے۔ آمین بجاہد المسلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و صحابہ اجمعین۔

احقر محمد عبدالرحیم نشتر فاروقی

## ساحل شہسرای - ایک تعارف

- ☆ قلمی نام : ساحل شہسرای (علیگ)  
 ☆ نام : ارشاد احمد رضوی  
 ☆ ولدیت : جناب اشفاق احمد برکاتی ولد وحی احمد حبیبی  
 ☆ تاریخ پیدائش : ۱۹ اکتوبر ۱۹۷۳ء  
 ☆ مستقل پتہ : کاشانہ برکات رضاء وحی منزل محلہ مدار ورازہ، شہسرام 821115  
 ☆ موجودہ پتہ : پروفیسر سید محمد امین قادری، ماشاء اللہ ہاؤس، کبیر کالونی، جمال پور، علی گڑھ  
 ☆ تعلیمی بنیادیں : ضیائی، مصباحی، علیگ  
 ☆ تعلیمی اسناد : عالیت، فضیلت، تخصص فی الفقہ الحنفی (جامعہ اشرفیہ، مبارک پور) ایم اے، عربی (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) الہ آباد عربی فارسی بورڈ، بہار مدرسہ بورڈ اور جامعہ اردو کی جملہ اسناد

- ☆ مقالات : دینی، علمی اور ادبی موضوعات پر چالیس سے زائد مقالات  
 ☆ قلمی : تقریباً ایک ہزار فتاویٰ جو فقہ اعظم ہند علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی تصدیقات سے مزین ہیں۔

### ☆ تصانیف و تراجم:

#### تصانیف:

- (۱) خاندان برکات کی قلمی اور ادبی خدمات مطبوعہ  
 (۲) تبرکات خاندان برکات مطبوعہ  
 (۳) تصانیف خاندان برکات مطبوعہ  
 (۴) شاہ قاضی کارود ترجمہ و تفسیر قرآن - ایک تنقیدی و تحقیقی جائزہ مطبوعہ  
 یہ کتاب ابن عربی، پروفیسر سید محمد امین قادری، برکاتی دامت برکاتہم القدر کی سرپرستی اور شراکت میں تصنیف ہوئی۔  
 (۵) مولانا سید شاہ غیاث الدین حسن شریفی - حیات اور شاعری مطبوعہ  
 (۶) تاریخ ولادت نبوی غیر مطبوعہ  
 (۷) حضرات محدثین کے اخلاق کریمانہ غیر مطبوعہ

- (۸) خواجہ ہند کی صوفیانہ شاعری غیر مطبوعہ  
 (۹) مخدوم سمنانی کے علمی آثار غیر مطبوعہ  
 (۱۰) قطب الاقطاب دیوان محمد رشید مصطفی عثمانی - حیات و افکار غیر مطبوعہ  
 (۱۱) امام احمد رضا اور شہسرام غیر مطبوعہ  
 (۱۲) مفتی اعظم غیر مطبوعہ  
 (۱۳) صدر الشریعہ غیر مطبوعہ  
 (۱۴) ملک العلماء غیر مطبوعہ  
 (۱۵) شادی تحریک اور حضرت صدر الافاضل غیر مطبوعہ  
 (۱۶) حافظ طے غیر مطبوعہ  
 (۱۷) شارح بخاری غیر مطبوعہ  
 (۱۸) حضرت صادق شہسرامی - حیات اور شاعری زیر طبع  
 (۱۹) حکیم الاسلام مفتی مظفر احمد قادری برکاتی - حیات و خدمات زیر طبع

ترجمہ:

- (۱) کاشف الاستار شریف - اسد العارفین سید شاہ محمد حمزہ عینی مارہروی زیر طبع  
 (۲) النور والہب لاسانید اللہ عت و سلاسل الاولیاء - سراج العارفین سید شاہ ابوالحسن احمد نوری زیر طبع  
 (۳) وجود العاشقین - خواجہ سید محمد بندہ گیسو دراز غیر مطبوعہ  
 (۴) ایم اے عربی (۱۷۱۰) کی تفصیلی نظموں کا ترجمہ زیر طبع

مرجعات:

- (۱) مقالات شارح بخاری (تقریباً چودہ سو صفحات) زیر طبع  
 (۲) اسلامی نظریہ موت - ملک العلماء علامہ ظفر الدین رضوی مطبوعہ  
 (۳) فتاویٰ ملک العلماء مطبوعہ

## فہرست مضامین

- ۱- شرف انتساب
- ۲- تقریر خطِ جلیل
- ۳- کلماتِ محکم
- ۴- تقریب
- ۵- تقدیم
- ☆ حیاتِ ملک العلماء
- ☆ علومِ حدیث میں عبقریت
- ☆ مناظرانہ مہارت
- ☆ ہیئتِ توقیت میں درجہ امتیاز
- ☆ سوانحی ادب پر عبور
- ☆ تصوف سے والہانہ لگاؤ
- ☆ فقہ و افتا کی تعریف
- ☆ فقہ و افتا کی تاریخ
- ☆ فقہاء کے طبقات
- ☆ کتبِ احناف کے طبقات
- ☆ مستند متون، شروح اور فتاویٰ
- ☆ فتاویٰ کی تاریخ
- ☆ منصبِ افتا کے تقاضے
- ☆ مفتی کو اپنے امام کی پیروی لازم ہے۔
- ☆ حضرت ملک العلماء کی فقاہت
- ☆ کچھ ترتیب کے متعلق
- ۶- ملک العلماء ماہِ وسال کے آئینے میں - ڈاکٹر طارق مختار
- ۷- پیش لفظ
- ۸- علامہ ساحل شہسرامی - ایک تعارف
- ۳- تاجُ الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری
- ۵- پروفیسر مفتی رالدین احمد
- ۷- مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی
- ۱۰- علامہ ساحل شہسرامی
- ۱۰- ☆
- ۱۳- ☆
- ۱۴- ☆
- ۱۵- ☆
- ۱۷- ☆
- ۱۹- ☆
- ۲۰- ☆
- ۲۲- ☆
- ۲۵- ☆
- ۲۶- ☆
- ۲۸- ☆
- ۲۸- ☆
- ۳۰- ☆
- ۳۱- ☆
- ۳۳- ☆
- ۳۸- ☆
- ۵۳- ☆
- ۵۸- ☆
- ۶۰- ☆

## فتاویٰ ملک العلماء

### کتاب الطہارۃ - ۱

- ۱- حجامت سے آلودہ ردی کے کپڑے کو کیسے پاک کریں؟
- ۲- کیا کتا نجس الحی ہے اور حضرت امام اعظم کے یہاں اسے بغل میں لے کر نماز پڑھنا جائز ہے؟
- ۳- کیا ڈھیلے سے استقباحت ہے؟
- ۴- غمامہ پر سج کرنا کیسا ہے؟

### کتاب الصلوٰۃ - ۲

- ۵- کیا اقامت بیٹھ کر مٹنی چاہئے؟ [فتاویٰ المصباح للقیام عند حسی علیہ العلاج ۱۳۳۰ھ]
- ☆ وقت تکبیر قیام سے منقطع چھٹکیں ہیں:
- ☆ (۱) ایک ہی شخص امام و تکبیر دونوں ہو اور اس نے مسجد میں آکر تکبیر شروع کی ہو۔
- ☆ (۲) ایک ہی شخص امام و تکبیر ہے اور اس نے مسجد میں پہنچنے سے قبل تکبیر شروع کر دی۔
- ☆ (۳) امام و مؤذن دو شخص ہیں، وقت تکبیر امام مسجد میں نہیں اور مسجد میں اس کی آمد جانب قبلہ سے ہو رہی ہے۔
- ☆ (۴) امام و مؤذن دو شخص ہیں، وقت تکبیر امام مسجد میں نہیں اور مسجد میں اس کی آمد خلاف جانب قبلہ سے ہو رہی ہے۔
- ☆ (۵) امام مسجد میں قریب محراب موجود ہے۔ مقتدی بھی موجود ہیں، تکبیر شروع ہو گئی، اس وقت بعض مقتدی مسجد میں داخل ہوئے۔
- ☆ (۶) امام و مقتدی مسجد میں موجود ہیں اور مؤذن غیر امام ہے جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے۔ اس میں مجتہدین کے پانچ قول ہیں:
- ☆ قول اول: امام و مقتدی سب ختم تکبیر کے بعد کھڑے ہوں (امام شافعی وغیرہ)
- ☆ قول دوم: سب قدامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہوں۔ (امام احمد بن حنبل)
- ☆ قول سوم: پہلے قدامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہوں۔ دوسرے پر نماز شروع کر دیں۔
- ☆ قول چہارم: امام مالک وقت کی تحدید نہ کی۔ مگر اکثر مالکیہ کے نزدیک یہ ہے کہ ختم کے بعد سب کھڑے ہوں۔



☆ قول پنجم: سب جی علی الصلوٰۃ کے اختتام اور جی علی الفلاح کی ابتدا پر کھڑے ہوں (امام اعظم)

- ۹۳ اس پر پچاس کتب و بیہ کی تصریحات۔
- ۹۸ ☆ مخالفین کے شبہات و خیالات کے جوابات
- ۱۰۵ ۶۔ سجدے میں جانے کا طریقہ کیا ہے؟
- ۷۔ امام جہاں کھڑا ہوتا ہے، وہ جگہ عام صف سے چار انگل بلند ہے تو اس صورت میں نماز ہوگی یا نہیں؟
- ۱۰۷ ولبیرا اور عراب کا کیا حکم ہے؟
- ۸۔ امام نے قرأت شروع کر دی تو کیا اب مقتدی بنا پڑھ سکتا ہے؟
- ۱۱۰ ۹۔ دو وقت کی نمازیں ایک ساتھ ملا کر پڑھنا کیسا ہے؟
- ۱۱۲ ۱۰۔ جمعہ کی نماز میں امام پہلی صف کے اندر بیچ میں کھڑا ہوتا ہے تو اس صورت میں نماز ہوگی یا نہیں؟
- ۱۱ ۱۱۔ مسافر امام نے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو مقتدی باقی دو رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھے یا نہیں اور مسافر امام کے پیچھے کوئی شخص التحیات میں شریک ہوا تو وہ اپنی نماز کس طرح ادا کرے؟
- ۱۱۳ ۱۲۔ ایک امام بھرا اور مکر وہ آواز ہے اور دوسرا صحیح سنتا ہے اور اچھی آواز رکھتا ہے تو ان میں کس کی امامت بہتر ہے؟
- ۱۱۴ ۱۳۔ ولد الحرام کی امامت کیسی ہے؟
- ۱۱۵ ۱۴۔ جو شخص ضاکو اپنے مخرج سے ادا کرتا ہے، رفع یدین اور آمین بالجبر کہتا ہے، اس کی امامت کیسی ہے؟
- ۱۵ ۱۵۔ زید کا خویش قادیانی ہو گیا، زید کی لڑکی اب بھی اس قادیانی کے یہاں ہے۔ زید نے اپنے داماد سے یوں چال بند کر دی ہے لیکن اپنی بیٹی اور اس کے بچوں سے ملتا جلتا ہے۔ اس صورت میں زید کی اقتدا میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟
- ۱۱۸ ۱۶۔ غیر مقلد، سنی مسجد کا امام نہیں ہو سکتا۔ (بہت نفیس بحث)
- ۱۱۹ ۱۷۔ زید کے جو ایسری متوں سے رطوبت جاری رہتی ہے۔ اس صورت میں وہ ایک ہی وضو سے عشاء اور تراویح کی نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں اور اگر یہ امامت کرے تو کیا حکم ہے؟
- ۱۲۷ ۱۸۔ زید نے کانپور میں اقامت اختیار کی، شاوی بیاد کیا، ذاتی مکان بنایا، اولاد ہوئی پھر بچے جوان ہوئے تو آیا کانپور زید اور اس کے بچوں کا وطن اصلی سوا یا نہیں؟
- ۱۲۸ ۱۹۔ جمعہ کی اذان ثانی کہاں ہونی چاہئے، اس کا مسنون طریقہ کیا ہے؟
- ۱۳۰ ۲۰۔ عمرو کہتا ہے کہ اذان خطبہ اذان ہی نہیں، اسے تغلیباً اذان کہہ دیتے ہیں۔ اس لئے اسے اقامت کی طرح مسجد کے اندر خطیب کے سامنے ہونا چاہئے۔ اصل حکم شرعی کیا ہے؟
- ۱۳۱ ۲۱۔ خطبہ پڑھنا اور مناسبت ہے یا فرض؟
- ۱۳۲ ۲۲۔ بہات میں نماز جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟
- ۱۳۳

۲۳- دیہات میں جمعہ ادا کرنا کیسا ہے؟ ۱۳۵

۲۴- ظہر احتیاطی کی اصل کیا ہے اور اسے کس طرح ادا کریں؟ (فارسی) ۱۳۷

۲۵- جو دیہاتی جمعہ نہ پڑھے، اس کا کیا حکم ہے؟ ۱۳۹

۲۶- کیا جمعہ کی صحت ادا کے لئے سلطان یا اس کے نائب کی موجودگی شرط ہے؟ ۱۳۹

۲۷- دیہات میں نماز عیدین جائز یا نہیں؟ ۱۴۰

۲۸- بمبئی سے آئے ہوئے لوگوں کی شہادت پر شاہجہاں پور میں عید قرباں کر سکتے ہیں یا نہیں؟ ۱۴۱

۲۹- نماز جنازہ میں جو چیزیں امام پڑھتا ہے، کیا مقتدی بھی وہی پڑھیں؟ ۱۴۱

۳۰- ایک مسجد آبادی کے شالی کنارے پر ہے۔ مسجد دور ہونے اور راستہ ناموار ہونے کی وجہ سے بہت ۱۴۲

سے لوگ شیخ و فقہ نمازیں باجماعت ادا کرنے سے روک جاتے ہیں۔ اس صورت میں آبادی کے ۱۴۳

جنوبی کنارے پر نئی مسجد کی تعمیر درست ہے یا نہیں؟ ۱۴۴

۳۱- حلال اور حرام دونوں قسم کی رقم مخلوط ہے اس سے مسجد بنانا کیسا ہے؟ ۱۴۵

۳۲- ایک مسجد کے نیچے دکان ہے۔ اسے کرایہ پر اٹھانا کیسا ہے؟ ۱۴۵

۳۳- مسجد میں خرچہ بنانا کیسا ہے اور اس سے روکنے والے کا کیا حکم ہے؟ ۱۴۶

۳۴- ☆ پرانی مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنا کیسا ہے؟ (فارسی) ۱۴۶

☆ زیارت قبور کا جواز قرآن حکیم سے ثابت ہے یا حدیث شریف سے؟ ۱۴۷

☆ بے نمازی کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ ۱۴۷

☆ ضیافت میت کا شرعی حکم کیا ہے؟ ۱۴۷

☆ بے نمازی کی قبر پر جانا کیسا ہے؟ ۱۴۷

☆ گانے کی قربانی کا جواز قرآن حکیم سے ثابت ہے یا حدیث شریف سے؟ ۱۴۷

### کتاب الزکوٰۃ ۳

۳۵- زید کی پچھی ایک ہزار تھی۔ ایک سال تجارت کے بعد دو سو روپے کا اسے منافع ہوا۔ زکوٰۃ کس پر فرض ہوگی؟ ۱۴۹

اصل پچھی پر، صرف منافع پر یا دونوں پر؟ ۱۴۹

۳۶- کھاس کے پولوں عشر واجب ہے یا نہیں اور اس کے مصارف کیا ہے؟ ۱۵۰

۳۷- نانہ، نانی، چچا کو زکوٰۃ دینا اور لینا جائز یا نہیں؟ ۱۵۰

۳۸- حضرات سادات کو زکوٰۃ دینا جائز یا نہیں؟ ۱۵۰

۳۹- قرض وارسید زائے کا قرض، زکوٰۃ کے مال سے ادا کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ ۱۵۲

### کتاب الصوم ۳

- ۳۰ - کیا روزہ رکن اسلام ہے؟ اور آیہ کریمہ "فَمَنْ شَهَّدَ عَلَيْكُمُ الشُّعَيْرُ" میں "شہد" سے کیا مراد ہے؟ ۱۵۴
- ۳۱ - رسالہ مہارکہ "عید کا چاند" (۱۳۷۰ھ) (ریڈیو، ٹیلیفون وغیرہ کی خبر پر عید منانا یا روزہ رکھنا کیسا ہے؟) ۱۵۵
- ☆ کس وقت روزہ رکھنا فرض اور عید کرنا واجب ہے؟ ۱۵۶
- ☆ چاند دیکھنے سے کیا مراد ہے؟ آیا ہر جگہ والے خود دیکھ کر روزہ اور عید منائیں یا دوسری جگہ کی رویت بھی کفایت کرے گی؟ ۱۶۰
- ☆ اختلاف اقوال ائمہ کی صورت میں کس پر عمل کرنا چاہئے؟ ۱۶۵
- ☆ اس ترقی یافتہ سائنسی دور میں کیا لندن میں چاند کی رویت کی خبر سے ہندوستان والے عید وغیرہ منا سکتے ہیں؟ ۱۶۹
- ☆ جدید اطلاعی ایجادات ریڈیو، تار، ٹیلیفون وغیرہ اس سلسلے میں شرعاً معتبر ہیں یا نہیں؟ ۱۷۱
- ☆ کیا وجہت العلماء نے توٹی دے دیا ہے کہ ریڈیو کے ذریعہ ثبوت ہلال کی خبر دی جا سکتی ہے، کیا یہ فتویٰ شرعاً درست ہے؟ ۱۷۵
- ۳۲ - روایات کہتے ہیں کہ روزہ رات میں افطار کرنا چاہئے۔ اسلامی حکم کیا ہے؟ ۱۸۰
- ۳۳ - افطار کی دعائیں سب ماضی کے صفیہ ہیں۔ ان سے معنی مستقبل مراد لئے جائیں گے یا ماضی؟ ۱۸۱
- ۳۴ - نماز اور روزے کا کفارہ کس طرح ادا کیا جائے؟ ۱۸۱
- ۳۵ - نماز اور روزے کا فدیہ کس طرح ادا کریں؟ (فارسی) ۱۸۳

### کتاب النکاح ۵

- ۳۶ - ایجاب قبول کے دوران اگر کسی نے قبول میں صرف الحمد للہ کہا تو نکاح ہوگا یا نہیں؟ ۱۸۴
- ۳۷ - چوری جیسے نکاح درست ہے یا نہیں؟ اس کا مقصد یہ ہے کہ اس عورت سے تعلق زوجیت مشہور نہ ہو۔ ۱۸۴
- ۳۸ - عمو کے نکاح میں چچو بھی زاد بھائی اور ماموں زاد بھائی کی لڑکی آ سکتی ہے یا نہیں؟ ۱۸۵
- ۳۹ - عمو کی وفات کے بعد اس کی بیوہ سے زید کی شادی جائز یا نہیں؟ ۱۸۶
- ۵۰ - ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ اس عورت کی پہلے شوہر سے سات برس کی لڑکی تھی اور اس شخص کا پہلی بیوی سے دس برس کا لڑکا تھا ان دونوں کے مذکورہ بیٹا بنی کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ۱۸۶
- ۵۱ - سگی بھتیجی بیوہ سے نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ ۱۸۶
- ۵۲ - ایک غیر مسلم طائف نے بغیر اسلام لائے ایک مسلمان سے نکاح کیا، اس کے ساتھ کچھ دن رہ کر اسلام لائی اور پھر بکر کے ساتھ نکاح کیا۔ کون سا نکاح صحیح ہوا؟ ۱۸۷

- ۵۳۔ ایک شخص نے ایک نوجوان کو اس وعدے پر اپنے گھر میں رکھا جس میں ہمیں اپنا داماد بنانا ہے گا، تم میرے گھر کا خیال رکھو۔ مجوزہ داماد بہت قرض دار تھا اس شخص نے اس کا قرض ادا کیا اور مجوزہ داماد نے اس سے شادی کا تقاضہ کیا تو اس نے کہا کچھ رقم ہو جائے تو شادی کر دوں۔ پھر وہ نوجوان اور اس کی لڑکی فرار ہو گئے۔ مقدمہ دائی ہوا اور دونوں پکڑے گئے اب یہ شخص اپنی لڑکی کا نکاح اس تلاش سے نہ کر کے دوسرے سے کرنا چاہتا ہے۔ دریافت کرنے پر لڑکی بھی پہلے نکاح ہونے سے انکاری ہے لیکن کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان دونوں نے فرار ہو کر نکاح کر لیا تھا۔ لڑکی بالفہ ہے۔ اس صورت میں نکاح ہوا یا نہیں؟ ۱۸۷
- ۵۴۔ زید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی۔ پھر حلالہ کرنے کے لئے عرد کو مقرر کیا کہ وہ نکاح کر کے صحبت کرے اور دین دن کے بعد طلاق دیدے۔ عمر کا اس طور سے نکاح درست ہے یا نہیں، اور وہ عورت شوہر ازل زید کے لئے حلال ہوگی یا نہیں؟ (فارسی) ۱۹۰
- ۵۵۔ نابالغ کا نکاح باپ کر سکتا ہے یا نہیں؟ یا ماں اسے روک سکتی ہے اور ولی کون ہے؟ ۱۹۱
- ۵۶۔ ولی غیر جاہل نے نابالغ بچی کا نکاح زید سے کیا۔ بلوغ کے بعد اسے نکاح کا حق حاصل یا نہیں اور کیا نکاح کے لئے قبضے کا ضمنی شرط ہے؟ (فارسی) ۱۹۱
- ۵۷۔ بالفہ ہندہ کا نکاح اس کی مرضی اور اطلاع کے بغیر اس کے بھائی نے زید سے کر دیا اور ایک حیلہ سے اسے زید کے یہاں لے کر پہنچا۔ ہندہ کو جب اس رشتہ کی اطلاع ہوئی وہ فوراً زید کے یہاں سے چلی آئی۔ آیا یہ نکاح ہوا یا نہیں؟ ۱۹۲
- ۵۸۔ زید نے نابالغ ہندہ کی شادی اپنی دلایت میں کی۔ ہندہ کے ماں باپ حیات نہیں، تانا، تانی نے اس کی پرورش کی۔ ہندہ نے بالغ ہونے کے بعد بھی مسرال آمد و رفت کا سلسلہ جاری رکھا، یہ نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ ۱۹۳
- ۵۹۔ زید فسوی نے ہندہ بالفہ باکرہ کا نکاح اس کے باپ کی اجازت سے خالد کے ساتھ ایک مجمع عام میں کر دیا۔ گواہ متعین نہ کئے۔ زید یا ہندہ کے باپ نے ہندہ سے نکاح کے پہلے اجازت لی تھی یا نکاح کے بعد اطلاع دی مگر ہندہ کو اتنی خبر تھی کہ آج خالد کے ساتھ میرا نکاح ہے۔ دوسروں نے جب اسے نکاح کی خبر دی تو ہندہ چپ رہی اور ظنات سمجھ بھی ہوئی اس صورت میں نکاح ہو گیا یا تجدید نکاح کی ضرورت ہے؟ چند مفتیان کرام کے جوابات اور اخیر میں حضرت ملک العلماء کا مفصل اسلامی جواب ۱۹۴
- ۶۰۔ اگر والدین سید لڑکیوں کا نکاح بھانجی لڑکوں سے کرادیں تو یہ نکاح صحیح اور نافذ ہوگا یا نہیں اور کفایت کا کیا مطلب ہے؟ ۲۰۳
- ۶۱۔ بالفہ ہندہ نے ولی کی اجازت کے بغیر زید غیر کفو کے ساتھ نکاح کیا۔ یہ نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ ۲۰۴
- ۶۲۔ زید کی منکوحہ ہندہ کا نکاح بالجبر عروہ کے ساتھ کرنا کیا ہے اور اس میں شریک افراد کا کیا حکم ہے؟ ۲۰۵
- ۶۳۔ عاقلہ بالفہ نے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

- ☆ عاقلہ باقعدے بذریعہ تحریر زید کو اپنے نکاح کا مکمل ہونا یا زید نے اپنی وکالت میں اس کا نکاح عمر سے کر کے اسے مطلع کر دیا۔ یہ نکاح شرعاً ہوا یا نہیں؟ ۲۰۶
- ۶۳- زید نے اپنی مطلقہ بیوی ہندہ کو کچھ زمین دین مہر میں زبانی دیدی تھی، جس پر ہندہ قابض بھی ہے۔ لیکن زید اب رجسٹری سے انکار کرتا ہے۔ وہ زمین اب کس کی ہے اور زید کا انکار کیسا؟ ۲۰۷
- ۶۴- زید غنی نے اپنی حنفیہ بیوی سے ایک ہزار مہر پر نکاح کیا۔ بعد میں بیوی کی اطاعت سے خوش ہو کر اس نے مہر میں ہزار کر دیا۔ یہ ایشادہ جائز ہے یا نہیں؟ ۲۰۷
- ۶۵- ہندہ نے شیر خوار بچہ چھوڑا۔ اس کی پرورش کا حق کس سے ہے جب کہ اس کا باپ، دادا، دادی، نانا، نانی موجود ہیں؟ متوفیہ کا جہیز کس کی ملکیت ٹھہرے گا اور بچے کے مال کا ولی کون ہے؟ ۲۰۸
- ۶۶- شادی کے وقت یا شادی کے بعد عورت کو شوہر یا سسر یا اس کے ماں باپ جو زیورات اور ظروف دیتے ہیں، وہ کس کی ملکیت سمجھے جائیں گے؟ ۲۰۹
- ۶۷- چوہہ کو سرنے عاریتاً زیور دیا، اب اس کا مالک کون ہے؟ ۲۱۰

## کتاب الطلاق ۶

- ۶۸- زید نے تحریر کے ذریعہ مطلق رجعی اور طلاق بائن دی تو کیا حکم ہے؟ ۲۱۱
- ۶۹- زید نے یکجہ روپیہ لے کر ہندہ کی علیحدگی پر کورٹ میں اپنی رضا مندی داخل کر دی اس صورت میں ہندہ کا نکاح بکرے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ۲۱۲
- ۷۰- زید نے نکاح ثانی کے دلی سے کہا "میں اپنی پہلی بیوی کو ختمیہ طلاق دے سکتا ہوں" پھر ولی کو ایک علیحدگی جگہ لے گیا اور کہا: آپ کسی پر یہ طلاق دینا ظاہر نہ کیجئے۔ لیکن اس نے وکیل سے کہہ دیا۔ ولی اور وکیل نے زید سے پوچھا: کام ہو گیا؟ اس نے کہا ہاں! کام ہو گیا! اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ ۲۱۳
- ۷۱- اگر شوہر بیوی سے کہے "تو میری ماں میں حیرا بیٹا" تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ ۲۱۴
- ۷۲- زید نے اپنی بیوی سے کہا "تجھ کو رکھ تو اپنی ماں کو رکھوں" ظہار ہوا یا نہیں؟ ۲۱۵
- ۷۳- کوئی شخص اجنبی عورت سے کہے "اگر تو نکاح کرے تو تو ماں ہے" اس سے نکاح کے بعد ظہار ہوگا یا نہیں؟ ۲۱۶
- ۷۴- اگر شوہر کا عین ہونا تحقیق سے معلوم ہو تو نکاح صحیح کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ (فارسی) ۲۱۷
- ۷۵- کنہارے مرد اور عورت نے ذنا کیا تو ان کی سزا کیا ہے؟ حرام اور نائیں کیا فرق ہے؟ ۲۱۷

## کتاب السیر ۷

- ۷۶- ایمان اور کفر کی حقیقت کیا ہے، کفر کی کتنی صورتیں ہیں، کوئی مسلمان کا کفر ہو سکتا ہے؟ ۲۱۹
- ۷۷- دارالحرب اور دارالسلام کسے کہتے ہیں اور ہندوستان دارالسلام ہے یا دارالحرب؟ ۲۲۱

- ۷۸- زید نے کہا ”تمہارے خدا کا ثبوت کہاں سے ہے؟“ اس کا کیا حکم ہے؟ ۲۲۲  
 ۷۹- ہندوؤں کے ساتھ موالات اور ان کی خاطر گائے کی قربانی ترک کرنا کیسا ہے؟ ۲۲۳  
 ۸۰- ☆ وہابی کے کہتے ہیں، وہ شرعاً کافر ہیں یا بے دین؟ ۲۲۸  
 ☆ وہابیوں سے مسئلہ جوں رکھنا کیسا ہے وغیرہ وغیرہ؟ ۲۲۹  
 ۸۱- ترک موالات اس وقت مسلمانوں پر فرض ہے یا نہیں اور حرمین مطہرین کو انگریزوں کے تاپاک وجود سے پاک کرنا ضروری ہے یا نہیں وغیرہ وغیرہ؟ ۲۳۱

## کتاب الوقف ۸

- ۸۲- ہندو زمیندار کی زمین پر اس کی اجازت سے بنائی گئی مسجد مسجد ہے یا نہیں؟ ۲۳۵  
 ۸۳- طوائف عورتوں کی بخوانی ہوئی مسجدیں شرعاً مسجد ہیں یا نہیں؟ ۲۳۶  
 ۸۴- ایک جگہ قبرستان کے لئے وقف ہے لیکن اب وہاں تدفین نہیں ہوتی۔ وہاں مکان بنانا جائز ہے یا نہیں؟ ۲۳۷  
 ۸۵- چار بھائیوں نے اپنے امروٹی کا جائداد والدین کے فاتحہ، قرآن خوانی اور مجلس رشتہ و اہل اہلاد کے لئے وقف کر دی۔ بعد میں کورٹ میں مقدمہ کیا کہ چونکہ اس میں مجلس عزیمتوں کی تنخواہ کا بھی معاملہ ہے لہذا یہ وقف نہیں۔ تو ایسی جائداد شرعاً وقف سمجھی جائے گی یا نہیں؟ ۲۳۸

## کتاب القضا ۹

- ۸۶- رسالہ مبارکہ ”تحفة الاحیاء فی فتح الکوة والباب“ (۱۳۳۶ھ) ۲۳۹

## کتاب الاضحیہ ۱۰

- ۸۷- ☆ ہندوؤں سے ”بسم اللہ اکبر“ کہہ کر کھانا ذبح کرنے سے پہلے شکر کریا اس کا کھانا حلال ہے یا نہیں؟ ۲۴۲  
 ☆ کھک ہندو بکری کا گوشت چھتا ہے۔ ذبح میں ایک مسلمان ذبح کرنے والا مقرر ہے۔ کھک وہیں سے لے جا کر گوشت فروخت کرتا ہے۔ ایسی صورت میں اس سے گوشت خرید کر کھانا درست ہے یا نہیں؟ ۲۴۲  
 ☆ زید زمین یا تخت پر نماز پڑھ سکتا ہے لیکن بھڑکی لاٹھیاں بے چنگ پر غماز پڑھتا ہے۔ اس کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ ۲۴۳  
 ۸۸- اگر کوئی مسلمان بتوں کے نام پر جانور چھوڑ دے تو اس کا گوشت کھانا حلال ہے یا نہیں؟ (فارسی) ۲۴۳  
 ۸۹- ☆ بتوں پر چھوڑے جانور کو خرید کر قربانی کرنا یا اس کا گوشت مسلمان کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟  
 ☆ کسی مسلمان نے دوسرے کو اپنا جانور یہ کہہ کر دیا کہ اسے لے جاؤ اور اپنے نام سے قربانی کر لو تو اس کا ثواب کس کو ملے گا، قربانی کرنے والے کو یا جانور دینے والے کو بھی؟  
 ☆ حقیقی حدت کس مرتبہ ہے؟ جوانی میں کسی کا حقیقہ ہوتا کیا اس کے سر کے بال بھی اتارے جائیں گے؟ ۲۴۵  
 ۹۰- ☆ نمازی اگر غیر نمازی کے ساتھ مل کر قربانی کرے تو نمازی کے ثواب میں کوئی کمی تو نہ ہوگی؟

☆ حضور نے ایک چنگبر امینڈ حاساری امت کی جانب سے قربانی کیا تو پھر چند امتی ایک خسی میں حصہ دیا کیوں نہیں بن سکتے؟ ☆ خندہ وغیرہ کی دعوت میں شرکت کسی ہے؟ ☆ قاضی کو نکاح خوانی کا نذرانہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ ☆ اجنبی شخص جس نے دہن کو دیکھا بھی نہیں اور نہ اس کی آواز پہچانتا ہے، اس کی شہادت پر نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

۲۷۶

۹۱- قربانی کی کھال کی قیمت سے عین مسجد کی تعمیر درست ہے یا نہیں؟

۲۷۸

۹۲- قربانی کی کھال کی قیمت سے مسجد کی تعمیر جائز ہے یا نہیں اور "بمنصف بہ جلدھا" میں صدقہ واجبہ مراد

۲۷۹

ہے یا صدقہ نافذہ؟ [اعلام المساجد بصرف حلود الاضحية فی المساجد، ۱۳۲۵ھ] ۲۷۹

۲۹۰

۹۳- قربانی کی کھال کچ کر مدارس کے مصارف میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۲۹۰

۹۴- ☆ زکوٰۃ اور صدقہ فطری رقم مدارس میں براہ راست صرف کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

۲۹۱

☆ قربانی کی کھال کی قیمت مسجد میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

۲۹۱

☆ ہندو کا زید سے ناجائز تعلق ہوا اور حرام حمل بھی بٹھیر گیا، اسی حالت میں ان دونوں کا نکاح

۲۹۱

کرا دیا گیا۔ یہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟

## کتاب الحظوظ والاباحۃ ۱۱

۹۳- حدیث شریف "لو لاک لما خلقت الافلاک" کس کتاب میں ہے؟ ۲۹۳

۹۵- کیا سرکارِ بدو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل تھا اور آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں یا نہیں؟ ۲۹۶

۹۶- کیا حضور کو علم غیب ہونا قرآن حکیم سے ثابت ہے؟ ۲۹۸

۹۷- حضور کے علم کو ازلی یا ابدی کہنا درست ہے یا نہیں؟ ۲۹۹

۹۸- اگر حضور کو علم غیب تھا تو حدیث جبریل میں "ما السعول عنہا اعلم من السائل" کا کیا مطلب ہے؟ ۲۹۹

۹۹- کیا ایک دن میں کئی قسم قرآن کر سکتے ہیں؟ ۳۰۱

۱۰۰- ذکر یا بھیر جائز ہے یا نہیں؟ ۳۰۱

۱۰۱- حقوق اللہ، حقوق العباد پر مقدم ہیں یا نہیں اور باپ کو ناراض کر کے منازل سلوک طے کرنا کیسا ہے؟ باپ کا اس

کو ڈاکو اور اشغال سے روکنا خطا ہے یا نہیں؟ ۳۰۳

۱۰۲- جو ہندو مسلمان ہونے کے ارادے سے قرآن حکیم پڑھنا چاہتا ہے، اسے قرآن پڑھنا کیسا ہے؟ ۳۰۹

۱۰۳- محمد، احمد و دونوں اسم گرامی کی اسلامی فضیلت کیا ہے؟ ۳۱۰

۱۰۴- عالم خواب میں بیعت ہونا کیسا ہے؟ ۳۱۱

۱۰۵- مرشد سے توجہ لینا، ہاتھ پیر جو منا مکافد کا قائل ہونا، اجرت پر وعظ کہنا، میلاد شریف پڑھنا کیسا ہے؟ ۳۱۲

۱۰۶- مدار یہ سلسلہ میں بیعت ہونا کیسا ہے اور کیا یہ سلسلہ متصل ہے؟ جائل سے بیعت کسی ہے اور کیا سید

- ۳۱۷ سے نیت ہونا افضل ہے؟
- ۱۰۷- فاتحہ مروجہ جائز ہے یا نہیں؟
- ۱۰۸- ایصال ثواب کا شرعی طریقہ کیا ہے اور کیا یہ طریقہ زمانہ رسالت آج صلی اللہ علیہ وسلم میں رائج تھے؟
- ۳۲۰ [رسالہ مبارکہ "نصرۃ الاصحاح باقسام ایصال الثواب" ۱۳۵۴ھ]
- ۳۲۱ ☆ جواب سوال اول: قرآن حکیم، احادیث کرمہ اور اقوال ائمہ کی روشنی میں ایصال ثواب کا ثبوت۔
- ۳۲۷ ☆ قرآن حکیم میں ایصال ثواب کے طریقے:
- ۳۲۷ ☆ اول: مغفرت کی دعا کرنا
- ۳۳۰ ☆ دوم: ماں باپ کے لئے دعائے تعالیٰ سے رحم و کرم چاہنا۔
- ۳۳۲ ☆ سوم: میت کے لئے نماز جنازہ پڑھنا۔
- ۳۳۳ ☆ چہارم: مسلمان میت کی قبر کی زیارت کرنا اور وہاں پتھر کس کس کے لئے دعائے خیر کرنا۔
- ۳۳۵ ☆ دعا کرتے وقت چند چیزوں کا اہتمام کریں:
- ۳۳۵ ☆ اول: قرآن شریف کی کچھ سورتیں یا آیتیں پڑھیں۔
- ۳۳۸ ☆ دوم: اول آخر و درمیان پڑھیں۔
- ۳۴۰ ☆ سوم: دعا سے پہلے کوئی نفل خیر کریں تاکہ رحمت الہی مستوجب ہو۔
- ۳۴۰ ☆ جواب سوال دوم: احادیث کرمہ اور اقوال ائمہ کی روشنی میں ایصال ثواب کے چھٹیں طریقے:
- ۳۴۱ ☆ پہلا طریقہ: سورہ تسویم شریف پڑھنا۔
- ۳۴۱ ☆ دوسرا طریقہ: میت کو پوشہ دینا۔
- ۳۴۷ ☆ تیسرا طریقہ: کسی بزرگ کے پیٹے ہوئے تبرک کپڑے میں کفن دینا۔
- ۳۵۱ ☆ چوتھا طریقہ: کفن پر کوئی آیت یا دعا لکھنا۔
- ۳۵۳ ☆ پانچواں طریقہ: جنازہ کو کچھ کرقریف کرنا اور میت خوبیاں بیان کرنا۔
- ۳۵۵ ☆ چھٹا طریقہ: نماز جنازہ پڑھنا۔
- ۳۵۶ ☆ ساتواں طریقہ: مقدس جگہ اور صالحین کے بڑوس میں دفن کرنا۔
- ۳۵۹ ☆ آٹھواں طریقہ: قبر تیار ہو جائے تو کوئی پرہیزگار شخص قبر میں تھوڑی دیر بیٹھ کر کوئی آیت یا دعا پڑھے۔
- ۳۶۱ ☆ نواں طریقہ: قبر پر پانی چھڑکنا۔
- ۳۶۳ ☆ دسواں طریقہ: بعد دفن میت کو تلقین کرنا۔
- ۳۶۵ ☆ گیارہواں طریقہ: تکبیریں کے سوال کے وقت میت ثابت قدم رہنے کی دعا کرنا۔
- ۳۶۷ ☆ بارہواں طریقہ: بعد دفن قبر پر اذان دینا۔
- ۳۶۹ ☆ تیرہواں طریقہ: قبر پر گھجور کی شاخ یا کوئی سبز چیز رکھنا۔



- ☆ چودھواں طریقہ: دفن کے بعد سر ہانے سووہ بقرہ کا پہلا رکوع اور پانچویں آخر رکوع پڑھنا۔ ۳۷۹
- ☆ چودھواں طریقہ: قبر کے پاس آتی ہوئی تک ٹھہرنا کہ اونٹ دُخ کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاسکے۔ ۳۸۰
- ☆ مولہواں طریقہ: زیارت قبول کرنا کہ اس سے میت اُس حاصل ہوتا ہے۔ ۳۸۱
- ☆ ستر ہواں طریقہ: رات کے آخری حصہ میں قبرستان جا کر مردوں کے لئے دعا کرنا۔ ۳۸۳
- ☆ اٹھارہواں طریقہ: جہزات، جہ کے دن خاص طور سے والدین اور بزرگوں کی قبروں کی زیارت کرنا۔ ۳۸۵
- ☆ انیسواں طریقہ: سال بہ سال متعین دن میں قبروں کی زیارت کو جانا۔ ۳۸۷
- ☆ بیسواں طریقہ: ستر ہزار بار رکھ طیب پڑھ کر اس کا ثواب مردے کو بخشنا۔ ۳۸۹
- ☆ اکیسواں طریقہ: قرآن حکیم پڑھ کر اس کا ثواب بخشنا۔ ۳۹۱
- ☆ بائیسواں طریقہ: نماز روزہ کا ثواب میت کو بخشنا۔ ۳۹۲
- ☆ چھپسواں طریقہ: کنواں کھودا کر میت کی طرف سے وقف کرنا۔ ۳۹۶
- ☆ چوبیسواں طریقہ: میت کی طرف سے صدقہ کرنا۔ ۳۹۷
- ☆ پچیسواں طریقہ: میت کی طرف سے قربانی کرنا۔ ۴۰۰
- ☆ جواب سوال سوم: حضرات صحابہ نے ایصالِ ثواب کے کون سے طریقہ اختیار کئے؟ ۴۰۲
- ☆ جواب سوال چہارم: نقدی میں ایصالِ ثواب کا طریقہ۔ امام اعظم کی وصیت ۴۱۲
- ☆ ایصالِ ثواب کا انکار معتزلہ کا مذہب ہے۔ ۴۱۳
- ۱۰۹- عرس کا شرعی حکم کیا ہے؟ [مواعظ ارواح القدس لکشف حکم العرس، ۱۳۲۴ھ] ۴۲۱
- ☆ سند اول و دوم: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کے آغاز میں شہدائے بدر کی قبروں پر تشریف لے جاتے اور ان کے لئے دعائے خیر فرماتے۔ ۴۲۳
- ☆ اس حدیث پر مولوی اسحاق صاحب کے شیعہ کا مفصل اور مست جواب۔ ۴۲۴
- ☆ سند سوم: تعین اور تخصیص دو طرح کی ہوتی ہے: شرعی اور عادی۔ ۴۳۱
- ☆ سند چہارم: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام اور صلح امت سبکی امور خیر کے لئے مخصوص دن مقرر فرماتے آئے ہیں۔ صوم، دوشنبہ، چہار اور وعظ کے لئے پنج شنبہ اور اس کے آغاز کے لئے چہار شنبہ کی تعین ملتی ہے۔ ۴۳۲
- ☆ سند پنجم: اصل اشیا میں اباحت ہے۔ ۴۳۳
- ☆ مولوی اسحاق کی عبارت ”مقرر کردن روز عرس جائز نیست“ کا علی محاسبہ۔ ۴۳۶
- ☆ سند ششم: عرس کو سودا و عظم مستحسن سمجھتا ہے۔ ۴۳۸
- ☆ سند ہفتم: مخالفین کے متقدمہ اصحاب علم کی عبارتوں سے عرس کے جواز کی تائید۔ ۴۳۸
- ☆ سند ہفتم: حرمین شریفین کے علما کا تعامل اُس کا مؤید ہے۔ ۴۳۹
- ☆ سند ہفتم: ”احب الاعمال الی اللہ اور مہیا“ سے استنباد۔ ۴۴۰

- ۳۴۱ ☆ سند وہم: عرس کا انعقاد عامہ ذیل اسلام کا عرف ہے جو شرعاً ایک قوی دلیل ہے۔
- ۳۴۲ ☆ تاثیر عرف کی متعدد نظیریں۔ (ملفوظیت، تجویب، خطبے میں خلفائے راشدین وغیرہ کا ذکر، سلطان اسلام کے لئے دعا، اذان کے بعد تسلیم، نماز عصر کے بعد مصافحہ قرآن حکیم کی ترتین، مسجد کی آرائش، ختم تراویح میں دعا اور تین بار سورہ اخلاص کی قراءت، میلاد شریف کی مروجہ شخصیں، قیام و سلام تہلیلہ شخصی)
- ۳۴۳ ☆ عرس میں منہیات شرعیہ بہر صورت قرام ہیں۔ اسے بقدر استطاعت روکنا واجب۔
- ۳۴۹ ☆ زیارت قبور شرعاً مستحب ہے۔
- ۳۵۲ ☆ زیارت قبور شرعاً مستحب ہے۔
- ۳۵۳ ☆ جواز قاحلہ کے دلائل اور ایک تحریر کا رد۔
- ۱۱۰ - تقویہ بنانا، اس پر ہمدی، مالیدہ، کچھواد وغیرہ چڑھانا اور مرثیہ پڑھنا کیسا ہے؟
- ۳۶۳ ☆ تقویہ بنانا اور مرثیہ خوانی کرنا کیسا ہے؟
- ۱۱۲ - ☆ سند درست و قوی شخص جو صاحب نصاب بھی ہے، گداگری کرتا ہے۔ اس کی امامت کیسی ہے؟
- ۳۶۶ ☆ محفل و عطف ختم ہونے کے بعد سامعین کا عالم دین سے مصافحہ کرنا مسنون ہے یا بدعت؟
- ۳۶۸ ☆ جہاں ملاعون کی وبا پھیلی ہو وہاں دوسروں کا جاننا وہاں موجود لوگوں کا کہیں اور بھاگنا کیسا ہے نیز اس کے چھوٹ کی بیماری ہونے پر اعتقاد رکھنے کا کیا حکم ہے؟
- ۳۷۱ ☆ ملاعون کی جگہ جاننا وہاں سے بھاگنا کیسا ہے؟
- ۱۱۳ - ☆ مرارت اولیا کی توہین گناہ ہے یا نہیں؟
- ۳۷۲ ☆ کسی زیارت پر چادر چڑھانا اور سجدہ کرنا کیسا ہے؟ ☆ میلاد شریف پڑھنا اور کھڑے ہو کر سلام پڑھنا کیسا ہے؟ ☆ سہرا باندھنا کیسا ہے؟ ☆ شیخ سدا کا بکرا پالنا اور کھانا کیسا ہے؟
- ۳۷۳ - ☆ فریج کٹ داڑھی رکھنے والا فاسق ہے یا نہیں؟
- ۳۷۵ - ☆ حنفی کو شافعی یا مالکی مذہب اختیار کرنا کیسا ہے؟
- ۳۷۶ - ☆ ہندوؤں کو سلام کرنا اور ان کے یہاں کھانا کھانا کیسا ہے؟
- ۳۷۷ - ☆ روافض کے گھر کھانا پینا کیسا ہے؟
- ۱۱۸ - ☆ کیا آیت کریمہ میں ایک حرف کو دوسرے حرف کے ساتھ ملا کر بے قاعدگی سے پڑھنے سے شیطان کا نام آجاتا ہے؟
- ۳۷۷ - ☆ باب افعال کا ہنزہ قطعی ہے تو قداح میں الف کیوں ساقط ہو سکتا ہے؟
- ۳۷۸ -

## کتاب الفرائض ۱۲

- ۱۲۲ - کیا حنفیہ ہندہ کی تجزیہ و تحقیق اور فاقہ سوم و چہلم کے معارف اس کی ضرورت کہ جائداد سے ادا کئے جائیں گے؟
- ۳۸۱ - ہندہ نے مرثیہ سے پہلے مکان اپنے بیٹے زید کو ہبہ کر دیا تو اس کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟
- ۳۸۱ -

- ۱۲۳- زید نے اپنے ورثہ میں دو لاکھ، ایک لاکھ بیوی کو چھوڑا۔ اس کی جائیداد کس طرح تقسیم ہوگی؟ ۳۸۳
- ۱۲۵- حکیم نظام الدین نے چار لاکھ ایک لاکھ اور ایک بیوی کو چھوڑا ان کا ترکہ کیسے تقسیم ہوگا؟ ۳۸۴
- ۱۲۶- متوفی زید سنی کے ورثہ شیعہ ہیں۔ تو زید کا ترکہ اس کے شیعہ وارثین کو بھی ملے گا یا نہیں؟ ۳۸۵
- ۱۲۷- زید نے اپنے حقیقی بھائی وارث شری کو محروم کرنے کے لئے بینک میں جمع شدہ رقم ایک غیر وارث کے نام سپرد کر دی اور اس کی دستاویز بھی لکھو دی لیکن وہ رقم مہربان کو وصول نہ ہوئی۔ اب اسے بھائی کی حق تلفی کا خیال آیا تو وہ یہ بہانہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ ۳۸۸

### ضمیمہ

- ۱۲۸- فرائض و نوافل میں سورہ فاتحہ یا کسی سورت کے دو بار پڑھنے سے جہدہ ہوگا واجب ہوگا یا نہیں؟ ۳۹۰
- ۱۲۹- حضور کے وصال کے بعد کیا حضرت ابوالفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ تشریف لا کر حسین کریمین کے اصرار پر اذان دی؟ اور آپ کا وصال کہاں ہوا؟ ۳۹۲
- ۱۳۰- مسجد کزور عمارت کو شہید کر کے نئی عمارت بنوانا جائز ہے یا نہیں؟ ۳۹۳
- ۱۳۱- شوہر نے بیوی سے کہا تم میرا کہنا مانو ورنہ مانو گی تو تمہیں طلاق دیتا ہوں، پھر کہا دیکھو مانو نہیں تو طلاق دیتا ہوں پھر زوجہ کی سخت کلامی پر کہا تم پر طلاق ہے، تو کتنی طلاق واقع ہوئی؟
- ☆ قربانی کی کھال وغیرہ کی قیمت مسجد میں مذکور کئے ہیں؟
- ☆ قربانی کا جانور فرض کی رقم میں محسوب کر کے خرید سکتے ہیں یا نہیں؟
- ☆ کیا تصاب کی اجرت قربانی سے پہلے ہی متعین کر لی جاتی ہے؟ ۳۹۳

### کتابیات



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نافع البشر فی فتاویٰ ظفر

[۱۳۳۹ھ]

فتاویٰ ملک العلماء

ملک العلماء شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی قدس سرہ

## کتاب الطہارۃ ۱

مسئلہ مسئلہ حافظ عبدالمکریم صاحب از اعظم گڑھ ۱۵ محرم الحرام ۱۳۳۳ھ  
روٹی کا پکڑنا نجاست سے ناپاک ہو جائے تو کس طرح پاک ہو سکتا ہے؟ آمینہ اذو جبریل

### الـجـواب

اللہم ارنا الحق حقا والباطل باطلا۔ جس طرح بے روٹی کا نجس کپڑا نجاست سے پاک کیا جاتا ہے ویسے ہی روٹی کا کپڑا بھی نجاست سے پاک کیا جاتا ہے۔ یعنی اگر لائق نچوڑنے کے ہو تو تین مرتبہ دھوئے اور ہر بار اتارنا نچوڑنے کے کہ قطرہ نہ پئے، پاک ہو جائے گا اگر نجاست مرتبہ نہ ہو۔

شرح وقایہ میں ہے: ”وعمالم ہر اثرہ بغسلہ ثلاثا وعصرہ فی کل مرة۔“  
عامگیر یہ میں ہے: ”وان کانت غیر مرتبہ بغسلہا ثلاث مرات کذا فی المحيط۔“ اور اگر نجاست مرتبہ ہو تو زوال میں سے پاک ہو جائے گا۔

وقایہ میں ہے: ”عن نجس مرئی یزوال عبینہ حکذا فی الغلمگیر۔“  
اور اگر نچوڑنے کے لائق نہ ہو تو ہر بار خشک ہو جانے کے بعد دوبارہ دھوئیں۔  
ہندیہ میں ہے: ”وما لا ینعصر یطہر بالغسل ثلاث مرات والتجفیف فی کل مرة لان للتجفیف اثرانی استخرجہ اجماع الصحاح وحده التجفیف ان یعلیہ حتی ینقطع النفاطر ولا بشرط قبہ الیس حکذا فی التبین“  
۲ مختصر و اللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

ایک صاحب سنے کو نجس النین بتاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ درختار میں حضرت امام اعظم نے کتیا کے پے کو بغسل میں دبا کر نماز پڑھنا جائز لکھا ہے؟

## الواجب

یہ اس شخص کا انتہاء محض ہے۔ نہ درمختار امام اعظم کی تعریف ہے، نہ اس قائل کو جواز فضل و محنت عمل مع عدم جواز افضل میں تہیز ہے۔ جواز بمعنی محنت و محنتی اباحت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اول ہرگز مستلزم ثانی نہیں۔ بہت افعال کہ مکروہ تہزیبی بلکہ تحریمی بلکہ حرام ہیں، منافی محنت نماز نہیں ہوتے۔ تو نماز ان افعال کے ساتھ جائز ہوگی یعنی صحیح و مستطافرض۔ مگر وہ فضل جائز مباح نہ ہوگا بلکہ حرام یا گناہ یا ناپسند۔ ہمارے علماء کہ محل کلب وغیرہ سباع سوائے خنزیر کے ساتھ نماز جائز جانتے ہیں، جتنا تو بمعنی محنت میں کلام فرما رہے ہیں۔ معاذ اللہ یہ نہیں فرماتے کہ سب ضرورت شرعیہ ایسا فعل مکروہ و ناپسند نہیں۔ غیر مقلدین و بابیہ کا اس مسئلہ کو مطاعن ائمہ عظام حنفیہ کرام رحمہم اللہ باللطیف العام میں شمار کرنا محض سفاہت و بے عقلی ہے۔ حضرات صاحبین ادران کے موافقین رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو کتنا نجس العین ہے۔ اور ظاہر ماننے والوں سے بھی ایک جماعت عظیم مطاعن ان امور تو میں نماز قاسد جانتے ہیں۔ رہے قائلین طہارت، وہ بھی اساعت و کراہت کی تصریح کرتے ہیں۔ ان کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی ضرورت و حاجت خواہ اپنی نادانی و جہالت سے ایسا کیا تو نماز باطل نہ ہوگی۔ اس میں معاذ اللہ کیا طعن ہے؟ ہاں اگر فرماتے کہ ایسا کرنا چاہئے یا کرتے تو کوئی تا پسندیدہ نہیں تو ایک بات بھی۔ مگر جانتا ہوں وہ اس جہت سے پاک و موزہ ہیں واللہ اعلم۔

بالجملہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مذہب میں یہ جانور، سائر سباع کے مانند ہے کہ لعاب نجس اور عین طاہر۔ یہی مذہب صحیح و معتد و مستند بدلائل قرآن و حدیث و مختار و ماخوذ للفقوی عند جمہور مشائخ القدمیم و الحدیث ہے۔ امام ابوالبرکات محمودی کاشانی میں فرماتے ہیں: الکلب لیس بنجس العین۔

حلیہ میں ہے: ”کون الکلب لیس بنجس العین وهو المرجع فی المختصر والہدایہ والوقایہ والنقابة والمختار والکنز والواقی والاصلاح ونور الايضاح والملفتی والتتور۔ کل اہاب دبیغ فقد طهر الا جلد العنصریہ والادیمی فمقتضی هذه الکلیۃ طہارۃ جلد الکلب بالذباغ۔ حکذا فی مجمع الانہر ومنتہ ملتفتی الابحر وجامع الموز و مرافی القلاح والتیسر والیزایۃ والذر المختار وغیر ذلك من معتمدات الاسفار۔“ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از سر محمد مقام اکلہ رسول پور مرسلہ حافظہ عبدالحکیم صاحب الریح لا خر ۱۳۲۳ھ  
کیا ارشاد ہے علماء کا اس مسئلہ میں کہ غیر مقلدین جو بعد پیشاب، مدام پانی سے استنجاء پاک کیا کرتے ہیں اور  
ڈھیلے سے بدعت جانتے ہیں، یہ قول فعل ان کا کیا ہے؟ بیٹا و تو جرو۔

## الـجـواب

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی عادت مختلف تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دونوں ثابت ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں:

”مرد ازواجکن ان يستطیبا بالماء فاتى استحبابهم فان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يفعلہ۔“  
تم اپنے شوہروں سے کہو کہ پانی سے استنجا کیا کریں پس میں ان سے کہنے سے شرماتی ہوں۔ پس تحقیق کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کے بعد استنجائی سے فرمایا کرتے۔ رواہ احمد والترمذی والسنائی۔

ابوداؤد، ابن ماجہ میں انہیں سے مروی: ”فالت بآل رسول الله صلى الله عليه وسلم فقام عمر خلفه يكمز من ماء فقال ما هذا يا عمر؟ فقال ماء تنوض به قال ما امرت كلما يلت ان اتوضأ ولو فعلت لكان سنة۔“

ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ پانی لے کر کھڑے ہوئے۔ فرمایا: اے عمر کیا ہے؟ عرض کیا کہ استنجا کے لئے پانی ہے۔ فرمایا مجھ پر واجب نہیں کیا گیا ہے کہ طہارت کروں ہر پیشاب کے بعد پانی سے اور اگر ایسا کروں تو بلاشبہ سنت ہو جاوے۔ المراد یا لوضوء طهنا الاستنجاء بالماء كذا ذكره النووي۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ڈھیلے سے استنجا کرتے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ پانی سے استنجا فرماتے۔ محض پانی سے استنجا کرنے میں حرج نہیں البتہ ڈھیلے سے استنجا کرنے کو بدعت بتانا غلط ہے اور سفاہت ہے اور افضل یہ ہے کہ دونوں کو جمع کرے۔ ہندیہ میں ہے: ”الافضل ان يجمع بينهما“۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ ثانیہ از میرٹھ سلسلہ جناب مذکور الصدر صاحب

غیر مقلدین وضو میں بلا عذر اگر کس سر کیا کرتے ہیں غامدہ پر اور کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارہ میں ثابت ہے۔ کیا رسول خداؐ نے گناہ کی عذر سے ایک دو بار یا بلا عذر، اکثر فضیلت ہذا بنوع مطورہ ادا کیا ہے؟ اور یہ حدیث کس پائے میں ہے؟ اور نیز مذکور ہذا حدیث کس کتاب میں ہے اور حنفی کرام کو اس پر عمل کرنا کیسا ہے؟

## الـجـواب

غیر مقلدین کا محض عمامہ پر مسح کرنا محض جہالت ہے۔ ہرگز ہرگز مسح کرنا جائز نہیں۔ اگر کرے گا وضو نہ ہوگا۔ نماز مشروط بشرط وضو ہے۔ جب وضو ہی نہیں ہوا نماز بھی نہیں ہوگی۔

غلاحد یحرفاوی کا لکیر یہ میں ہے: ”ولا يجوز المسح على الفلنسة والعمامة وكذا لو مسح

المرأة علی الخیار الا انه اذا كان الماء متطافراً بحيث يصل الماء إلى الشعر فحجوز ذلك عن الشعر۔  
 خزائن المتقین میں ہے: ”والمرأة اذا مسحت علی احنماها لا بحوز الا اذا كان دقیفاً ینفذ الماء فیہ  
 فیلغ ربع راسہ کذا فی السراجیة والغنیة والحنانیة۔“

اقول اور یہ ظاہر کہ آدمی کس طرح عمامہ پر مسح کرے؟ سر میں تری تک محسوس نہیں ہو سکتی فضلاً ان بیلغ ربع راسہ۔  
 رہی حدیث، جو مروی ہے حضرت عمر دین امیر شمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے: ”قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم یمسح علی عمامتہ وخفیہ۔“ سو اس کے یہ معنی ہیں کہ سر پر تحت عمامہ کے مسح فرما کر عمامہ پر ہاتھ گذرانا۔  
 قسطلانی میں ہے: ”یمسح علی عمامة بعد مسح الناصبة ویدل علیہ حدیث ابی داؤد عن انس  
 رضی اللہ عنہ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینوضأ وعلیہ عمامة فطربة فادخل یدہ من  
 تحت العمامة فمسح مقدم راسہ۔“

علاوہ بریں اولاً حدیث مسح عمامہ کی محکم اور نہیں پھوڑا جاتا متقین پیغمبر محکم کے۔  
 ثانیاً اللہ تعالیٰ نے حکم مسح سر کا یہ نہ مسح عمامہ کا۔ اور حدیث مسح عمامہ کی آحاد ہے۔ جس سے زیادتی کتاب پر  
 جائز نہیں اور نہ وہ اس کا ناسخ ہو سکے۔ کما ہو مبہرہن فی فن الاصول اور یہی مذہب ائمہ و علماء کا ہے اور یہی قول  
 سفیان ثوری و مالک بن انس و ابن مبارک و امام شافعی و حضرت امام الائمہ، سراج الائمہ، البیہقیہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ واللہ  
 تعالیٰ اعلم۔



## ۲ کتاب الصلوٰۃ

### تنویر المصباح للقیام عند حی الفلاح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جماعت کی نماز میں امام اور مقتدیوں کو کس وقت کھڑا ہونا چاہیے؟ مذہب احناف کیا ہے۔ مدلل ارشاد ہو۔

(محمد سلیمان قادری)

**جواب** —————

اس مسئلہ کی متعدد صورتیں ہیں اور سب کا حکم جدا ہے۔ اس لئے بالتفصیل جواب دینا مناسب ہے۔ نافول و باللہ التوفیق۔

**شکل اول:** امام اور مکبر دونوں ایک ہی شخص ہے اور امام نے مسجد میں آکر تکبیر شروع کی تو جب تک تکبیر پوری ختم نہ ہو جائے مقتدی سب کسب بیٹھے رہیں، کوئی کھڑا نہ ہو۔

(۱) درمختار میں ہے: "اذا اقام الامام بنفسه فی مسجد فلا یقفوا حتی ینتم اقامته طہیرۃ"۔ "قادی ظہیر یہ میں ہے کہ امام جب بذات خاص مسجد میں اقامت کہے تو مقتدی نہ کھڑے ہوں یہاں تک کہ اقامت ختم کرے"۔

(۲) قادی عالمگیر میں ہے: "وان کان الہ وذن والامام واحدا فان اقام فی المسجد فالقوم لایقومون مالم ینفرغ من الافامۃ"۔ "اگر امام اور مؤذن ایک ہی شخص ہو تو اگر اقامت مسجد میں شروع کی تو مقتدی نہ کھڑے ہوں جب تک امام اقامت سے فارغ نہ ہو جائے"۔

(۳) فتح اللہ الحنین حاشیہ کنز ملا مسکین میں ہے: "لہذا اذا کان المؤذن غیر الامام وان احدث اقام فی المسجد اجمعوا ان القوم لایقومون مالم ینفرغ من الافامۃ"۔ "(حی علی الفلاح) پر کھڑا ہونا اس وقت

ہے جب امام اور مؤذن دو شخص ہوں اور اگر امام اور مؤذن ایک ہی شخص ہو تو اجماع ہے کہ مقتدی نہ کھڑے ہوں جب تک امام بکیر سے فارغ نہ ہو جائے۔

اس تفریح سے ان لوگوں کی بھی غلطی ظاہر ہوگئی جو کہتے ہیں کہ ہم امام و مکر کی اتباع میں کھڑے ہوتے ہیں کہ بکیر کہنے والا امام اور مکر تو کھڑا ہو اور ہم بیٹھے رہیں، یہ خلاف تعظیم مکر ہے اس لئے ہم مکر کی تعظیم کو کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ جدت اور اجتہاد شخص تصریحات فقہائے کرام کے بالکل خلاف ہے۔

(۳) جامع الرموز میں ہے، ”لو كان الامام موقفاً لم يقم القوم الا عند الفراغ وهذا اذا اقام في المسجد“۔ ”اگر امام خود مکر ہو تو جب مسجد میں آکر تکبیر کہنی شروع کرے تو قوم اس وقت تک کھڑی نہ ہو جب تک امام بکیر سے فارغ نہ ہو جائے۔“

(۵) بحر الرائق شرح كنز الدقائق میں ہے: ”هذا كله اذا كان المودن غير الامام فان كانه واحدا واقام في المسجد فالقوم لا يقومون حتى يفرغ من الاقامة“۔ ”یہ (جملی الفلاح پر کھڑا ہونا) اس وقت ہے جب مؤذن امام کے سوا دوسرا شخص ہو اور اگر امام اور مؤذن ایک ہی شخص ہو اور اقامت مسجد میں کہہ رہا ہے تو جب تک امام بکیر سے فارغ نہ ہو جائے، مقتدی کھڑے نہ ہوں۔“

(۶) ملقی الانجر اور اس کی شرح (۸) مجمع الانهر میں ہے: ”وقى الفهستا فى نفلا عن المحيط“۔ ”لو كان الامام موقفاً لم يقم القوم الا عند الفراغ“۔ ”اگر امام ہی مکر ہو تو جب تک بکیر ختم نہ ہو جائے مقتدی کھڑے نہ ہوں۔“ واللہ اعلم۔

**شکل دوم:** امام اور مکر ایک ہی شخص ہے اور امام نے مسجد میں پہنچنے سے قبل ہی تکبیر شروع کر دی تو تمام مشائخ حنفیہ کا اتفاق ہے کہ مقتدی سب کے سب بیٹھے رہیں، کوئی کھڑا نہ ہو، جب تک امام مسجد میں داخل نہ ہو۔

(۱) جامع الرموز میں ہے: ”والا فقد قاموا اذا دخله كما فى المحيط“۔

”اور اگر امام نے اقامت مسجد میں آکر نہیں شروع کی بلکہ مسجد میں داخل ہونے سے قبل ہی شروع کر دی تھی تو جب تک امام مسجد میں داخل نہ ہو کوئی بھی کھڑا نہ ہو۔ جب امام مسجد میں داخل ہو جائے تو لوگ کھڑے ہوں اور ایسا ہی محیط میں ہے۔“



فرمایا کہ جب مقتدی کے ساتھ امام مسجد میں نہ ہو تو مقتدی نہ کھڑے ہوں جب تک امام کو دیکھ نہ لیں بوجہ حدیث حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب اقامت کہی جائے تو تم کھڑے نہ ہو، یہاں تک کہ تم مجھ کو دیکھ لو اور میں قول شافعی اور داؤد کا ہے۔“

(۶) در مختار میں ہے: ”وان دخل من فدام قاسوا حین بفع بصرهم علیہ“۔ ”تکبیر کے وقت امام مسجد میں نہیں ہے، باہر سے آگے کی طرف سے آ رہا ہے تو جس وقت لوگوں کی نگاہ امام پر پڑے اس وقت کھڑے ہوں۔“

(۷) فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: ”وان کان الامام دخل المسجد من فدامهم بغومون کما راؤ الامام“۔ ”اور اگر امام مسجد میں آگے کی طرف سے داخل ہوا تو جیسے لوگ امام کو دیکھیں کھڑے ہو جائیں۔“

(۸) بدائع الصنائع میں ہے: ”فان كان خارج المسجد لا يفومون مالم بحضور لقول النبي صلى الله عليه وسلم "لا نفوموا في الصف حتى تروني خرجت" وروى عن علي رضي الله عنه "انه دخل المسجد فرائ الناس فبأمان ينظر وانه فعال ما لى اراكم سامدبن اى واقفين منحبرين" ولا نال الضباب لاجل الصلوة ولا يمكن اداء هابذون الامام فلم يكن القيام مفيد اثم ان دخل الامام من قدام الصفوف فكماراوه قاموا الا انه كما دخل المسجد فام مقام الامامة“۔ ”پھر اگر امام مسجد سے باہر ہو تو جب تک امام حاضر نہ ہو اس وقت تک مقتدی کھڑے نہ ہوں بوجہ قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے: ”مت کھڑے ہو صف میں یہاں تک کہ تم مجھ کو دیکھ لو کہ میں نماز کے لئے نکلا ہوں۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے تو لوگوں کو کھڑے ہوئے انتظار کرتے پایا تو فرمایا کہ کیا بات ہے کہ میں تم لوگوں کو متحیر پاتا ہوں۔“

اس لئے بھی کہ کھڑا ہونا نماز کے لئے ہے اور نماز کا ادا کرنا بغیر امام کے نہیں ہو سکتا تو کھڑا ہونا مفید نہ ہوگا۔ پھر اگر امام صفوں کے آگے سے مسجد میں داخل ہو تو جیسے ہی لوگ امام کو دیکھیں کھڑے ہو جائیں۔ اس لئے کہ جب وہ مسجد میں داخل ہوگا امامت کی جگہ کھڑا ہوگا۔

(۹) تبیین الحقائق وشرعیاتہ میں ہے: ”دخل من فدام وفقوا حین بصرهم علیہ“۔ ”اگر امام مسجد میں آگے کی جانب سے داخل ہو تو جس وقت مقتدیوں کی نگاہ امام پر پڑے لوگ کھڑے ہو جائیں۔“ حکذا فی فتح اللہ المعین والحلاصۃ والطحطاوی علی مراقی الفلاح۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**شکل چہارم:** امام و مؤذن دو شخص ہیں اور تکبیر کے وقت امام مسجد میں موجود نہیں اور مسجد میں پورب کی طرف (خلاف جانب قبلہ) سے آرہا ہے تو جس جس صف کے آگے گزرے گا، وہ لوگ کھڑے ہوتے جائیں۔ تکبیر شروع ہوتے ہی یا حی علی الفلاح پر پہنچنے کے وقت سب کو کھڑا ہونے کا حکم نہیں۔

(۱) در مختار میں ہے: ”والا یقبضون کل صف بنہی الیہ الامام علی الاظہر“۔ ”ورنہ ظاہر تر یہ ہے کہ جس جس صف تک امام پہنچتا جائے اس صف کے لوگ کھڑے ہوتے جائیں“۔

(۲) دو احادیث میں علامہ شامی فرماتے ہیں: ”قوله والا ی ای وان لم یکن الامام بغرب المحراب بان کان فی موضع آخر من المسجد او خارجہ و دخل من خلف“۔ ح۔ ”اور اگر امام محراب کے قریب نہ ہو یعنی مسجد ہی میں کسی دوسری جگہ سے یا مسجد سے خارج ہے اور غیر قبلہ کی جانب سے آرہا ہے تو جس جس صف کے آگے امام گزرتا جائے گا وہ صف کھڑی ہوگی“۔

(۳) ایسا ہی علامہ طلی شارج در مختار نے تحریر فرمایا ہے۔

(۴) فتاویٰ ہندیہ میں ہے: ”فما اذا کان الامام خارج المسجد فان دخل من قبل الصفوف فکما جاوز صفاف ذالک الصف والیہ سال شمس الائمة الحلوانی والسرخسی و خواہر زاہد“۔ لیکن امام جب مسجد کے باہر ہو تو وہ اگر صفوں کی جانب سے اندر آئے تو جس صف سے گزرے، اس صف کے لوگ کھڑے ہو جائیں۔ اسی کی طرف شمس الائمة حلوانی، سرخسی، اور خواہر زاہد کا میلان ہے۔

(۵) بدائع الصنائع میں ہے: ”وان دخل من وراء الصفوف فالصحيح انه كلما جاوز صفاف ذالک الصف لانه صار بحال لوافند رابه حاز فصار فی حقیقہ کانه اخذ مکانہ“۔ ”اور اگر مسجد میں صفوں کی جانب سے امام داخل ہو تو قول صحیح یہی ہے کہ جس جس صف کے آگے بڑھے گا وہ صف کھڑی ہوتی جائے گی۔ کیوں کہ امام اس صف کے لئے ایسی حالت میں ہے کہ اگر وہ لوگ اس کی اقتدا کریں تو چارزبے تو ان کے حق میں ایسا ہوا کہ وہ اپنی جگہ یعنی محراب میں پہنچ گیا“۔

(۶) تبیین الحقائق میں ہے: ”وان لم یکن الامام حاضرًا لا یقبضون حتی یصل الیہم وبغف مکانہ فی رواية وفی اخری اذا اختلط بہم وقبل یقبضون کل صف بنہی الیہ الامام وحو

الاظہر“۔ اور اگر امام مسجد میں موجود نہ ہو تو جب تک وہ پہنچ نہ لے اور اپنی جگہ کھڑا نہ ہو جائے، مقتدی سب بیٹے رہیں کوئی کھڑا نہ ہو۔ ایک روایت یہ ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ جب باہر سے آکر مقتدیوں میں مل جائے تو لوگ کھڑے ہو جائیں، اور تیسرا قول یہ ہے کہ جس جس صف تک امام پہنچتا جائے وہ صف کھڑی ہوتی جائے اور یہی زیادہ ظاہر ہے۔

(۷) شرط ثلایہ میں ہے: ”والافقوم کل صف بنتھی الیہ الامام علی الاظہر“۔ ”اگر امام مسجد میں نہ ہو اور صف کی طرف سے امامت کے لئے آ رہا ہے تو زیادہ ظاہر یہ ہے کہ جس جس صف سے آگے بڑھے وہ صف کھڑی ہو جائے۔“

(۸) فتح اللہ المعین میں ہے: ”فان لم یکن وف کل صف انتھی الیہ الامام علی الاصح خلاصہ وفی الزبلی وحو الاظہر“۔ ”پس اگر امام مسجد میں نہ ہو اور صف کی طرف سے آ رہا ہے تو جس جس صف تک پہنچے وہ صف کھڑی ہو جائے، یہی اصح قول ہے۔ یہ خلاصہ میں ہے اور زبلی میں ہے کہ یہ اظہر ہے۔“  
(۱۱) بحر الرائق میں ہے: ”والافقوم کل صف بنتھی الیہ الامام علی الاظہر“۔ ”اگر امام مسجد میں نہ ہو تو جس صف تک امام پہنچے وہ صف کھڑی ہو جائے یہی اظہر ہے۔“

(۱۲) طحاوی حاشیہ مرقا الفلاح: ”فولہ یقوم کل صف الخ وفی عبارة بعضهم فکلما جاوز صفًا فام ذلک الصف“۔ ”بعض فقہاء کی عبارت یہ ہے کہ جس صف سے امام آگے بڑھے، وہ صف کھڑی ہو جائے۔ واللہ اعلم۔“

**شکل پنجم** امام حرماء کے قریب مسجد میں موجود ہے، مقتدی بھی موجود ہیں۔ بیکر شروع ہو چکی، بعض مقتدی مسجد میں اس وقت داخل ہوئے تو ان کو حکم ہے کہ بیٹھ جائیں اور جب مکبر جی علی الفلاح پر پہنچے تب کھڑے ہوں۔ اس لئے کہ کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے۔

(۱) فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ”واذا دخل الرجل عند الافامة بکرہ له الانتظار فانما ولكن بعدد ثم یقوم اذا بلغ الموضع حی علی الفلاح کذا فی (۲) المضمرات“۔ ”ایک شخص اقامت کے وقت مسجد میں آیا تو اس کو کھڑے رہ کر انتظار کرنا مکروہ ہے۔ اس کو چاہئے کہ بیٹھ جائے پھر جب موزن جی الفلاح پر پہنچے تب وہ

کھڑا ہو۔ اسی طرح مضمرات میں ہے۔

(۳) در مختار میں ہے: ”ودخل المسجد والمؤذن یقیم قعد الی قیام الامام فی مصلاه“۔ ”ایک شخص مسجد میں ایسے وقت آیا کہ تکبیر تکبیر کہہ رہا ہے تو وہ بیٹھ جائے جب تک امام اپنے مصلیٰ پر کھڑا نہ ہو، یہ بھی کھڑا نہ ہو۔“

(۴) رد المحتار میں ہے: ”ویکبر له الانتظار قائما ولكن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن حتی علی الفلاح“۔ ”اس کے لئے نماز کا کھڑے کھڑے انتظار قائم رہے لیکن وہ بیٹھ جائے پھر جب مؤذن حی علی الفلاح پر پہنچے اس وقت کھڑا ہو۔“

(۵) غلط دی علی مراقی الفلاح میں ہے: ”واذا اخذ المؤذن فی الاقامة ودخل رجل فی المسجد قانه یقعد ولا یستظر قائما فانه مکروه کما فی المضمرات (۶) فہستانی دبیعہ منہ کراهة القيام لابتداء الاقامة والناس عنه غافلون“۔ ”علامہ غلط دی حاشیہ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں فرماتے ہیں: اور جب مؤذن نے تکبیر شروع کی اور ایک شخص مسجد میں داخل ہوا تو وہ بیٹھ جائے اور کھڑے کھڑے نماز کا انتظار نہ کرے، یہ مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے یہ بتانی نے کہا اور اسی سے سمجھا جاتا ہے کہ شروع تکبیر سے کھڑا ہو جانا مکروہ ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں۔“

(۷) وقیہ و (۸) جامع الرموز میں ہے: ”وفی الکلام ایما الی انه لو دخل المسجد احد عند الاقامة یقعد لکراهة القيام والانتظار کما فی المضمرات“۔ ”اور اس کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کوئی شخص تکبیر کہنے کے وقت مسجد میں داخل ہوا تو وہ بیٹھ جائے۔ اس لئے کہ کھڑا رہنا اور انتظار کرنا مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے۔“

(۹) فتاویٰ بزاز میں ہے: ”ودخل المسجد و هو یقیم یقعد ولا یقف قائما“۔ ”کوئی شخص مسجد میں داخل ہوا اور مؤذن تکبیر کہہ رہا ہے تو یہ آنے والا شخص بیٹھ جائے اور کھڑا نہ رہے۔“

(۱۰) عمدة الرعاۃ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے: ”وبقوم الامام والقوم ای من مواضعهم الی الصف وقیہ اشارۃ الی انه اذا دخل المسجد یمکروه له الانتظار قائما بل یجلس فی موضع ثم یقوم عند حی علی الفلاح وبہ صرح فی جامع المضمرات“۔ ”امام اور قوم اپنی جگہ سے صف میں کھڑے ہوں۔ اس میں اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہوا تو اس کو کھڑے کھڑے نماز کا انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ کسی

جگہ بیٹھ جائے پھر جی الفلاح کہنے کے وقت کھڑا ہو۔“ واللہ اعلم۔

**شکل ششم:** امام و مقتدی مسجد میں موجود ہیں اور موذن غیر امام ہے جو صورت عام طور پر ہوا کرتی ہے تو اس مسئلہ میں ائمہ و مجتہدین کے پانچ قول ہیں:

**قول اول:** امام شافعی، امام ابو یوسف اور ایک جماعت علما کا یہ ہے کہ اس صورت میں امام و مقتدی سب کے سب بیٹھے رہیں۔ صرف مکبر (تکبیر کہنے والا) کھڑا ہو اور تکبیر کہے۔ جب تکبیر سے فارغ ہو جائے تو تکبیر ختم ہونے کے بعد امام و مقتدی سب کھڑے ہوں۔

(۱) یعنی شرح بخاری میں ہے: ”وقد اختلف السلف متى يقوم الناس الى الصلوة (الى ان قال) ومذهب الشافعي وطائفة انه يستحب ان لا يقوم حتى يفرغ المودن من الاقامة وهو قول ابى يوسف۔“ اس مسئلہ میں علما کا اختلاف ہے کہ کس وقت لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوں تو امام شافعی اور ایک جماعت علما کا مذہب یہ ہے کہ متحب یہ ہے کہ امام اور مقتدی کوئی بھی نہ کھڑا ہو جب تک موذن اقامت سے فارغ نہ ہو جائے اور یہی قول امام ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔“

(۲) قسطلانی شرح بخاری میں ہے: ”واختلف في وقت القيام الى الصلوة فقال الشافعي والجمهور عند الفراغ من الاقامة وهو قول ابى يوسف۔“ اور اختلاف کیا گیا ہے نماز میں کھڑے ہونے کے وقت میں تو امام شافعی اور جمہور علما نے فرمایا کہ اقامت سے فارغ ہونے کے بعد امام و مقتدی کھڑے ہوں اور یہ قول امام ابی یوسف کا ہے۔“

(۳) نوہی شرح مسلم میں ہے: ”واختلف العلماء من السلف فمن بعد هم متى يقوم الناس الصلوة ومتى يكبر الامام فمذهب الشافعي وطائفة انه يستحب ان لا يقوم احد حتى يفرغ المودن من الاقامة۔“ علما نے سلف اور ان کے بعد علما نے اختلاف کیا ہے کہ لوگ نماز کے لئے کس وقت کھڑے ہوں اور امام کس وقت تکبیر کہے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت علما کا مذہب یہ ہے کہ متحب ہے امام و مقتدی کوئی بھی کھڑا نہ ہو جب تک موذن تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے۔“

(۴) الصلح الممجد میں ہے: ”قوله انه يقوم الى الصلوة اختلفوا فيه فقال الشافعي



والجمہور یقومون عند الفراغ من الإقامة وهو قول ابی یوسف۔ یعنی علمائے نماز میں کھڑے ہونے کے وقت میں اختلاف کیا ہے تو امام شافعی اور جمہور کا قول یہ ہے کہ جب مؤذن تکبیر سے فارغ ہو جائے تب امام و مقتدی کھڑے ہوں۔ یہی قول امام ابی یوسف کا ہے۔

اس قول کی تائید حدیث فعلی حضرت امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوتی ہے۔

(۵) مبسوط میں ہے: ”وایو یوسف احتج بحديث عمر رضي الله عنه فانه بعد قراة المودن من الإقامة كان يقوم في المحراب۔“ امام ابو یوسف نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے دلیل چکری ہے کہ وہ مؤذن کے تکبیر سے فارغ ہونے کے بعد محراب میں کھڑے ہوتے تھے۔۔۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**قول دوم:** امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ جس وقت مؤذن قدامت الصلوٰۃ کہے، اس وقت سب کو کھڑا ہونا چاہئے اور اسی کی تائید حدیث فعلی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوتی ہے۔ ہر غم والا جانتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ صحابی ہیں جو نہ صرف دو چاروں بلکہ پورے دس سال خدمت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں رہے اور حضور کے ہر فعل، ہر قول کو بہت نزدیک سے غائر نگاہ سے دیکھا۔

(۱) نووی شرح مسلم میں ہے: ”وكان انس رضي الله عنه يقوم اذا قال المودن قد قامت الصلوٰۃ وبه قال احمد۔“ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب مؤذن قدامت الصلوٰۃ کہتا اور یہ قول امام احمد کا ہے۔

(۲) یعنی شرح بخاری میں ہے: ”وقال احمد اذا قال المودن قد قامت الصلوٰۃ يقوم۔“ امام احمد نے فرمایا کہ جب مؤذن قدامت الصلوٰۃ کہے اس وقت سب کھڑے ہوں۔

(۳) اسی میں ہے: ”وكان انس رضي الله تعالى عنه يقوم اذا قال المودن قد قامت الصلوٰۃ وكبير الامام وحكاہ ابن ابی شیبہ عن سويد بن غفلة وكذا قيس بن حازم وحماد۔“ انس رضی اللہ عنہ اس وقت کھڑے ہوتے جب مؤذن قدامت الصلوٰۃ کہتا اور امام تکبیر تحریر کرتا۔ محدث ابن ابی شیبہ نے سويد بن غفلة اور قيس بن حازم اور حماد سے اس کو حدیث کیا۔

(۴) فتح الباری شرح بخاری میں ہے: ”وعن انس انه كان يقوم اذا قال المودن قد قامت الصلوٰۃ رواه

(۵) ابن المنذر وکذا اوواہ (۶) سعید بن منصور من طریق ابی اسحاق عن اصحاب عبد اللہ ؓ۔ "حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اس وقت کھڑے ہوتے جب مؤذن قدامت الصلوٰۃ کہتا۔ اس حدیث کو ابن المنذر وغیرہ نے روایت کیا ہے اور اسی طرح سعید بن منصور نے بطریق ابی اسحاق عبد اللہ سے روایت کیا۔"

(۷) معنی میں ہے: ہشام یعنی ابن عروہ بھی قدامت الصلوٰۃ کہنے کے قبل کھڑے ہونے کو کمرہ جانتے تھے۔

(۸) یعنی میں ہے: "کمرہ ہشام یعنی ابن عروہ ان یقوم حتی یقول المؤذن قد قامت الصلوٰۃ۔" معنی میں ہے کہ ہشام یعنی ابن عروہ نے نکرہ جانا کہ کوئی شخص کھڑا ہو یہاں تک کہ مؤذن قدامت الصلوٰۃ کہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قول سوم: اسی کے قریب قریب امام زفر و حسن ابن زیادہ کا قول ہے کہ جب مؤذن پہلی مرتبہ قدامت الصلوٰۃ کہے تو لوگ کھڑے ہو جائیں اور جب دوسری مرتبہ کہے تو نماز شروع کریں۔

(۱) یعنی شرح بخاری میں ہے: "وَقَالَ زُفَرٌ إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ قَدَامَتِ الصَّلَاةُ مَرَّةً قَامُوا وَإِذَا قَالَ ثَانِيًا افْتَحُوا۔" امام زفر نے فرمایا کہ جب مؤذن پہلی مرتبہ قدامت الصلوٰۃ کہے تو لوگ کھڑے ہو جائیں اور جب دوسری مرتبہ کہے تو نماز شروع کریں۔"

(۲) بدائع العناکع میں ہے: "وَعَنْدَرُ بْنُ حَسَنٍ ابْنُ زَيْدٍ هُوَ مَوْلَى عُنْدُ قَوْلِهِ قَدَامَتِ الصَّلَاةُ فِي الْمَرَّةِ الْأُولَى وَيَكْبُرُونَ عِنْدَ الثَّانِيَةِ۔" امام زفر و حسن ابن زیادہ کے نزدیک پہلی مرتبہ قدامت الصلوٰۃ کہنے کے وقت لوگ کھڑے ہو جائیں اور دوسری مرتبہ کہنے کے وقت تکبیر کریں۔"

(۳) رد المحتار میں زفر سے ہے: "وَقَالَ الْحَسَنُ بْنُ زَيْدٍ هُوَ مَوْلَى عُنْدُ قَوْلِهِ قَدَامَتِ الصَّلَاةُ قَامُوا إِلَى الصَّفِّ وَإِذَا قَالَ ثَانِيًا كَبُرُوا۔" امام حسن بن زیادہ نے فرمایا کہ جب مؤذن پہلی مرتبہ قدامت الصلوٰۃ کہے تو لوگ کھڑے ہو جائیں صف میں اور جب دوسری مرتبہ کہے تو تکبیر فرمائیے۔"

(۵) جامع الرموز میں ہے: "وَقَالَ الْحَسَنُ بْنُ زَيْدٍ إِذَا قَالَ قَدَامَتِ الصَّلَاةُ مَرَّةً (۶) كَمَا فِي الْمَحْطِطِ۔" امام حسن بن زیادہ نے فرمایا کہ جب مؤذن پہلی مرتبہ قدامت الصلوٰۃ کہے اس وقت کھڑے ہوں جیسا کہ محیط میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**قول چہارم:** امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے: ان کے نزدیک کھڑے ہونے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ تحدید کے متعلق میں نے کوئی حدیث نہیں سنی۔ اس لئے میری ذاتی رائے یہ ہے کہ برائے اختیار ہے، چاہے جب کھڑا ہو۔ اس لئے کہ بعض لوگ ہلکے پھلکے ہوتے ہیں اور بعض بیماری بھر کم تو سب کو ایک وقت کھڑے ہونے کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن اکثر مالکیہ اس طرف گئے ہیں کہ جب امام مسجد میں موجود ہو تو جب تک مؤذن تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے لوگ کھڑے نہ ہوں۔ (یعنی جو مذہب امام شافعی اور جمہور علما اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے)

(۱) عون المعبود شرح ابوداؤد (۲) دفع الباری شرح بخاری میں ہے: ”وفال مالک فی الموطا لم یسمع فی قیام الناس حین تقام الصلوة بعد محدود الا انی ارئی ذالک علی طاقۃ الناس فان قیام الفقیر والحقیف وذہب الاکثرون الی انہم اذا کان الامام معہم فی المسجد لم یقوموا حتی ینفرغ من الاقامة“۔ امام مالک نے مؤطا میں فرمایا کہ نماز کے لئے کس وقت کھڑے ہوں، اس کے متعلق میں نے کوئی حدیث نہیں سنی لیکن میں اس کو لوگوں کی قوت اور طاقت پر خیال کرتا ہوں کیونکہ نمازیوں میں بعض پوجھل ہوتے ہیں اور بعض ہلکے پھلکے اور اکثر اس طرف گئے ہیں کہ جب امام ان کے ساتھ مسجد میں ہو تو جب تک اقامت ختم نہ ہو جائے لوگ کھڑے نہ ہوں۔“

(۳) یعنی شرح بخاری میں ہے: ”ولقد اختلف السلف منی یقوم الناس الی الصلوة فذہب مالک وجہور العلماء الی انہ لیس لقیامہم حد“۔ سلف صالحین نے اختلاف کیا ہے کہ لوگ نماز کے لئے کس وقت کھڑے ہوں؟ تو امام اور جمہور علما نے مالکیہ اس طرف گئے ہیں کہ ان کے کھڑے ہونے کا کوئی وقت مقرر نہیں۔“

اس میں ہے: ”ولکن استحب عامتہم القیام اذا اعد المؤذن فی الاقامة“۔ لیکن عام علما نے مالکیہ نے مستحب سمجھا کہ جس وقت مؤذن تکبیر شروع کرے، اسی وقت لوگ کھڑے ہو جائیں اور ایک روایت امام مالک سے ہی اسی قسم کی منقول ہے جسے امام قاضی عیاض نے ان سے نقل کیا ہے۔

(۴) نووری شرح مسلم میں ہے: ”ونقل القاضی عیاض عن مالک رحمہ اللہ وجماعة العلماء انہ یستحب ان یقوموا اذا اعد المؤذن فی الاقامة“۔ امام قاضی عیاض نے امام مالک اور علما عامہ سے ایک روایت نقل کی کہ مستحب ہے کہ لوگ اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن تکبیر شروع کرے۔“

(۵) التعلیق الممجد شرح مؤطا امام محمد میں ہے: ”وعن مالک یقومون عند اولیاءہا وفی

الموطاۃ برئ ذالک علی طافۃ الناس فان فیہم الثقیل والخفیف کذا ذکر الفسطلانی۔“ اور ایک روایت امام مالک سے ہے کہ لوگ اول اقامت کے وقت کھڑے ہوئی اور موطا میں ہے کہ ان کی رائے یہ ہے کہ لوگوں کی طاقت یہ ہے۔ اس لئے کہ نمازیوں میں بعض ثقیل ہوتے ہیں اور بعض خفیف تو سب کا حکم ایک نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح علامہ قسطلانی نے ارشاد الساری میں ذکر کیا۔“

(۶) علامہ زرقانی مالکی شرح موطا میں تحریر فرماتے ہیں: ”ومن ثم اختلف السلف فی ذالک فقال مالک رحمۃ اللہ علیہ انی اری ذالک علی قدر طافۃ الناس فان منہم الثقیل الخفیف ولا یستطیعون ان یکونوا اکثر حل واحد وذهب الاکثر الی انہم اذا کان الامام معہم فی المسجد لم یقوموا حتی ینفرغ الامامۃ واذالم یکن فی المسجد لم یقوموا حتی یروہ۔“ ”نماز میں کس وقت کھڑا ہونا چاہئے، چون کہ اس کے متعلق کسی حدیث میں صاف حکم نہیں ہے۔ اسی لئے ائمہ سلف نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا۔ تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں اس کو لوگوں کی طاقت پر رکھتا ہوں۔ اس لئے کہ نمازیوں میں بعض بوچھل اور بعض ہلکے ہوتے ہیں تو وہ سب ایک شخص کی طرح نہیں ہو سکتے (سب کو ایک حکم نہیں دیا جاسکتا) اور اکثر علمائے لکھنؤ اس طرف گئے ہیں کہ جب امام مسجد میں موجود ہو تو جب تک تکبیر ختم نہ ہو جائے اس وقت تک لوگ کھڑے نہ ہوں اور جب مسجد میں نہ ہو تو جب تک امام کو دیکھ نہ لیں کھڑے نہ ہوں۔“

ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ امام مالک اور مالکیہ کے تین قول ہیں:

(۱) اصل مذہب اور قول امام مالک کا یہ ہے کہ اس بارے میں انہوں نے کوئی حدیث نہیں سنی۔ اس لئے ان کی ذاتی رائے ہے کہ اس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں۔ ضعف وقوت کے اعتبار سے ہر ایک کو کھڑے ہونے کا اختیار ہے۔

(۲) ایک روایت امام مالک سے یہ ہے کہ ابتداء اقامت ہی سے لوگ کھڑے ہو جائیں۔ عام علمائے مالکیہ بموجب اسی ایک روایت کے اسی طرف گئے ہیں۔

(۳) اور اکثر علمائے مالکیہ کا یہ قول ہے کہ تکبیر ختم ہو جانے پر لوگ کھڑے ہوں۔ و اللہ تعالیٰ اعلم۔

فائدہ: ائمہ مجتہدین کے چار قول اور پرگز رہے اور پانچواں قول امام الاندلس مالک الازمہ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کے متبعین عام مسلمان ہندو پاکستان اور دنیا کے مسلمانوں میں تین حصے ہیں اور جن کے

مقلدین ہم سب لوگ ہیں، آمینہ مفصل و مدلل آتا ہے۔ لیکن شرح بخاری نے ایک روایت سعید بن المسیب اور عمر بن عبدالعزیز سے ذکر کی ہے اسے ذکر کر دیا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ: جب مؤذن اللہ اکبر کہے لوگ کھڑے ہو جائیں، اور جب حی علی الصلوٰۃ کہے منوں کو برابر کریں اور جب لا الہ الا اللہ کہے تو امام تکبیر شروع کرے۔

عمدة القاری وفتح الباری شرح بخاری میں ہے: "واللفظ للاول وعن سعید بن المسیب وعمر بن عبدالعزیز" "انہ اذا قال المؤذن اللہ اکبر وجب القيام واذ قال حی علی الصلوٰۃ اعتدلت المصنوف، واذ قال لا الہ الا اللہ کبر الامام۔"

لیکن ظاہر ہے کہ سعید بن المسیب یا عمر بن عبدالعزیز کوئی امام مجتہد صاحب مذہب نہیں کہ لوگ ان کے مقلد ہوں اور نہ اس قول کی تائید کسی حدیث سے ذکر کی۔ اس لئے اسکی حقیقت محض ایک ذاتی رائے کی ہے توائمہ کے اقوال، احادیث کے ارشاد کو چھوڑ کر اس کی آڑ پکڑ ناصرف اپنی بات کی بچھ ہوگی۔ اسی وجہ سے امام عینی نے اس کو ذکر کر کے صاف فرمایا ہے: "وذهب عامة العلماء الى انه يكبر حتى يفرغ الموعظة من 'لا اله الا الله' لا تكبر علما كالمذہب یہ ہے کہ جب تک مؤذن اقامت سے فارغ نہ ہو جائے اللہ اکبر نہ کہے" ۱۲۔

آخر مضمون کی تائید و توكید تقدیق و توثیق علمائے عامہ کے قول سے فرمادی اور اللہ اکبر کہنے کے وقت قیام کرنا محض ان کی ذاتی رائے تھی۔ اس لئے اس کی تصدیق کسی عالم کے قول سے نہ فرمائی۔

قول پنجم: امام الاکبر، مالک الاکبر، امام اعظم، امام اقدم، امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے شاگرد امام محمد رحمۃ اللہ کا ہے: جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہے اس وقت امام ومقتدی سب کھڑے ہوں۔

(۱) عینی شرح بخاری میں ہے: "وفال ابو حنیفہ و محمد بشومون فی الصف اذا قال حی علی الصلوٰۃ۔" امام ابوحنیفہ اور امام محمد نے فرمایا کہ جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہے اس وقت سب اوصاف میں کھڑے ہو جائیں۔ اور ایک روایت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ہے کہ جب مؤذن "حی علی الفلاح" کہے، اس وقت کھڑے ہوں۔

(۲) فتح الباری شرح بخاری میں ہے: "عن ابی حنیفہ بفومون اذا قال حی علی الفلاح۔" امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ جب تکبیر حی علی الفلاح کہے اس وقت کھڑے ہوں۔"

بعض علما نے قول اول کو راجح بتایا ہے اور بعض نے قول ثانی کو۔ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی

قدس سرہ الحزین نے ان دونوں قولوں میں اس طرح تطبیق دی کہ دراصل یہ دو قول متعارض و متخالف نہیں ہیں۔ اس لئے چاہئے کہ جی علی الصلوٰۃ کے اختتام اور جی علی الفلاح کی ابتداء کے وقت کھڑے ہوں۔ تو ایک جماعت نے انتہا کا وقت بیان کیا اور دوسری جماعت نے ابتدا کا۔

(۳) فتاویٰ رضویہ میں ہے: "ولا نعارض عندی بین قول الوفایۃ وانباعہا بغومون عند حی علی الصلوٰۃ والمحیط والمضمرات ومن معهما عند حی علی الفلاح فانما اذا حملنا الاول علی الانهاء والاخر علی الابتداء اتحد الغولان ای بغومون حین یتیم المؤذن "حی علی الصلوٰۃ" ویسانی حی علی الفلاح"۔ "میرے نزدیک وقایہ اور ان کے قبضین کے قول "بغومون عند حی علی الصلوٰۃ"۔ "جی علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑے ہوں اور محیط اور مضمرات اور ان دونوں کے ہم خیالوں کے قول عند حی الفلاح میں کوئی تعارض نہیں۔ اس لئے کہ ہم اول یعنی جی علی الصلوٰۃ کہنے کے وقت کھڑے ہونے کو انتہا پر حمل کریں۔ یعنی جب جی علی الصلوٰۃ کہہ لے اور دوسرے قول یعنی جی علی الفلاح کہنے کے وقت کھڑے ہونے کو ابتدا پر محمول کریں تو دونوں قول متحد ہو جائیں۔"

آگے فرماتے ہیں: "هذا ما يعطيه قول المضمرات بغوم اذا بلغ المؤذن حی علی الفلاح"۔ "یہ تطبیق قول مضمرات سے سمجھی جاتی ہے کہ انہوں نے فرمایا کھڑا ہو جب مؤذن جی علی الفلاح پر پہنچے۔" (۴) نووی شرح مسلم شریف میں ہے: "قال ابو حنیفۃ رضی اللہ عنہ والکوفیون بغومون فی الصف اذا قال حی علی الصلوٰۃ"۔ "امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور عطاء کوفی نے فرمایا کہ مؤذن جب جی علی الصلوٰۃ کہے اس وقت سب لوگ کھڑے ہوں۔"

(۵) قسطلانی میں ہے: "وعن ابی حنیفۃ انه بغوم فی الصف عند حی علی الصلوٰۃ"۔ "امام ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ امام صف میں جی علی الصلوٰۃ کہنے کے وقت کھڑا ہو۔"

(۶) عون المجہود شرح ابوداؤد میں ہے: "وعن ابی حنیفۃ یغومون اذا قال حی علی الفلاح"۔ "امام ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ سب لوگ جی علی الفلاح کہنے کے وقت کھڑے ہوں۔"

(۷) بدائع الصنائع میں ہے: "والحملۃ فیہ ان المؤذن اذا قال حی علی الفلاح فان کان معہم

یہی مسجد بسنحب للقوم ان بغوموا فی الصف۔“ اس مسئلے میں مجمل کلام یہ ہے کہ مؤذن جس وقت حی علی الصلوٰۃ کہے اگر امام ان کے ساتھ مسجد میں موجود ہے تو قوم کے لئے مستحب یہ ہے کہ اس وقت صف میں کھڑے ہوں۔“

(۸) تنویر الابصار میں ہے: ”والغمام لامام ومومن حین قبل حی علی الفلاح ان کان الامام غلب المحراب۔“ اگر امام محراب کے قریب موجود ہو تو امام اور مقتدیوں کے لئے اس وقت کھڑا ہونا مستحب ہے جب حی الفلاح کہا جائے۔“

(۹) رد المحتار میں علامہ شامی اس کی شرح میں فرماتے ہیں: ”قوله حین قبل حی علی الفلاح کذا فی (۱۰) الكنز و (۱۱) نور الابصار و (۱۲) الاصلاح و (۱۳) الظہیریہ و (۱۴) البدائع و غیرها و الذی فی الدرر منشا و (۱۵) شرحا عند الہیئۃ الاولیٰ حین یقال حی علی الصلوٰۃ۔“ و عزاء السخیب سماعیل فی شرحہ البی (۱۶) عبون المذہب و (۱۷) الفیض و (۱۸) الوفاۃ و (۱۹) النفاۃ و (۲۰) الحاوی و (۲۱) المختارہ فلت واعتمدہ فی (۲۲) الملتقی و حکئی الاول بغیل لکن نفل (۲۳) ابن الکمال نصیح الاول و نص عبارہ فال فی (۲۴) الذخیرۃ بغوم الامام والغوم اذا قال مؤذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلثہ۔“ ماتن کا یہ قول کہ امام و مقتدی حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں۔ یہاں کنز، نور الابصار، اصلاح، ظہیریہ اور بدائع وغیرہ میں ہے۔ غرا اور اس کی شرح درر میں ہے کہ امام و مقتدی حی علی الصلوٰۃ کہنے کے وقت کھڑے ہوں اور شیخ اسماعیل نے اس کو شرح میں عبون المذہب، فیض، وقایہ، نقایہ، حاوی اور مختار کی طرف منسوب کیا۔ میں کہتا ہوں اور اس پر متقی میں اعتماد کیا اور اول کو قبل سے تعبیر کیا۔ لیکن علامہ ابن کمال نے پہلے قول کی تصحیح کی اور ان کی عبارت یہ ہے کہ ذخیرہ میں کہا: امام اور قوم حی علی الفلاح کہنے کے وقت کھڑے ہوں۔ ہمارے شیوخ امام، امام عظیم، امام ابو یوسف، امام محمد کے نزدیک۔

(۲۵) مرآۃ الفلاح میں ہے: ”ومن الادب (الغمام) ای فیام الغوم والامام ان کان حاصراً بغرب المحراب (حین قبل) ای وقت قول المغفیم (حی علی الفلاح) لانه امر به فیحاجب۔“ ”آداب و مستحبات نماز سے کھڑا ہونا امام اور قوم کا ہے، اگر امام محراب کے قریب موجود ہو جس وقت اقامت کہنے والا حی علی الفلاح کہے، اس لئے کہ اس نے حکم کیا تو اس کی تعمیل کی جائے۔“

(۲۶) طحاوی علی مرقی الفلاح میں ہے: "راذا احدث الموزن فی الاقامة و دخل رجل فی المسجد فانه یفقد ولا ینتظر قائماً فانه مکروه کما فی (۲۷) المصمرات (۲۸) فہستانی، و یفہم منه کبرہ القیامہ ابتداء الاقامة و الناس عاقلون"۔ "جب مؤذن نے تکبیر شروع کی اور کوئی آدمی اس وقت مسجد میں آیا تو وہ بیٹھ جائے اور کھڑے کھڑے نماز کا انتظار نہ کرے کہ یہ مکروہ ہے جیسا کہ مصمرات میں ہے۔ فہستانی اور ان سے سمجھا جاتا ہے کہ ابتدائے اقامت سے کھڑا ہونا مکروہ ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں۔" یعنی مسئلہ نہ جاننے کی وجہ سے یا جان بوجھ کر بھی محض رسم و رواج کی وجہ سے ابتدائی سے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

(۲۹) الفلاح میں ہے: "یسوم الامام و القوم عند حی علی الفلاح"۔ "امام اور مقتدی جی میں الفلاح کہنے کے وقت کھڑے ہوں۔"

(۳۰) تعین الحقائق میں ہے: "قوله و القیام حین قبل حی علی الفلاح لانه امریہ فیستحب المسارعة الیہ"۔ "مستحب ہے کھڑا ہونا جس وقت مکبر جی علی الفلاح کہے۔ اس لئے کہ مکبر نے اس کا حکم کیا تو اس کی طرف جلدی کرنا مستحب ہے۔"

(۳۱) فتح اللہ المبین حاشیہ شرح کنز لمسکین میں ہے: "(قوله و القیام حین قبل حی علی الفلاح) مسارعة لامتنال الامر هذا اذا کان الامام یقرّب المحراب"۔ "جبکہ مؤذن جی علی الفلاح یہ کہے اس وقت کھڑا ہونا مستحب ہے، امتثال امر کی جلدی کے لئے یہ حکم اس وقت ہے جب کہ امام محراب کے قریب موجود ہو۔"

(۳۲) بحر الرائق میں ہے: "لانه امریہ فیستحب المسارعة الیہ اطلقاً فشمّل الامام و المأموم ان کان الامام یقرّب المحراب"۔ "جب مکبر جی علی الفلاح کہے اس وقت امام اور مقتدیوں کا کھڑا ہونا اس لئے مستحب ہے کہ مکبر نے اس کا حکم دیا تو اس کی تعمیل میں جلدی کرنا مستحب ہے۔ اور ماتن نے اس کو مطلق رکھا تو امام اور مقتدی دونوں کو شامل ہے یہ حکم اس وقت ہے جب امام محراب کے قریب موجود ہو۔"

(۳۳) علاء شربلانی حاشیہ رد المحتار شرح غرر الاحکام میں فرماتے ہیں: "(قوله و القیام عند الحیلة الاولی) اطلقه فشمّل الامام و المأموم"۔ "جب مؤذن جی علی الفلاح کہے اس وقت کھڑا ہونا مستحب ہے۔ ماتن نے اس کو مطلق رکھا تو یہ حکم امام و مقتدی دونوں کو شامل ہے۔"



(۳۳) مجمع الاثر میں ہے: "واذفال المؤمنون في الافامة حتى على الصلوة فام الامام والجماعة عند عبدنا الله"۔ جس وقت مؤذن تکبیر میں جی علی الصلوة کہے، اس وقت ہمارے بیٹوں اماموں کے نزدیک امام اور سب مقتدیوں کے کھڑا ہونا چاہئے۔

(۳۵) محیط و (۳۶) ہند میں ہے: "بفوم الامام والفوم اذفال المؤمنون حتى على الفلاح عند عثماننا الله وهو الصحيح"۔ "کھڑے ہوں امام اور سب مقتدی جب مؤذن جی علی الفلاح کہے ہمارے بیٹوں اماموں کے نزدیک اور بھی صحیح ہے۔"

(۳۷) جامع الرموز میں ہے: "بفوم الامام والفوم عند حتى على الصلوة ای فیہلہ لکن فی (۳۸) الاختیار اذفال حتى على الصلوة و فی (۳۹) الاصل وغیرہ: "الاحب ان بفومو ای الصف ۷ فباله المؤمنون"۔ "اور امام و مقتدی جی علی الصلوة کہنے کے وقت کھڑے ہوں یعنی اس سے نیچے پہلے لیکن اختیار میں ہے کہ جب جی علی الصلوة کہے اور اصل وغیرہ میں ہے: محبوب ترین یہ ہے کہ لوگ صف میں اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن جی علی الصلوة کہے۔"

(۴۰) فتاویٰ بزازیہ میں ہے: "دخل المسجد وهو يغيب بغمد ولا يغف فائماً"۔ "کوئی شخص مسجد میں آیا اس وقت کہ مؤذن تکبیر کہہ رہا ہے تو وہ بیٹھ جائے اور کھڑا نہ ہو۔"

اس عبارت اور خطاطی حاشیہ مراقی الفلاح کی عبارت سے (جولائی ۳۶ میں گذری) ہر ادنیٰ عقل والا سمجھ سکتا ہے کہ آنے والے شخص جو کھڑا ہے، اس کو جائز نہیں کہ کھڑا کھڑا تکبیر سے بلکہ اس کو حکم ہے کہ بیٹھ جائے اور جی علی الفلاح پر کھڑا ہو تو بیٹھنے والے کو سب جائز ہو سکتا ہے کہ کھڑا ہو جائے اور کھڑے ہو کر تکبیر سے مگر ہٹ اور ضد کا علاج شیخ الرئیس کے پاس بھی نہیں۔

(۴۱) علامہ شیخ شمسی حاشیہ تبیین الحقائق میں (۴۲) و حیز امام کروری سے اور وہ (۴۳) مبنی سے نقل کرتے ہیں: "فوله فی المعنن والغبام ای فبام الامام والفوم قال فی الوجیز والسنة ان بفوم الامام والقوم اذفال المؤمنون حتى على الفلاح اه ومنله فی المبنی"۔ "مقن میں جو القیام فرمایا اس سے معنی امام اور قوم کا کھڑا ہونا ہے۔ وجیز میں میں فرمایا: سنت یہ ہے کہ امام اور قوم سب اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن جی علی الفلاح کہے ایسا ہی مبنی میں ہے۔"

(۳۳) الدرر المبین شرح الملتقى میں ہے: "اذا قال المقيم حي على الصلوة سبحي مافيه نام الامام ان كان بفرب المحراب والجماعة مسارعة لامره"۔ "جب مکی مرتب الصلوة کہے قریب ہے آئے گا جو کلام اس میں ہے تو اگر امام محراب کے قریب موجود ہو تو وہ اور سب مقتدی کھڑے ہوں، اس کے حکم تعمیل میں جلدی کریں"۔

(۳۵) یعنی شرح کنز میں ہے: "والخامس القيام اي قيام الامام والقوم حين قبل اي حين يقول المؤذن حي على الفلاح"۔ "مستحبات میں سے پانچواں مستحب امام اور مقتدیوں کا کھڑا ہونا ہے جس وقت مؤذن حی علی الفلاح کہے"۔

(۳۶) شرح الیاس میں ہے: "بقوم الامام والقوم للصلوة اذا قال المؤذن حي على الفلاح"۔ "امام و مقتدی نماز کے لئے اس وقت کھڑے ہوں جب مکی مرتب حی علی الفلاح کہے"۔

(۳۷) سرقات الفاتح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں ہے: "قال المتنا بقوم الامام والقوم عند حي على الصلوة"۔ "ہمارے اماموں نے فرمایا کہ امام اور سب مقتدی حی علی الصلوة کہنے کے وقت کھڑے ہوں"۔

(۳۸) بسوط امام نرخی میں ہے: "فان كان الامام مع القوم في المسجد فاني احب اليهم ان يغموا في الصف اذا قال المؤذن حي على الفلاح"۔ "پس اگر امام قوم کے ساتھ مسجد میں ہو تو میں مستحب پاتا ہوں ان کے لئے کہ صف میں اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن حی علی الفلاح کہے"۔

(۳۹) موطا امام محمد باب تسویۃ الصف میں ہے: "قال محمد بن عيسى للقوم اذا قال المؤذن حي على الفلاح ان يقيموا الى الصلوة فيصفوا ويسوروا الصغوف وبحاذرا بين المناكب فاذا قام المؤذن الصلوة كبر الامام وهو قول ابی حنیفہ"۔ "امام محمد نے فرمایا مقتدیوں کو چاہئے کہ جس وقت مؤذن حی علی الفلاح کہے، نماز کے لئے کھڑے ہو جائیں تو صف بائیں اور صغوف کو درست کریں۔ مؤثر تھے سے مؤثر تھے ملا کر کھڑے ہوں اور مؤذن جب اقامت کہہ لے تو امام تکبیر کہے، ایسی قول امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے"۔

یہیں سے معلوم ہوا کہ جو لوگ تسویۃ صفوف کا بے حقی عذر کرتے ہیں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے ہی اس کا فیصلہ فرما دیا کہ حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا تسویۃ صفوف کے منافی نہیں۔ آخر مغرب، عشاء، ظہر، عصر کی نمازوں میں دوسری رکعت کے بعد تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کیا پھر صف درست کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟

ت۔ ہر مرتبہ اسی طرح اگر نمازی حضرات آتے ہی صف درست کر کے بیٹھیں تو جس وقت کھڑے ہوں گے صف درست رہے گی۔ مسجدوں میں جانماز (مٹھیں) اسی لئے بچائی جاتی ہیں کہ جیسے جیسے نمازی آتے جائیں ٹھکانے سے بیٹھیں یہ سب تاکہ جب کھڑے ہوں صف درست شدہ رہے۔ اردو محاورہ میں گھاس کی جا نماز کو اس لئے صف کہا کرتے ہیں۔ اس سے صف کی درستی کا کام لیا جاتا ہے۔ اب اگر لوگ آکر باقاعدہ نہ بیٹھا کریں تو اس کی اصلاح کی ضرورت ہے، نہ۔ اس خیال سے دوسرے مستحب کام کو جس کو بعض علما نے سنت بھی فرمایا ہے کسا من عن الوحیز، اسی کو ترک کر کے مستحب کی اہمیت کے ہوں۔ ولسو فرضنا صفیں درست نہیں ہوئیں تو امام محمد نے صاف تصریح فرمادی کہ جب مکبر چلی علیٰ الخ۔ نہ کہ اس وقت سب کھڑے ہوں اور صفیں درست کر لیں اور یہ نہ صرف ان کا قول ہے بلکہ فرماتے ہیں ”وہو قولی حنیفہ“ اسی طرح صاف اور ضریح روایت کتاب الآثار میں بھی ہے۔

”قال احسننا ابو حنیفہ قال حدثنا طلحہ بن مطرف عن ابراہیم اذا قال المودود حی علیٰ صلاح ینبغی للقوم ان يقوموا یخضعوا افا، محمد وہ تاحث وہو قول ابی حنیفہ“۔ ”امام محمد فرماتے ہیں کہ مجھے امام ابوحنیفہ نے خبر دی۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے طلحہ بن مطرف نے حدیث بیان کی، وہ ابراہیم ثقفی سے روایت کرتے ہیں کہ جب مؤذن حی علیٰ الفلاح کہے تو لوگوں کو چاہیے کہ کھڑے ہو جائیں پس صف درست کریں۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ ہم اسی کو لیتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔“

امام محمد کے الفاظ دونوں حدیثوں میں یقینی ہیں اور ہر علم والا جانتا ہے کہ لفظ یقینی متاخرین کے محاورہ و عرف میں مندوبات میں زیادہ استعمال ہوتا ہے اور معتدین کے محاورہ و عرف میں اس کا استعمال عام ہے جو واجب تک کو شامل ہے۔

روح البیہ، حواشی اشباہ و عمدۃ العرایہ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے: ”لفظ ینبغی فی عرف المنہاجین غلب استعمالہ فی المتدوبات و اما فی عرف القدماء فاستعمالہ فی عام حتی یشمل الواجب ایضاً“۔ ”متاخرین کے عرف میں لفظ یقینی (چاہئے، مناسب ہے) کا استعمال زیادہ تر مندوب اور پسندیدہ کاموں کے لئے ہوتا ہے۔ لیکن معتدین کے عرف میں اس لفظ کا استعمال اس سے عام معنی کے لئے ہے یہاں تک کہ یہ واجب کو بھی شامل ہے (۱۲)۔“

بالجملہ پچاس کتب دینیہ کی روشن تصریحات سے یہ مسئلہ ثابت و مدلل ہو گیا کہ جس وقت امام مسجد میں غراب کے فریب موجود ہو اور مکبر غیر امام ہو، اس وقت امام و مقتدی سب کو چاہئے کہ جس وقت مکبر کی علی الفلاح کہے اس وقت کھڑے ہوں۔ یہی مسئلہ ہمارے ائمہ ثلاثہ کا ہے۔ پس حنفیوں کو چاہئے کہ اسی پر عمل کریں اور جو شخص اس مسئلہ میں اختلاف کرے تو اگر وہ خود عالم ہے تو اس کو چاہئے کہ پچاس کتابوں کے مقابلہ میں سو درندہ ساٹھ ہی کتب فقہ سے ایسا ہی واضح طور پر ثابت کر دے کہ ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مؤذن جس وقت تکبیر شروع کرے، اسی وقت امام اور مقتدی سب کو کھڑا ہونا چاہئے یا جس وقت مؤذن تکبیر شروع کرے، اس وقت امام و مقتدی کو بیٹھا رہنا مکروہ ہے۔ اور اگر مخالفت کرنے والا عامی ہے تو اس کو بمضون مع ایاز قدر خود شناس، یعنی مسئلہ میں ٹانگ اڑانے سے بچنا چاہئے اور اگر رسم و رواج اسے مخالفت پر مجبور کرتے ہیں تو اس کو چاہئے کہ پہلے ہندوستان یا پاکستان یا سارے جہان سے جہاں سے ہو سکے، مستطاعاً دین کے فتاویٰ ملنے والے جن میں کم از کم پچاس ہی کتابوں سے حنفیہ کے نزدیک تکبیر شروع ہوتی ہے، کھڑے ہونے کا حکم ہو یا بیٹھے رہنے کی کراہت مدلل ہو اور اسی کو ائمہ ثلاثہ کا مذہب بتایا ہو۔ اور اگر ایسا نہیں کر سکتے اور ہم دعوٰی سے کہتے ہیں کہ ہرگز کوئی ایسا فتویٰ نہیں پیش کر سکتا تو دینی مسئلہ کے مقابل نفسانیت اور ہٹ دھرمی دکھانا دین دار مسلمان کا کام نہیں۔

(۲) بعض حضرات اپنی بات بتانے کو کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ لوگوں نے نیا نکالا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو کسی صحابی یا تابعی سے ضرور منقول ہوتا۔ جو مسئلہ ائمہ کرام علاؤ اللہ امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد سے منقول ہو وہ نیا مسئلہ کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد اگر تبع تابعین سے ہیں تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے تابعی ہونے میں تو کوئی کلام نہیں۔ کتاب الاثار میں یہ حدیث، بسند متصل حضرت امیر المومنین حضرت امیر غفر اللہ عنہ سے منقول ہے۔ امام محمد نے مؤطا شریف میں فرمایا ”یہ ناعوذ و هو قول ابی حنیفہ“ پھر یہ مسئلہ نیا ہوا یا حنفی ہو کر ائمہ ثلاثہ کے خلاف کرنا ثانی بات ہے؟ امام صاحب کے علاوہ ہشام بن عروہ جو طویل القدر تابعی ہیں، وہ بھی شروع تکبیر سے قیام کو مکروہ جانتے ہیں۔ مسند احمد، مسند حضرت انس رضی اللہ عنہ جیسے طویل القدر صحابی توحی علی الفلاح کے بھی بعد قدامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہوتے تھے۔ کما مر عن العینی وفتح الباری۔ بلکہ امام سرخسی نے مبسوط میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی جو دلیل بیان کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم تکبیر پر کھڑے ہوتے تھے۔



ترجیح ہے، بخش غلط ہے۔

ثانیاً عام علما کے مسلک کو امام مالک کا مسلک بتانا بھی غلط۔

چالٹا اس کو از روئے حدیث شریف مرجع ماننا بھی غلط۔

والہذا ایسا کہنا ”مدعی ست گویہ چست“ کا مصداق بنتا ہے۔

خامساً اپنے کو امام مالک سے بھی اعلم بالجہد ہونے کا اشعار ہے۔ اگرچہ امام مالک فرماتے ہیں مجھے اس بارے میں کوئی حدیث نہیں معلوم، لیکن مجھ کو حدیث معلوم ہے، اس کے روئے امام مالک کے مذہب کو ترجیح ہے۔

سادساً بخاری شریف کی حدیث ”لا نغو مو احسنی نرونی“ سے استدلال کرنا اور لکھنا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ اقامت شروع ہونے کے بعد کھڑا ہونے سے ممانعت کی وجہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (امام) کے مسجد میں عدم موجودگی ہے۔ پس اگر ابتدائے اقامت کے وقت آپ موجود ہوں تو کھڑا ہونے سے اس وقت کوئی امر مانع نہیں ہے۔ یہ بھی بڑا اجتہاد ہی اجتہاد اور ائمہ مجتہدین فقہاء و محدثین سب کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ مجتہدین کا اختلاف اسی صورت میں ہے کہ امام مسجد میں موجود ہو اور اگر امام مسجد میں موجود نہ ہو تو اس کا مفصل حکم شکل سوم، چہارم میں گزرا۔ اس میں اختلاف ہی نہیں۔

تثنیٰ شرح بخاری میں ہے: ”قال ابو حنیفۃ و محمد یقومون فی الصف اذا قال حی علی الصلوٰۃ فاذا قال قد قامت الصلوٰۃ کثیر الامام لانہ امین الشرع وقد اخیر بقیامہا فحبب نصدیقہ واذالم یکن الامام فی المصحف فذهب الجمهور الی انہم لا یقومون حتیٰ یروہ“۔ ”امام اعظم اور امام محمد نے فرمایا کہ سب لوگ صف میں اس وقت کھڑے ہوں جب تک کہ جی علی الصلوٰۃ کہے اور جب قد قامت الصلوٰۃ کہے تو امام تکبیر تحریر کہے۔ اس لئے کہ وہ شرع کا امانت دار ہے اور اس نے قیام نماز کی خبر دی تو اس کی تصدیق ضروری ہے اور اگر امام مسجد میں موجود نہ ہو تو جمہور علما اس طرف گئے ہیں کہ لوگ نہ کھڑے ہوں جب تک امام کو یک نہ کہیں۔“

اسی کو بدائع میں فرمایا: ”والحجۃ فیہ ان المودن اذا قال حی علی الفلاح فان کان الامام معہم فی المصحف یمنعہم للوقوف ان یقوموا فی الصف“۔ ”اور خلاصہ کلام اس مسئلہ میں یہ ہے کہ جب یقیناً ”جی علی الفلاح“ کہے تو اگر امام ان کے ساتھ مسجد میں موجود ہو تو قوم کے لئے مستحب یہ ہے کہ اس وقت کھڑے ہوں۔“

تقویر الابصار وغیرہ کی عبارت اور گزری: ”والقیام الامام ومقنن حین یقل حی علی الفلاح ان کان امام مقرب المحراب“۔ ”مستحب ہے امام اور مقتدیوں کا کھڑا ہونا جب ”حی علی الفلاح“ کہا جائے اگر امام محراب کے قریب موجود ہو۔“

عون الموعود فتح الباری میں ہے: ”وذهب الاکثرون الى انهم اذا كان الامام معهم فی المسجد یقفوا وحیث یقف الإمام الاقامة“۔ ”اکثر علماء اس امر کی طرف گئے ہیں کہ اگر امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں موجود ہو تو مقتدی سب نہیں کھڑے ہوں گے جب تک اقامت سے فراغت نہ ہو جائے۔“

لله انصاف! ایسی کھلی ہوئی تصریح ہے کہ امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں موجود ہے تو جب تک تکبیر ختم نہ ہو جائے لوگ کھڑے نہ ہوں اور آپ فرماتے ہیں ”اگر ابتدائے اقامت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم (امام) موجود ہوں تو کھڑا ہونے سے اس وقت کوئی امر مانع نہیں ہے۔“

مابعد امام کی موجودگی کی صورت میں ابتدائے اقامت سے مقتدیوں کے کھڑے نہ جانے کی دلیل میں اس کو پیش کرنا کہ اگر امام موجود ہو تو کھڑا ہونے سے اس وقت کوئی امر مانع نہیں، یہ بھی غلط۔ مانع نہیں تو دلیل نہیں۔ اصل ضرورت اس وقت قیام کی تحرک اور ثبت کی ہے۔ نفی تو دلیل نہیں ہو سکتی۔

تاسنایہ خیال کہ کوئی امر مانع نہیں، یہ بھی غلط ہے۔ مانع ہے اور زبردست مانع ہے۔

بدائع میں ہے: ”انسانستعهم عن القيام کيلا يلعغو قوله حی علی الفلاح لان من وجدته من المبادرة الى شیء قل عانه اليه بعد تحصيله اباه لغو من الکلام“۔ ”ہم حی علی الفلاح کہنے کے قبل کھڑے ہونے سے اس لئے منع کرتے ہیں کہ جس شخص سے کسی امر کی طرف مبادرت و مسابقت ہو چکی ہو، اب اس کو اس شئی کی طرف بلا نا ایک لغو کلام ہے۔“

مکرم حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح کہہ کر نمازیوں کو بلانا ہے کہ آؤ طرف نماز کے، آؤ طرف فلاح و بہبود کے تو چاہئے کہ اس کی تعمیل میں لوگ نماز کے لئے کھڑے ہو جائیں اور اگر وہ لوگ پہلے ہی سے کھڑے ہو چکے ہوں تو یہ کہنا بالکل لغو اور بے معنی ہوگا۔ تو کیا لغو کام سے بچنا زبردست مانع نہیں؟

تاسعاً اس کو دوسری حدیث مسلم شریف ”عن ابی ہریرۃ ان الصلوٰۃ کانت تقام لرسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم فباخذ الناس مصافہم قبل ان يقوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقامہ“ سے پاگل عیاں مانتا طرفہ تماشا ہے۔

امام نووی، امام عینی، امام ابن حجر، شرح مسلم، عمدۃ القاری، فتح الباری میں فرماتے ہیں: ”وقوله فی روایۃ ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ فباخذ الناس مصافہم قبل عرو حہ لعلہ کان مرۃ او مرتین ونحو ہما لیبیان الحواجز اولعذر ولعل قوله صلی اللہ علیہ وسلم فلا تقوموا حتی ترونی کان بعد ذلك“۔ ”حضرت ابو ہریرہ کا یہ فرمانا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے اور اپنی جگہ پر کھڑے ہو جانے سے پہلے ہی صحابہ کرام اپنی اپنی جگہ صفوں میں لے لیتے تھے (تو یہ حدیث بظاہر حدیث ابو قتادہ کے مخالف معلوم ہوتی ہے تو یہ سب ائمہ محدثین، شراح بخاری و مسلم اس کا جواب دیتے ہیں کہ) شاید ایک یا دو مرتبہ کبھی ایسا ہوا ہو، وہ بھی صرف بیان جواز کے لئے (یعنی اگر ایسا کبھی کوئی کر لے تو جائز ہے اور دوسرا جواب اس کا یہ ہے کہ) لوگ پہلے ایسا کرتے تھے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد کو اس سے منع فرما دیا کہ میرے آنے سے قبل مت کھڑے ہو جایا کرو“۔ تیسرا جواب اس کا یہ ہے کہ ایسا بھی کسی مذکر کی وجہ سے ہوا ہوگا۔

چوتھا جواب اس کا یہ ہے کہ حدیث میں ”فباخذ الناس مصافہم“ ہے یعنی صحابہ کرام اپنی اپنی جگہ لے لیتے تھے یعنی اپنی اپنی جگہ جا کر بیٹھ جاتے تھے۔ حدیث ”فیقوم الناس مصافہم“ تو ہے نہیں، جس سے استدلال کیا جاسکے اور بالکل عیاں کہا جاسکے۔

عاشرا یہ خیال کہ سب سے زیادہ واضح طور پر اس مضمون ”ابتداء اقامت کے وقت کھڑا ہونا“ کی تائید ابن شہاب کی حدیث سے ہوتی ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اقامت شروع ہوتے ہی کھڑے ہو جاتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر نہیں آتے جب تک صفیں درست نہ ہو جاتیں، صریح و محکو ہے۔ یہ تو ابن شہاب نہ ہری سے ایک روایت ہے۔ ابن شہاب کون ہیں، اہل علم سے مخفی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو تو صحابہ بیان کر سکتے ہیں، نہ کہ تابعی اور وہ بھی صغیر۔ تو یہ حدیث منقطع ہوئی، اور اگر تابعی کے قول سے سند لینا ہے تو ہشام ابن عروہ جو جلیل القدر تابعی ہیں، ان کی بات کیوں پس پشت ڈالی جائے۔ حضرت ابراہیم نخعی سے کیوں نہ استدلال کیا جائے اور جب تابعی سے سند ملانا ہے تو صحابہ کرام تو ان سے اہم و اقدم ہیں اور وہ بھی صرف زیارت کر کے گھر چلے



جانے والے یا دو چار دن خدمت اقدس میں رہنے والے نہیں بلکہ پورے دس سال خدمت اقدس میں بسر کرنے والے، سفر و حضر میں ہر وقت ساتھ رہنے والے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کیوں نہ استدلال کیا جائے جن کا عمل قول دوم بیان مذہب امام احمد میں نووی، بخاری، فتح الباری سے گزرا: ”وكان اتس رضي الله عنه يقوم اذا افان المؤذن قد قامت الصلوة وبه قال احمد“۔ ”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت کھڑے ہوتے جب مؤذن الصلوة قد قامت الصلوة کہتا اور امام احمد اسی کے قائل ہیں۔“

بلکہ ان سے بھی بڑھ کر اشداء علی الکفار رحماء بینہم، قوت و شوکت اسلام خلیفہ دوم حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو کیوں ساقط انظر ٹھہرایا جائے جن کا عمل مبارک علامہ سرخسی نے مہسوط میں ضمن دلیل امام ابو یوسف رحمہ اللہ بیان فرمایا: ”وابو يوسف احتج بحديث عمر رضي الله عنه فاته بعد قراغ المؤذن من الاقامة مكان يقوم المحراب“۔ ”امام ابو یوسف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے دلیل لائے کہ وہ مؤذن کی اقامت سے فارغ ہونے کے بعد محراب میں کھڑے ہوتے تھے۔“

غرض کتب حدیث و شروح حدیث و کتب متون و شروح و فتاویٰ فقہیہ سے روز روشن کی طرح یہ مسئلہ واضح ہے کہ جماعت کی نماز میں امام و مقتدی سب کو اس وقت کھڑا ہونا چاہیے جب مؤذن تکبیر میں حی علی الفلاح کہے۔  
والله الهادی وهو الموفق والله تعالى اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ ثانیہ از میرٹھ

سجدہ میں جاتے وقت پیشتر ہاتھ زمین پر ٹیکتا چاہئے یا کھٹنے پر؟ اور سجدہ سے اٹھتے وقت اول کھٹنا اٹھانا چاہئے یا ہاتھ؟ غیر مقلدین سجدہ میں پیشتر قیام سے جاتے ہوئے زمین پر ہاتھ لگاتے ہیں پھر کھٹنے۔ اور سجدہ سے اٹھتے وقت اول کھٹنے اٹھتے ہیں ازاں بعد ہاتھ۔ اور اپنے پیروں کے درمیان کشادہ رکھتے ہیں اور جاتین دابٹے ہاتھیں مستدیان کا بائیں یکے بعد دیگرے پیر سے ملانا کس طرح آیا ہے؟ ہیں ہم گزارش رکھ کر امر واضح ہونے کے طالب ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے ہر دو پائے مبارک نماز میں کس قدر فاصلہ سے رکھتے تھے اور صحابہ کرام کا جماعت میں سجدہ سے سے موثر تھا ملانا ثابت ہے یا سجدہ سے پیر؟ اور نماز میں دابٹے پیر کا انگوٹھا مل جانا وغیرہ۔ حرکات مجرہ بالا اگر کوئی حنفی اختیار کرے تو اس کی نماز کیسی رہے گی؟ غیر مقلد کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ آیا مقلد کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

## الوجوب

عبدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنے پھر ہاتھ بعدہ ناک اس کے بعد پیشانی زمین پر رکھے اور اٹھتے وقت برگس اس کے یعنی پیشانی اٹھائے اس کے بعد ناک بعدہ ہاتھ پھر گھٹنے۔

مسند امام الاحمر مراح الامۃ میں ہے: "ابو حنیفہ عن عاصم عن ابیہ عن وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان السی صلی اللہ علیہ وسلم اذا سجد وضع ركبته قبل بدیه واذا قام يرفع بدیه قبل ركبته۔"  
 "حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب عہہ کرتے تو پہلے ہاتھ پھر گھٹنے زمین پر رکھتے اور جب اٹھتے تو پہلے ہاتھ پھر گھٹنے اٹھاتے۔" اخرجه الطحاوی والاریة وقال الترمذی حدیث حسن وصححه ابن عزیمة وابن حبان۔  
 اصلاح ومنہ وکنز الدقائق میں ہے: "وبسجد فیضع ركبته اولاً ثم بدیه ثم وجهه بین كفتیه وبدیه حذاء اذنیہ ويرفع راسه اولاً ثم بدیه ثم ركبته هكذا فی الصغیری والغنیة شرح المنیة ونبین الحقائق۔"  
 پھر ہند یہ میں ہے: "فمالوا اذا اراد السجود بضع اولاً ما كان القرب الى الارض فیضع ركبته اولاً ثم بدیه ثم انقه ثم جبهته واذا اراد الرفع رفع اولاً جبهته ثم انقه ثم بدیه ثم ركبته هكذا فی الطحاوی والدر المختار وغيرهما من معتمدات الاسفار۔"

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اذا سجد احدكم فليبدء بركبته ولا يبرك برك الفحل۔"  
 "تم میں کوئی شخص عہہ کرے تو چاہے کہ پہلے گھٹنے رکھے اور اونٹ کی نشست نہ بیٹھے۔"

امام ابراہیم بخاری رضی اللہ عنہ سے ایک شخص کے بارے میں سوال ہوا، جو عہدے میں جاتے وقت پہلے ہاتھ رکھے پھر پاؤں؟ فرمایا: "او يصنع ذلك الا احمق ومجنون۔ کیا ایسا کوئی کرتا ہے سوائے وقوف اور پاگل کے۔"

نماز کے اندر پاؤں میں فاصلہ چار انگلیں ہونا چاہئے۔ خلاصہ میں ہے: "وسبغی ان يكون بین قدمیه قدر اربع اصابع فی قیامہ۔" حکذا فی مرافی الفلاح۔"

نماز میں حکم مونہ سے ملائے کا ہے نہ پاؤں ملائے کا۔ عہہ میں اگر پاؤں بالکل اٹھے ہیں تو مفید نماز ہے:

"فیتہ پھر عکبر ی میں ہے: ولو سجد ولم يضع قدمیه علی الارض لا بحوز۔"

ہدایہ میں فرمایا: "واما وضع القدمین فقد ذکر القدوری انه فربضة فی السجود کذا فی مجمع الانهر معزبا الی التنبیہ واختاره الفقیہ ابو اللیث وصححه فی العیون کما فی البحر۔"

ابوداؤد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: رصوا صفوفکم وفاروا بینہما وبعادوا بالاعتاق۔ "گھٹنی کرو اپنی صفوں کو کہ باہم دو شخصوں میں فاصلہ نہ رہے اور صفیں نزدیک نزدیک باہم نہ ہو کہ دونوں میں حاجت سے زیادہ فاصلہ نہ ہو اور محاذات میں رکھو گروں کو۔"

ابوداؤد و ترمذی حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے مروی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”رصدوا الصفوف وحاذوا بین المناكب وسدوا الخلل۔“

محض انگوٹھاں چانایا انگلیوں کو حرکت دینا مفید نہیں، مگر وہ ہے۔

فتاویٰ اسعدیہ سیدنا اسعد الدہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے: ”(سوال) رجل هو فی الصلوٰۃ بصلی

و یرفع احدی رجله وتارة یرفع اصابع رجله هل يجوز الافداء به ام لا فتونا؟ (جواب) اذا رفع رجله

ثلاث مرات متتابعات ففسد صلاته وصلاة القوم والا فلا واما حركة الاصابع مع اثبات الرجل فلا تفسد

به الصلوٰۃ واما الكراهة فظاهرة والحالة هذه ام۔“ غیر مقلدوں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، فرض سر پر رہتا ہے۔ وفد فصلہ

محدد الحائنة الحاضرة فی ”النہی الاكيد عن الصلوٰۃ وراء عدی النفلید۔“ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ اشہر بریلی محلہ خوجہ قطب مرسل فخر الدین محسن مداری دروازہ ۲۵ جمادی الاول ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں جہاں امام نماز کھڑا ہو کر پڑھتا ہے اگر وہ پانچ انگلی بلند ہو تو

نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ اور اگر اس پر نماز جائز نہیں تو اس کے نیچے کھڑا ہو اور اس پر سجدہ کرے تو کچھ قباحت ہے یا نہیں؟ اور

دلہیز کا کیا حکم ہے؟ آیا دلہیز کا حکم محراب کا ہے یا نہیں؟ جیسا تو جرد۔

### الجواب

یہ صورت مکروہ ہے۔ لمشاہیۃ البہود فانہم یجعلون لامامہم دکانا والاصح ان لا تغدیر بل کلمنا

بفع بہ الامتیاز بکرہ کما فی الدر۔

اور اگر اسے دور کریں تو امام اگر در میں کھڑا ہو تو یہ بھی مکروہ ہے۔ بقول امامنا رضی اللہ عنہ انی اکثرہ للامام

ان بقوم بین الصارینین کما فی المعراج۔

اور اگر محن میں کھڑا ہو کر بلندی پر سجدہ کرے تو سخت مکروہ ہے یہاں تک کہ اگر باشت بھر ہو تو نماز ہی نہ ہوگی کما

فی الدر المختار وغیرہ۔

محن میں صفوں کے لئے زیادہ وسعت چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ در کی کرسی بقدر سجدہ کھود کر طاق کے مثل

بنائیں اور اتنا کھڑے محن سے ہموار کریں۔ امام محن میں کھڑا ہو کر اس طاق پر سجدہ کرے، اب کوئی کراہت نہیں اور دلہیز میں

کھڑا ہو کر نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدہ الدعرب احمد رضا التاویزی عفی عنہ محمد المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

الجواب: پانچ انگلی بلند ہو تو کچھ حرج نہیں۔ اس لئے کہ کراہت جب ہے کہ امام انکیلا دکان پر کھڑا ہو اور دکان کی

مقدار ارتفاع میں مختلف اقوال ہیں جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ”ثم قدر الارتفاع فامة لا بأس بما دونها

ذکرہ الطحاوی وقیل انه مقدر بما بفع بہ الامتیاز وقیل بمقدار الذراع اعتبارا بالسنفرة وعلیہ الاعتماد

کذا فی التبيين وفي غابة البيان هو الصحيح كذا فی البحر الرائق انتهى۔“  
 بلندی کا اندازہ دے رہا ہے۔ اس سے کم میں کچھ حرج نہیں۔ امام حمادی نے یوں کہا کہ جس انداز سے امتیاز ہو (اس قول کو عجیب نے نقل کیا)۔ بعض یہ فرماتے ہیں کہ تین گز شرعی مقدار ہے جیسا کہ سترہ۔ یہی معتبر ہے اور اس آخر قول پر اعتماد ہے۔ یہ تبیین میں ہے اور غایۃ البیان میں ہے کہ یہ صحیح ہے۔ کذا فی البحر الرائق۔  
 اسی میں اور درمختار میں ہے: ”اذا نعارض امامان معتبران غیر احدهما بالصحيح والآخر بالاصح فالأخذ بالصحيح أولى“ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبد محمد الرحیم سنی حنفی چشتی دمشقی عفا اللہ عنہ بجاۃ فیہ صلی اللہ علیہ وسلم۔  
 جواب ثانی: جواب سید مولوی ابراہیم رشیدی محض غلط ہے اور دعویٰ محض بے دلیل اور عوام کے دھوکہ دہی کے لئے۔ جو ”اس لئے الخ“ لکھا بھی، سو دعویٰ سے محض بے لگاؤ ہے۔ قنادی عالمگیریہ سے مقدار ارتقاع قائمہ اور ذراع جو لکھا ہے یہ دونوں بہت مختلف ظاہر الروایۃ غیر معتبر ہیں۔ ظاہر الروایۃ (جس پر عمل دانا متعین اور اس کے خلاف پر فتویٰ دینا جہل و خرق اجماع ہے) وہی ہے جو حضرت عجیب اول متع اللہ المسلمین بطول بغاثہ نے اختیار فرمائی ہے۔  
 ردالمحتار میں ہے: ”قوله وفيه ما يرفع به الامتياز هو ظاهر الرواية كما في البدائع۔ القول هكذا في المطحطارات والبحر الرائق۔“

ظہادی میں ہے: ”و الرواية قد اختلفت في المقدار والاخذ بظاهر الرواية أولى۔“  
 بحر الرائق میں ہے: ”فالحاصل ان التصحيح قد اختلفت فالأولى العمل بظاهر الرواية واحلاف الحديث۔“

اسی میں ہے: ”الفتوى اذا اختلف كان الترجيح بظاهر الرواية۔“  
 بلکہ اس میں صاف تصریح فرمادی کہ ایسے موقع پر ظاہر الروایۃ کو ڈھونڈنا، اس کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔ ”اذا اختلف التصحيح وجب الفحص عن الظاهر الرواية والرجوع اليها بلکہ أطلع الوسائل في علامہ طوسی فرماتے ہیں: ”المقلد لا يجوز له ان يحكم الا بما هو ظاهر الرواية۔“  
 شرح عقود بلکہ باوجود وضوح و ثبوت اس کے آپ جیسے تہذیب کے لئے علمائے تفریح فرمادی کہ جب کبھی فتویٰ لکھتے بیٹھتا تو ظاہر الروایۃ پر عمل کرنا۔ کیونکہ اس کے خلاف پرافتخار جہالت و نادانی و خرق اجماع ہے۔  
 بحر الرائق میں ہے: ”ما عرج عن ظاهر الرواية فهو مرفوع عنه۔“

ردمختار میں فرمایا: ”وان الحكم والغنى بالقول المرفوع جہل و خرق للاجماع فثبت ان الحكم والغنى على ما عرج عن ظاهر الرواية جہل و خرق للاجماع ولكن الوهابية قوم لا يعقلون۔“  
 ثانیاً یہ امر مسلم ہے کہ اتباع اس روایت کا کیا جائے گا جس کے موافق روایت ہو۔ اور احادیث ابی داؤد و حاکم

واین حبان وغیرہم کی اس باب میں مطلق ہیں اور ظاہر الروایۃ قدر ممتاز ہے۔ پھر اس سے عدول فقہیت سے دور بلکہ کار جہول ہے۔

رد المحتار میں ہے: "لا ینتفی ان يعدل عن الدراریۃ ای الدلیل اذا وافقها رواية اه۔"  
تائید صحیح اور فتویٰ جب مختلف ہو تو عمل میں اعتبار مسافقت اطلاق متون کا ہوتا ہے اور متون سارے کے سارے ایک زبان کی کہہ رہے ہیں: "بکہ ان بقوم فی مکان اعلیٰ من مقام القوم اذا لم یکن بعض القوم معہ۔" تو اس سے عدول محض جہالت و نادانی ہے۔

رد المحتار میں ہے: "اختلف التصحیح والفقہ فی کما رایت والعمل بما وافق اطلاق المتون الخ اه" بلکہ بہت علمائے خلاف اطلاق بعض ترجیحات واقفا کو بھی نہ مانا۔

رد المحتار باب فی البیہر میں ہے: "محالف لاطلاق المتون قاطبۃ فلا یعبر بہ وان التی بہ ایضا کذا فی المحيط هو الصحیح و اخرہ البحر والمنح و تبعہ التنبیر والدر لکن لا یعول علیہ لخالفہ اطلاق المتون الخ۔"  
راہ بحر الرائق میں ثابت کہ مخالف ظاہر الروایۃ کا مروج عہد ہوتا ہے اور وہ مجتہد کا قول نہیں رہتا کما فی الرد عن البحر ان ما خرج عن ظاہر الروایۃ فهو مرجوع عنہ وان المرجوع عنہ لیس قولاً لہ۔

پھر باوجود ایماء حقیقت امام کے خلاف فتویٰ دینا سواء مستثنیات خاصہ مصرحہ فتح و شامی وغیرہما کے، خلاف ویانت و عقل ہے۔ کما صرح فی التوضیح ان ما رجع عنہ المجتہد لا يجوز الاخذ بہ۔

خامس آپ کا فرمایا اذ تعارض اسماء الخ۔ محرم صاحب! اولاً تو یہ مسئلہ ہی اختلافی ہے۔ جس وقت ہمارے آپ سند لائے اس میں ہی مرقوم ہے: "وقال شیخنا الرملی فی فتاویہ وبعض الملقظ اکد من بعض (الی ان قال) والاصح اکد من الصحیح۔"

رد المحتار میں ہے: "قوله اکد من بعض ای اقویٰ فتقدم علی غیرہا۔" یعنی علامہ خیر الدین رٹلی نے اپنے فتاویٰ خیر النفع البرہیہ میں فرمایا کہ علامات افتاء کے بعض الفاظ بعض سے اقویٰ ہوتے ہیں جیسے اصح کا اقویٰ ہے صحیح سے تو صحیح پر مقدم کیا جائے گا۔"

شرح فتاویٰ میں علامہ شامی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں: "وکذا لو صرح فی احدهما بالاصح ونفی الاخریٰ بالصحیح فان الاولیٰ اکد من الصحیح اه قد ینتہی معنی الاکد من الطحاوی۔"

سادسا تو راہ توارشاد ہو کہ یہاں صحیح اور اصح میں اختلاف کہاں؟ بلکہ اسی روایت کو بعض علماء نے اوپر لکھا کما فی الدر۔ تحقق علی الاطلاق انہم نے فتح القدیر میں وجہ فرمایا، فانہم۔ صاحب یہاں تو ظاہر الروایۃ اور غیر ظاہر الروایۃ میں اختلاف ہے۔ جہاں ظاہر الروایۃ ہی پر افتاء متعین جسے آپ نے پس پشت ڈال کر یا اپنے پرانے کی نقل بنا کر جہول اہل خرق اجماع کی راہ لی ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم۔

جب آپ اعتقادات میں اہل سنت کیا بلکہ اہل اسلام کے مخالف ہیں۔ اس شخص کے جس کے گلے میں علماء عرب و عجم نے تحفہ کی طوق ڈالی ہو، مرید مستفید تو پھر آپ کو ان مسائل میں جو بھیہ ہیں، جو مابین ہمارے علماء کے مختلف فیہ ہو، قیل و قال کی کس سنگھٹ نہ راہ بتائی؟ اگر اپنے زعم میں فقیہ ہو، کچھ تحریر کرنا چاہتے ہو، تو چشم مارو سن دلی ما شاہد کلہ پڑھو، علماء حرمین تختہ میں کے موافق اپنے عقاید بناؤ، تب ان باتوں میں پڑنا ورنہ ایسی ہی خرافات پر جھڑپو۔ ان اختلافی فرعیات میں بحث کرنا تو احق نمبر آتا ہے۔ جیسے کوئی قادیانی یا ہندو کسی سنی حنفی سے منظر ہواد رکے کہ آئین یا کبیر کہنا چاہئے یا بالاختیار؟ تو براہی عقل والا بھی کہے گا کہ ارے اومغرے! پہلے اسلام لا، بنی بن، پھر ان باتوں میں منہ کھولنا۔ اللہ تعالیٰ اصدق الصادقین کی تکذیب کریں، حضور اقدس افضل الناس و اعلم الناس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کریں، اہلبیت لعین کے علم کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ بتائیں اور تہمیت میں خامہ فرسائی کریں؟ اپنے کو پانچویں سواروں میں بتلائیں؟ رع شرم بادت از خدا و از رسول۔

ایسے جاہل مطلق جو آداب مفتی سے محض جاہل اور اس پر طرہ تحریر کا حقوق کرے، تو اس سے فتاویٰ عالمگیری، اذا تعارض امامان، بدر المختار، حررہ العبد محمد ابراہیم سنی حنفی جہشتی رشیدی، لکھنے کی کیا شکایت؟ ان سب میں الف تو ختم ہوا ہی قلام تو میری کبیر تھا مگر حافظ جی اسے بھی چٹ کر بیٹھ۔ باہم جواب اول صحیح ہے اور تحریر ثانی غلط صریح، جہل فوج ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلہ اتم واکتم۔

کتبہ عبدہ العاصی الفقیر ظفر الدین احمد عثمانی عہدہ محمد المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

☆☆☆☆☆

مسلمہ مسلمہ حافظہ بی بخش صاحب محصل چندہ مدرسہ اشاعت العلوم بریلی ۱۲۳۳ھ  
کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص بعد تیسرا وائی کے جماعت میں شریک ہوا اور امام نے قراءت شروع کر دی تو اس شخص کو بھان (ٹٹا) پڑھنا چاہئے یا نہیں اور اگر پڑھے تو کس وقت پڑھے؟ مبتدا و تو جردا۔

## الجواب

صلوۃ جہزیہ میں جب امام نے قراءت شروع کر دی تو مقتدی ثنائہ پڑھے بلکہ چپکا سنے۔ لان الاشیغال بہ یفوت علیہ الاستماع والاتصاف وکلاهما فرض والتثانی سقۃ فترک السنۃ هو المنعین دون ترک الغرض۔  
منہ میں ہے: "اذا ادرك الامام وهو يحجّر يستمع وينصت" جب امام کو قراءت جہزیہ کرتا ہوا پالے تو چپکا سنتا رہے۔

فتیہ میں ہے: "لا یسانی بہ مطلقا لاطلاق النص" یعنی جب امام کو فاتحہ پڑھتا ہوا پائے تو مطلقا ثنائہ پڑھے  
یہ مطلق ہوئے نص کے۔ "وإذا قرأ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا" (الاعراف: ۶۰) "اور جب قرآن پڑھا

جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔ (کنز الایمان)۔

حلیہ میں امام شمس الدین طحاوی سے ہے: ”لا یاتی بالثناء فیما اذا ادركه فی حالة القيام فی الركعة الاولى“ ”تھانہ پڑھے جبکہ امام کو پہلی رکعت کے قیام میں پڑھتے پائے۔“

خواتین میں ہے: ”المسبونی اذا ادرك الامام فی القراءة التي یجهر بها لا یاتی بالثناء وقد مر۔“

تاویلی عالمگیریہ میں ہے: ”اذا ادرك الامام فی القراءة التي یجهر بها لا یاتی بالثناء کذا“

فی التبيين هو الصحيح کذا فی النحتیس وهو الاصح هلکذا فی الوجیز للککری۔“ واللہ تعالیٰ اعلم وعلہ انہ واحکم

☆☆☆☆☆

مسلمہ سلسلہ حافظہ عبدالحکیم صاحب مقام اکملہ رسول پور میرٹھ ۱۳۲۳ھ

چمکی فرما ید علمائے دین و دینوں کی شکوک لا حق و مسائل مسئلہ امامہم اللہ تعالیٰ فی افام الدین و البیہرۃ غیر متقدمین و پایہ سفر و حشر میں مدام نماز و دو وقت میں ملا کر پڑھتے ہیں یعنی نماز ظہر دو بجے پر بھی تو اس کے ساتھ ہی نماز عصر پڑھتے ہیں و علیٰ ہذا مغرب کے ساتھ ہی عشاء پڑھتے ہیں۔ آیا یہ کیسا ہے اور بخیر خدا نے عذرا یا بلا عذر، اول اسلام یا آخر عمر میں ایک بار یا ہمیشہ یہ عمل رکھا؟

## الف باب

ظہر بن عرفہ و عثمان بن حذوفہ کے سوا دو نمازوں کا قصد ایک وقت میں جمع کرنا سغراً عجزاً ہرگز کسی طرح جائز نہیں۔ قرآن عظیم اور احادیث صحاح حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ممانعت پر شاہد عدل ہیں۔ اور یہی مذہب صحابہ کرام سے حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ و حضرت سعد بن ابی وقاص و حضرت عبد اللہ بن مسعود و حضرت عبد اللہ بن عمر فاروق و حضرت سیدتنا ام المومنین صدیقہ بنت الصديق رضی اللہ عنہم اجماعاً اور تابعین سے خلیفہ راشد عمر بن عبد العزیز و امام سالم بن عبد اللہ بن عمرو و عاتقہ بنت قیس و اسود بن یزید و حسن بصری و ابن سیرین و امیر ایمم بخاری و امام کبیر ابو جابر بن زید و عمرو بن دینار و ہما بن ابی سلمیٰ و امام اجل سراج الملایہ والدین ابی اسحاق الاعظم البیہرۃ اور یہی مذہب قاضی ابو یوسف و امام ابی عبد اللہ محمد شیبانی و امام زفر و امام حسن بن زبیر و غیر ہم تبع تابعین و ابن زبیر رحمۃ اللہ علیہم اجماعاً ہے۔ ان لوگوں کا نماز ظہر وہ بجے پڑھنا اور اس کے ساتھ ہی نماز عصر ملا دینا، کسی طرح جائز نہیں۔ اور اس صورت میں نماز عصر ضائع و تائید نہ ہو جائے گی۔ جیسے کہ کئی آدمی رات سے صبح کی نماز پہروں چڑھتے سے ظہر پڑھ رکھے، قطعاً نہ ہوگی۔ یونہی ظہر کے وقت عصر یا مغرب کے وقت عشاء بنالینے سے بھی نہ ہوتا واجب۔ احادیث میں کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے جمع متقبل، اس میں صراحۃً جمع ضروری (یعنی واقع میں ہر نماز اپنے وقت میں واقع ہو مگر ادراشل جائیں جیسے ظہر آخر وقت میں پڑھیں کہ اس کے ختم پر وقت عصر آ گیا، اب ظہر آخر وقت عصر اول وقت میں پڑھ لی تو دووں نمازیں اپنے اپنے وقت

میں ہوئیں اور نفل اور صورت مل گئیں تو ایسا ملانا بعد از مرض و ضرورت سفر بلاشبہ جائز ہے۔ مذکور یا مجمل و مختل جو ای صورت مختل پر مجمل۔ یا بچلہ جمع بین الصلاتین یعنی دو نمازیں ملا کر پڑھنا، دو قسم ہے۔ صوری و محتوی۔ اور ثانی بھی دو صورت پر مشتمل۔ جمع تقدیم کہ وقت کی نماز مثلاً ظہر یا مغرب پڑھ کر اس کے ساتھ ہی فصل یا بچلے وقت کی نماز عصر یا عشاء مختل پڑھ لیں۔ اور جمع تاخیر کہ پہلی نماز مثلاً ظہر یا مغرب کو یا نصف قدرت و اختیار قصد اٹھا رکھیں کہ جب اس کا وقت نکل جائے تب دوسری نماز کے ساتھ جمع کر کے پڑھیں۔ بچلے صورت بحالت اختیار صرف حجاج کو صرف عصر عرفہ و مغرب مزدلفہ میں جائز ہے۔ اول میں جمع تقدیم و دوم میں جمع تاخیر۔ اور اول یعنی ہر نماز اپنے اپنے وقت پر ہو فقط صورت جمع ہو کہ پہلی اپنے وقت کے آخر اور دوسری اپنے وقت کے اول میں ہو یہ بلاشبہ جائز ہے اور اب بھی مرض و سفر میں اس کی اجازت ہے۔

رد المحتار میں ہے: "للمسافر والمريض تأخير المغرب للجمع بينهما وبين العشاء فعلا كما في الحلیة وغيره ان تصلی فی آخر وقتها وبعشاء فی أول وقتها اه وحکذا تأخیر الظہر الی العصر بل هو اولی كما صرح به فی البحر الرائق۔"

کتاب الحج میں ہے: "قال ابو حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ الجمع بین الصلاتین فی السفر فی الظہر فی العصر والمغرب والعشاء سواء یؤخر الظہر الی آخر وقتها ثم یصلی ویعجل العصر فی أول وقتها فیصلی فی أول وقتها وكذلك المغرب والعشاء ویؤخر المغرب الی آخر وقتها فیصلی قبل ان تغیب الشمس وذلك آخر وقتها ویصلی العشاء فی أول وقتها حين تغیب الشمس فهذا الجمع بينهما۔" وقد فصل هذه المسئلة عالم اهل السنة مجدد المائة الحاضرة فی کتاب مستقل سماها "حاجز البحرین الوافی عن الجمع بین الصلواتین" فمن اراد الاطلاع علی ما فیها من القوائد فلیطالعها والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ دومضج کبر یا ضلع بیل بحیث مرسلہ فضل حسین ۲۵ شعبان ۱۳۲۳ھ  
کیا فرماتے ہیں علمائے دین محمدی اس مسئلہ میں کہ ایک جگہ نماز جمعہ میں ہمیشہ امام اپنے برابر ایک صف جماعت کھڑی کرتا ہے۔ اور باوجود ہونے جگہ کے مسجد میں ہمیشہ برابر امام کے دونوں جانب یعنی دائیں یا بائیں صف کھڑا کرتا ہے۔ اور وہ اس کو صف اول کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔ یہ نماز ادا ہوئی یا نہیں اور اگر ہوئی تو کس طرح ہوئی؟ بیڑا تو بڑھا۔ رقمہ فضل حسین زمیندار۔

## الجواب

صورت مسئلہ میں نماز مکروہ تحریمی، واجب الاعادة ہے۔ کیونکہ مقتدی جب دو سے زیادہ دنوں تو امام کے آگے پڑھنا واجب ہے اور ترک واجب مکروہ تحریمی۔ اور جو نماز کہ کراہہ تحریمی کے ساتھ ادا کی جائے، اس کا لوٹنا واجب ہے۔ رد المحتار میں ہے: "وکذا کلی صلوة ادیت مع کراهة التحريم تجب اعادةها۔ اسی میں ہے: (



و سواند) بصف (خلقہ) قلو توسط اثین کرہ تنزیہا و تجربہا او اکثر و صرح بہ الہدایہ و الکافی و مبدایہ و التبین و الفتح و مجمع الانہرو المستخلص و ابوی السعود "یعنی نمازیں اس طرح پڑھیں ہیں، سب ہیرائی جائیں اور اس کے بدلے چار رکعت ظہر ادا کی جائے۔ والمسئلۃ فی الدر المختار و رد المحتار و غیر ہما من معتمدات الاستفسار۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مسئلہ حافظ نبی بخش سرائے خادم بریلی تاریخ الثانی از تلمیذ شائع ہوا پور ۱۳۴۳ھ  
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ اگر امام نے دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا، باقی دو رکعتوں میں مقتدیوں کو سورہ فاتحہ کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی آخر کی دو رکعتوں میں پڑھے، درمیان شرع شریف کے اور مذہب امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ہوگی یا نہیں؟ اور اگر امام مسافر کے پیچھے کوئی شخص التیات میں شریک ہو تو وہ اپنی نماز کس طرح ادا کرے؟ بیذا تو جروا۔

### الجواب

صورت مستفسرہ میں موافق مذہب اصح، باقی دو رکعتوں میں فاتحہ نہ پڑھیں۔ صرف اتنی دیر خاموش کھڑے رہیں اور کسی نے پڑھی تو نماز ہو جائے گی، نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ بعض کا یہی مذہب ہے اگرچہ ضعیف ہے۔  
مفتی الابکر میں ہے: "وافتناء المقیم یہ (ای المسافر) صحیح فیہما و یقصر ہو و ینم المقیم بلا قراءۃ فی الاصح۔" مقیم کی اقتداء مسافر کے لئے وقت، غیر وقت دونوں میں صحیح ہیں۔ مسافر قصر کرے اور مقیم بلا قراءت اپنی نماز تمام کرے۔

تویر الایصار میں ہے: "وصح افتناء المقیم بمسافر فی الوقت و یعدہ فاذا قام (المقیم) الی الانعام لا یقرء فی الاصح۔"

فقہ شریعہ میں ہے: "ولو افتدئ المقیم بالمسافر صح سواء کان فی الوقت او خارجہ لعدم المانع فاذا صلی المسافر رکعتین مسلم و یقوم المقیم قیتم صلاتہ بغير قراءۃ فی الاصح وقیل ینم بقراءۃ لانه منفرد۔"  
فنادی عالمگیری میں ہے: "وان صلی المسافر بالمقیمین رکعتین سلم و اتم المقیمون صلاتہم کذا فی الہدایہ و صاروا مستفردین المسبوق الا تمہ لا یقرؤن فی الاصح حکذا فی الصغیری والنیین والبحر و علا مسکین۔"

اور اگر امام مسافر کے پیچھے التیات میں شریک ہو تو بعد سلام امام مثل سائر مسبوقین لاحق اپنی نماز ادا کرے۔ یعنی بعد سلام امام کھڑا ہو کر دو رکعتیں بلا قراءت بقدر فاتحہ شخص سکوت کے ساتھ ادا کرے اور ان پر قعدہ کرے کہ دو رکعتیں مع قراءت پڑھے، جن میں تیسری کو سبحانک اللہم سے شروع کرے اور اگر عکس کیا یعنی بعد سلام امام پہلی دو رکعت بلا قراءت

ت ادا کی پھر دو بسکوت تو مذہب مفتی بہ پر نماز ہو جائے گی مگر گناہ گار ہوگا۔

رد المحتار میں ہے: "اللاحق من فائنه الركعات كلها او بعضها لكن بعد افتدائه كمفيم انهم بمسافر وحكمه كمؤنم فلا باني بفراءة ولا سهو وبیده بقضاء ما فانه عكس المسبوف ثم ما سبق به بها ان كان مسبوقا ايضا ولو عكس صح وانك لترك الترتيب۔"

رد المحتار میں ہے: "فوله ما سبق به بها ثم صلى اللاحق ما سبق به بفراءة ان كان مسبوقا ايضا بان افتدئ في اثناء صلاة الامام ثم نام مثلاً وهذا بيان للقسام الرابع وهذا المسبوف اللاحق وحكمه ان بصلى اذا استيفظ مثلاً ما نام فيه ثم يقضى ما فانه فلو عكس بان يبتدء بما سبق بما نام صح وانهم اه ملقطاً" ( الدر المختار ملخصاً على هامش رد المحتار ج ص ۵۹۴ الى ۵۹۶ ) واللہ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ گورکھ پور متصل جامع مسجد سرسہ مولوی عبدالقیوم صاحب ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ ایک شخص بھرا ہے اہر کر یہ بہ الصوت اور دوسرا شخص بھرا نہیں یعنی حواس شہ اس کے کچ ہیں اور نہ کر یہ بہ الصوت ہے بلکہ اس دوسرے شخص کی قراءت و تجوید بہ نسبت بہرے کے بہتر ہے تو بحالت مساوی علم ہوئے کے ان دونوں آدمیوں میں شرعاً مرغ دلائل امامت کون ہو سکتا ہے؟ بینوا بالبراہین والکتاب فوجروا یوم الحساب۔

## الجواب

اگر اور باتوں میں وہ مساوی ہوں تو شخص ثانی اتق بالامامة ہے۔

ہندیہ میں ہے: کمل من كان اكمل فیه افضل لان المفسود كثرة الجماعة ووفية الناس فيه اكثر هكذا في النبيين۔ بالجملة غرض شائع کی تکثیر جماعت ہے تو چاہئے کہ احسن الصوت، کر یہ الصوت پر مقدم کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح اور ایک وجہ فضیلت اسے اس پر یہ ہے کہ اگر امام سے غلطی واقع ہو اور مقتدی اس کی اصلاح کرنے پر بہرے کو سنا متفطن ہوگا مگر اور امور اہم مثل صحت عقیدہ وغیرہ میں مساوات کے بعد اسے دیکھیں گے، کما اشار الیہ المحب سلمہ اللہ تعالیٰ واللہ تعالیٰ اعلم۔ فقیر احمد رضا قادری غفرلہ

☆☆☆☆☆

مسئلہ از موضع ..... ڈاکخانہ کرتھ، منٹل گیا۔ ۲۱ روال ۱۳۳۱ھ

جناب مولانا! جواب سوالات ذیل پہ سند صحیح کتاب معتبر حنفی مذہب قول مفتی بہ آگاہ فرمائیے۔

(۱) امامت ولد الحرام کردہ تحریمی ہے یا تخریمی؟ نماز اس کے پیچھے پڑھنا جائز اور امامت صحیح یا غیر صحیح؟

(۲) صحیح السننوں میں ولہ الحرام افقہ ہے، امامت کے لئے کون افضل ہوگا؟

(۳) امام نے ارکان نماز فراموش، واجبات وغیرہ بلا مقدمات مقام پر ادا کیا۔ جماعت میں مقتدی دوسم کے ہیں۔ بعض اس کی امامت سے رضامند اور بعض ناخوش رہے زار۔ ان میں سے کتنے طبقے کی نماز صحیح ہوگی، امام کی نماز کی کیا حالت ہوگی بوجہ بیزارگی قوم؟

(۴) حدیث ابو داؤد "و لا یقبل اللہ صلوة من تقدم فوما وهم له کارهون" کا کیا مطلب ہے؟ یہ حدیث صحیحین میں ہے یا نہیں؟ محل تو ارد حدیث، اصول جارج و پرتال حدیث سے جس میں درآ مد بھی داخل ہے، کیا حکم رکھتی ہے؟ قسم و مدار حج حدیث قوی و ضعیف عمل درآ مد علانیہ حنفی المذہب کا اس پر اعادہ امامت، روایت و رجال حدیث کے کل نقد و مخطوط ہیں یا بعض بخروج و غیور؟ یہ حدیث تہدید آیا حکما امام کے حق میں ہے یا اور؟ اور "من تقدم فوما" سے کیا مطلب؟ آیا امام نماز مراد ہے یا اور؟ اور "کارهون" سے کیا مطلب؟ کسی چیز سے ناخوشی و کراہت؟

### الجواب

(۱) امامت ولد الزنا جائز و صحیح، مکروہہ کراہت تنزیہی ہے۔

حدیث میں ہے: "صلو خلف کل یر وفاجر"

درمقار میں ہے: "وبکره تنزیہا امامه عبد (الی ان قال) وولد الزنا"

منہ الخلق حاشیہ بکر الخاق شامی میں ہے: "قال الرملى: ذکر الحلبي فی شرح منہ العصلی ان کراہة نغدهم الفاسق والمبندع کراہة النحریم واما العبد الاعرابی وولد الزنا والاعمى فالکراہة فیہم دون الکراہة فیہما"

ہدایہ میں ہے: "وبکره نغدهم العبد (الی ان قال) وولد الزنا وان نغدهموا جازاه مخنصر"

مراق الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے: "وکره امامه العبد والاعمى والاعرابی وولد الزنا الحاحل فغط"

(۲) ولد الحرام بواقفہ ہو، اگر وہ محترم میں نہیں، وہی امامت کے لئے افضل ہے۔ کیونکہ کراہت اس کی سبب

ملی ماوی یا ملی اختلاف الاقوال نفرت حقار کی وجہ سے ہے۔

مراق الفلاح میں بعد عبارت مسطور لکھا: "الذى لاعلم عنده لا نفوت فلذا فیه مع ما قبله

بقوله: "الحاحل" اذ لو كان عالما فغیا لا نکره امامنه لان الکراہة للنفاتص"

حاشیہ مخطاویہ میں ہے: "فلو كان عنده علم لا کراہة"

بکر الرائق میں ہے: "وولد الزنا اذا كان افضل السوء فلا كراهة اذا لم يكونا محنفرين بين الناس لعدم الكراهة" فقط۔

(۳) نماز امام و ہر دو قسم کے مقتدیوں کی صحیح ہے۔ البتہ کارہین کی کراہت امام کی کسی خرابی یا مقتدیوں کے احق بالا مامت ہونے کی وجہ سے ہے تو ایسے شخص کو خود امام بننا مکروہ تحریمی ہے اور اگر وہ احق بالا مامت ہے تو اصلاً کراہت نہیں بلکہ ایسے شخص کی امامت سے کراہت کرنا خود ہی مکروہ ہے۔

در مختار میں ہے: "لو لم فو ما وهم کارهون ان الكراهة لفساد فيه او لانهم احق بالامامة منه كره له ذلك نحريما لحدیث ابی داؤد: "لا يقبل الله صلوة من تقدم فوما وهم له کارهون"، وان هو احق لا والكراهة عليهم۔"

(۴) یہ حدیث صحیحین میں حقیقہ کی نظر سے نہیں گذری بلکہ انہیں لفظوں سے سنن ابی داؤد و ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، بعد ضعیف مروی ہے۔ نیز ترمذی شریف میں ابوالامار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان لفظوں سے مروی ہے: "فلان لا تجاوز صلاتهم اذانهم العبد الا بئ حثی يرجع وامراه بانئت وزوجها عليها ساعط وامام فوم وهم له کارهون"۔ یہ امام ترمذی نے فرمایا: "حسن غریب"۔ نیز طبرانی نے محکم کبیر میں حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان لفظوں سے روایت کیا: "انما رجل ام فوما وهم له کارهون لم تجز صلاته"۔

نیز طبرانی شریف میں حضرت جتوہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان لفظوں سے مروی ہے: "من ام فوما وهم له کارهون فان صلاته لا تتجاوز تر فونه"۔

نیز صحیح البوامی پھر کنز العمال میں بروایت ابویسعید، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی: "انه انما فوم برجل فالو ان هذا يؤمننا ونحن له کارهون فقال له لغيره ط۔ انتم فوما وهم لك کارهون"۔

نیز اس حدیث کو تہذیب و عراقی نے حضرت علی ابن ابی طالب اور اسود بن ہلال سے معنی روایت کیا ہے۔ پس حدیث ابوداؤد اگرچہ ضعیف ہے مگر بوجہ تعدد طرق، جبر نقصان ہو کر لا اقل حسن ٹھہرے گی۔ حدیث مذکور اگرچہ بظاہر تحریم و نفی قول نماز پر دال ہے مگر علما سے بعض ظاہر پر حمل کر کے حرمت کی طرف گئے ہیں اور بعض نے تہدید پر حمل کر کے کراہت کا فتویٰ دیا ہے۔ مگر یہ کراہت اسی صورت میں ہے جب کراہت و نفرت کسی امر دینی و سبب شرعی کی وجہ سے ہو اور دنیوی خصوصیت یا انفاست کی وجہ سے کراہت کا اصلاً اعتبار نہیں بلکہ ایسا خیال خود ہی مذموم ہے۔ کما مر عن الدر المختار۔

شرح جامع صغیر میں حدیث ترمذی نقل کر کے لکھا: ”وہم لہ کارہون لمعنی مذموم عنہ شرعا لان لامامة شفاعة ولا يستنفع العید الا من یحبہ۔“ ”نقدم فوما“ سے امام بننا اور نماز پڑھانے کو آگے بڑھنا مرا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از ملک پنجاب ضلع گجراتوالا امرسلیم حیدر صاحب کیم جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ

الحمدلہ و وحدہ و الصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ۔ اما بعد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

جناب کے پاس ایک استثنائے نشان ذیل آیا ہوگا: ”وصلیٰ گجراتوالا تحصیل وزیر آباد موضع پہرو کی ملک پنجاب۔“ وہ میرے واسطے ہی لکھا ہے۔ مجھ کو ہی کہتے ہیں کہ اس کے پیچھے نماز درست نہیں، یہ آئین بالجبر کرتا ہے ورنہ یہ نین کرتا ہے وغیرہ وغیرہ اور ضاد کو مشاہد وال کے نہیں پڑھتا ہے۔ خالصا لیلہ اللہ فصحا لطلق اللہ ٹھیک لکھ دیجئے گا۔ مجھ کو ان لوگوں نے شک کر رکھا ہے۔ میرے پیچھے نماز جنازہ بھی نہیں پڑھتے۔ اگر استثنائیں آیا ہو تو براہِ مہربانی اس کا رد پر لکھ دیجئے گا کہ آیا جو شخص ضاد کو اپنے مخرج سے نکالے اور وہ مشاہد وال نہ پڑھے اور رفع یہ نین اور آئین بالجبر وغیرہ کرے آیا ایسے کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ حزا کہم اللہ تعالیٰ عنا خیر الجزاء علاوہ اور علوم کے علم حدیث مولانا نذیر حسین صاحب سے پڑھی ہے۔ مفصل فتویٰ ہوا میرے حال پر رحم کیجئے گا۔ اظہارِ اعجاز کر دی ہے۔

الحاجز المدعو محمد حیدر علی عفی عنہ۔

## الجواب

الحمد لہلہ و الصلوٰۃ علی اہلبا فالسلام علی من اتبع الهدی۔ ایک استثنائے گجراتوالا سے ضرور آیا ہوا ہے۔ جس کا جواب بوجہ کثرتِ کار و مشاغل، افکار اس وقت تک معرضِ تامل میں رہا۔ آئین بالجبر و رفع یہ نین منکر تقلید سے ضرور آیت بد مذہبی ہے۔ جس کے کرنے والوں کو بسبب انکار تقلید و بکرم عقاید فاسدہ کے ہرگز حق امت مسلمت حاصل نہیں بلکہ اس کے پیچھے نماز ناجائز و گناہ اور اگر پڑھ لی تو واجب الاعادہ کہ مکروہ تحریمی کی کہ ایسا شخص فاسق بالاعتقاد ہے اور امام بنانا تعظیم۔ و قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من وفر صاحب بدعة فقد اعان علی ہدم الاسلام

بلکہ بہتر ہے جو نہ نماز شخص باطل کما حققہ حضرة مجددا المائتہ الحاضرة فی الرسالة المبارکة ”النہی الاکید عن الصلوٰۃ وراء عدی التقلید۔“ نیز مسئلہ ضاد کی تحقیق بھی اعلیٰ حضرت مد ظہم الاقدس نے رسالہ ”الحام الصاد عن سنن الصاد“ میں فرمائی ہے، جس کے مطالعہ سے حق ظاہر ہو جائے گا۔ مولوی نذیر حسین صاحب بھی انہیں غیر مقلدین میں سے تھے۔ اگر آپ ان کے ہم عقیدہ ہیں تو ہرگز آپ کے پیچھے نماز درست نہیں۔ اور اگر آپ کو خاص ان مسائل میں اشتباہ ہے تو کتب فقہیہ کا مطالعہ کیجئے یا بندہ کے پاس تشریف لے آئیے۔ اور باوجود ان تقلید شافیہ کی آؤ

نحر الی غایۃ البوار و تہایۃ الخسلار - واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از ہر مسئلہ ۱۲ شعبان ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ زید مسلمان دیندار اہلسنت و جماعت سے ہے۔ اس کا خویش کہ پہلے اہلسنت سے تھا، بالفعل صحبت مریدان قادیان سے قادیانی ہو گیا۔ حالانکہ مرزا قادیان کو دیکھا بھی نہیں ہے۔ اعتقاد فاسد ہو گیا اور اس کی ترویج یعنی زید مذکور بالا کی و قتر ہونہ دین اہلسنت پر قائم ہے۔ اس واسطے زید مذکور نے اپنے خویش قادیانی سے ملنا اور ہونا ترک کر دیا ہے اور اپنی دختر سے ملتا ہے اور اس کے بچوں نابالغ کو دیتا لیتا ہے۔ اس صورت میں زید مذکور بالا کے پیچھے نماز درست ہوگی یا نہیں؟ بیہوتا بالصواب توجروا یوم الحساب۔

الجواب

قادیانی کہ اپنے لئے رسالت و نبوت کا مدعی اور انبیاء اور خصوصاً عیسیٰ روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کھلی کالیاں دینے والا ہے قطعاً یقیناً جماعت سخت مرد و سخت عدو اللہ، سخت دشمن اسلام ہے۔ اس کا مرید ہونا تو نہایت عظیم آفت ہے۔ جو اس کے کفری عقائد پر مطلع ہو کر اسے مسلمان جانے، وہ ہرگز مسلمان نہیں۔ جو شخص اس کا مرید ہو، اس کی عورت فوراً اس کے نکاح سے نکل جاتی ہے۔ اس کے ساتھ صحبت، زنا سے محض ہوتی ہے۔ خواہ عورت دین اسلام پر قائم رہے یا وہ بھی اسی کے ساتھ ہو جائے۔ ہر طرح زنا سے محض ہے۔

عاصمیریہ میں ہے: "و منها ای من الوجوه الاربعہ ما هو باطل بالانفاق نحو التکاح فلا یحوز لہ ان یتزوج امراء مسلمہ ولا کتابیہ ولا ذمیہ ولا حرۃ ولا مملوکۃ۔"

یہی ایسی صورت میں اگر عورت بھی اسی مذہب پر ہو جائے، جب تو ظاہر کہ باپ پر فرض ہے کہ اسے چھوڑ دے۔ اور اگر عورت دین حق پر قائم بھی رہے تو باپ پر فرض ہے کہ اگر قدرت رکھتا ہو، اسے زنا سے بچائے اور قدرت نہ رکھتا ہو تو عورت کو تنہیم کرے کہ اسے چھوڑ دے۔ ان احکام میں جس کی تعمیل نہ کرے گا، گناہ گار ہوگا۔ پہلی دو صورتوں میں تو صریح فاسق، شدید مرتکب کبیرہ ہے۔ اس کے پیچھے نماز ممنوع و گناہ اور صورت آخرہ میں کرامت سے خالی نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: "وَمَا يُنْسِبُكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَعْتَدُ بِعَدِّ الَّذِي شَرَفَ مِنَ الظَّالِمِينَ"۔ (الانعام: ۶۸) "اور جو کہیں تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔" (کنز الایمان) علی اور صفیری اور کبیری میں ہے: "وفیه اشارۃ الی ان انہم لو قدموا قامسا یا ثمنون علی ان کراہۃ تقدیہ کراہۃ تحریم لعدم اعتقادہ بامور دینہ و تساہلہ فی الاتیان بلوازمہ"۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

☆☆☆☆☆

(سوال دستیاب نہ ہو سکا ۱۲ سائل)

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ وتصلی علیٰ رسولہ الکریم  
(۱) استحقاق امامت کا دعویٰ محض باطل ہے۔ مسجد حق المذہب کی بنائی ہوئی ہے۔ بانی کی اولاد حق حق موجود ہے۔ امام موقن مقرر کرنا، بانی مسجد اور اس کے بعد اس کی اولاد کا حق ہے۔

عائسیری جلد اول ص ۲، فتاویٰ قاضیخان جلد اول ص ۳۳ پر ہے: ”رجل بنی مسجدا وجعله للہ تعالیٰ فهو احب الناس بمرمته وعمارته وبسط البواری والمحصر والفنادیل والاذان والاقامة والامامة ان كان اهلا لذلك فان لم يكن فالرأى في ذلك البه“ (الاشباه والنظائر مع غمز العيون ص ۱۸۵) البانی اولیٰ بنصب الامام والمؤذن وولد البانی وعشيرته اولیٰ من غیرہم

(۲) عام اہل محلہ حق حق ہیں۔ اور خود اہل محلہ میں اگر اختلاف ہو، بعض ایک امام کو چاہیں اور اکثر دوسرے تو، تو اکثر حق کی رائے معتبر ہے۔ اگر چہ بعض قلیل چاہتے ہیں، وہ اس سے قراءت میں فضل ہو۔

عائسیری جلد اول ص ۳۰ پر ہے۔ اذا اختار بعضهم الاقرء واختار بعضهم غیرہ فالعبرة للاكثر كذا في السراج الوهاج۔

(۳) مسجد جامع میں اقامت مسجد اہل محلہ کے لئے ہے اور اس کا امام وخطیب مقرر موجود ہے، دوسرے کو اصلاً اس میں حق نہیں۔ اگر سوال ان کے خطیب پڑھے یا امامت کرے، ہرگز جائز نہیں۔

فتاویٰ عائسیری جلد اول ص ۵۲ رد المحتار میں ہے: ”خطب بلا اذن الامام والامام حاضر لم یجز۔“  
فتاویٰ سراج جلد اول ص ۲۹ میں ہے: ”لو صلی احد بغیر اذن الامام لا نجوز الا اذا افتدی بہ من له ولا یة الجمعة۔“

(۴) غیر مقتدرین اہل سنت سے خارج اور مبتدع ہیں۔  
طحاوی علی الدر المختار جلد ۴ ص ۱۵۳ میں ہے: ”من كان خارجا عن هذه الاربعة فهو من اهل البدعة والنار۔“ اور مبتدع کی امامت مکروہ و ممنوع ہے۔

رد المحتار جلد اول ص ۵۸۵ پر ہے: ”المبتدع نکرہ امامتہ بکل حال۔“  
طحاوی مطبوعہ مصر جلد اول ص ۲۳۴ پر ہے: ”الکراهة فيه تحريمه على ما سبق۔“  
صغیری ص ۲۷۰ پر ہے: ”یکرہ تقديم الفاسق کراهة تحريم وعند مالك لا يجوز تقديمه وهو رواية عن احمد وكذا المبتدع۔“

(۵) امام بنانا، تعظیم و توقیر ہے اور مردین میں مبتدع کی توقیر حرام ہے۔  
مشکوٰۃ شریف ج ۱، بیہقی ص ۳۱ پر ہے: ”عن ابراهيم بن مسرة قال قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه

و سلم من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی هدم الاسلام۔ ”جس نے کسی مبتدع کی توفیر کی اس نے اسلام کو ڈھانے پر مدد دی۔“

(۶) فاسق معلن کی امامت مکروہ و منوع۔ غنیۃ ص ۵۱۳ پر ہے: ”لو قدموا فاسقا بانعمون۔“ اور بد مذہبی ہر فتنے سے بد فتنے ہے۔

غنیۃ ص ۵۱۳ پر ہے: ”بکرہ نقدیم العیندع ایضا لانه فاسق من حیث الاعتقاد وهو اشد من الفسز من حیث العمل۔“

ابوالسحر وحاشیہ کنز جلد اول ص ۲۰۸ پر ہے: ”علل الذی یملی الکراهة فی الفاسق بان فی نقدیمه تعظیمة وفد وحب علینا اهانته شرعا فعماده کون الکراهة تحریمية۔“

سنن ابن ماجہ ص ۴۲ پر ہے: ”عن حباب بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال خطبنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال بابہا الناس (فلذکر الحديث الی ان قال) ولا یوم فاسق مؤمنا الا ان یفہرہ سلطان بحاف سفہ وسوطہ۔“ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبے میں بیان فرمایا: فاسق کسی مسلمان کی امامت نہ کرے۔ مگر یہ کہ اس کو اپنی سلطنت کے زور سے مجبور کرے کہ اسے اس کی تلواریں تازیانے کا ڈرو۔

یہاں غیر مقلدین کی سلطنت نہیں تو وہ جسے نا جائز و باؤ ڈال کر ہماری مسجد میں استحقاق امامت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ (۷) غیر مقلدین کی بدعت لزوم کفر تک پہنچی ہوئی ہے جس کا مفصل بیان مع ثبوت ”کوہ شہابیہ“ میں ہے اور ایسے اہل بدعت کے پیچھے نماز جنس نا جائز ہے۔

فتح القدیر شرح ہدایہ مطبوعہ مکتبہ جلد اول ص ۱۳۶ پر ہے: ”روی محمد عن ابی حنیفہ وابی یوسف ان الصلوۃ خلف اهل الاهواء لا نحوز۔“

شرح فقہ اکبر امام اعظم ابوحنیفہ ص ۵ پر ہے: ”لا نحوز خلف المبتدع۔“  
فوائد الرضوت شرح مسلم الشہوت ص ۵۱۹ پر ہے: ”ان بدعتهم لما اشدت الی ان وصلت فریبا الی الکفر اورئت شبهة فی ایمانهم فمنع من الافتداء بهم وحکم بفساد صلاۃ من افندئ بہم۔“

شرح فقہ اکبر ص ۸ پر ہے: ”خبر منهم بطلان الصلاۃ خلفهم احتیاطا۔“  
(۸) حدیث نماز اہل نجران اگر صحیح و ثابت ہو تو وہ کافر مستان تھے، اما ان کے کہ حاضر ہوئے تھے اور ایسے کفار سے تعرض منع ہے۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مسجد میں نماز سے نہ روکے دیا، حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روکنا چاہا تھا۔

مہاب لدینہ وشرح مواہب زرقانی مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۷۴ پر ہے: ”و فاسوا بصلون فیہ فساد الناس منعہم) لما فیہ من اظہار بدعتہم الباطل بحضرة المصطفى صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفی مسجده



(عبدال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعوتہم) نالینقا لہم ورجاء اسلامہم ولدخلوہم بامان فافرحہم علی کفرہم ومنع من تعرض لہم فلیس فیہ اقرار علی الباطل۔

امان لے کر آنے والے کفار پر مدعیان اسلام کا قیاس نہیں ہو سکتا۔ جن معطوفی صلی اللہ علیہ وسلم سے متماثل کفار کے لئے یہ منقول ہے، انہیں نے مسلمانان تارک قربانی کو مسجد میں آنے سے منع فرمایا۔

ابن ماجہ ص ۵۸ پر ہے: "عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال من کان لہ سعة ولم یضع فلا یفرین مصلانا۔"

انہیں نے کہا کہ اگر آپس میں یا زکھانے والے کو مسجد میں آنے سے منع فرمایا اور بیعت تک نکلا دیا۔

صحیح بخاری شریف مطبع احمدی جلد اول ص ۱۱۸ پر ہے: "عن جابر بن عبد اللہ قال قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من اکل هذه الشجرة یبرد الثوم فلا یغشنا فی مسجدنا۔ عن انس بن مالک قال قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من اکل هذه الشجرة فلا یفرین ولا یصلین معنا۔"

صحیح مسلم جلد اول ص ۲۰۹ پر ہے: "عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال فی غزوة خیبر من اکل من هذه الشجرة یعنی الثوم فلا یبئن المساجد۔"

البیاض ص ۲۰۱ پر ہے: "ان عمر ابن الخطاب یخطب یوم الجمعة فذکر انکم ابہا الناس ناکلون شجرتین لا اراہما الا عجبینین هذا البصل والثوم ولقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا وجد ریحہما من الرجل فی المسجد امر بہ فاعرج الی البقیع۔"

کلمہ گو منافقین جمع کے مجمع میں ایک ایک کا نام لے کر مسجد سے نکال دیتے تھے۔

عمدة القاری شرح بخاری مطبوعہ قسطنطنیہ جلد ۳ ص ۲۲۱ پر ہے: "عن ابن عباس قال خطب رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم الجمعة فقال اخرج با فلان فانک منافق واخرج با فلان فانک منافق۔"

غیر متقدمین اگر حدیث بخاری سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو پہلے اپنی کلمہ گوئی سے انکار کریں اور یہ بھی کافی نہیں بلکہ اپنے کافر اصلی ہونے کا ثبوت دیں۔ پھر سلطنت اسلام میں امان لے کر جائیں۔ سلطان اگر مناسب جانے لگا تو انہیں بھی کفار بخاری کی طرح چند روز امان دے گا اور اتنے دنوں اپنی مسجدوں میں نماز سے نہ روکے گا۔

(۹) غیر متقدمین کے نزدیک اگر وقت کا اشتقاق ایسا عام ہے تو کیا وہ نوشتہ دے سکتے ہیں کہ ان کی مسجدوں میں ہندو، نصاریٰ، یہود و مجوس درویش و غیرہم جو فرقہ چاہے جائے اور اپنے طور پر عبادت کرے۔ تا تو سچ پوچھیں، گھنٹے بجائیں، آگ جلا لیں، چلیپا قائم کریں، انہیں کچھ انکار نہ ہوگا۔

(۱۰) انہیں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ صرف کلمہ گو ہونے یا اپنے آپ کو مسلمان کہنے بلکہ مطلقاً مسلمان ہونے سے بھی مسجد میں آنے تک کا حق ثابت نہیں ہوتا۔ جماعت و امامت تو خاص بات ہے کہ آخروہ منافق بھی کلمہ گو تھے، اپنے آپ کو غیر

مقلدین کی طرح مسلمان ہی کہتے۔ اور قربانی نہ کرنے یا مہینہ بپاڑ کھانے والے تو ضرور مسلمان ہیں۔ پھر بھی انہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد میں آنے سے روکا اور نکلوا دیا۔

(۱۱) ہر شخص اپنے فریق کے لئے عبادت خانہ بناتا ہے۔ اور شرع نے مساجد میں انہیں کا حق مقدم رکھا ہے، جن کے لئے بانی نے مسجد بنائی، ولہذا اہل محلہ اپنی حاجت مقدم رکھنے کے لئے غیر اہل محلہ کو مسجد میں نماز سے منع کر سکتے ہیں۔ درمختار ج ۱ ص ۷۷ پر ہے: "لاہل المحلة منع من لبس منهم عن الصلوة فیہ۔"

سنیوں حنفیوں کی بنائی ہوئی مسجدوں میں غیر مقلدین کا دعویٰ سادات حق، جس کی بنا پر عزت کر سکیں، بالکل بے بنیاد ہے۔

(۱۲) سنیوں حنفیوں نے مسجد بنائی اور اس کے نمازی ہیں اور ان ہی کا حق مقدم ہے۔ اور انہیں غیر مقلدین کے آنے سے ایذا پہنچتی ہے۔ ان کے خیالات منتشر ہوتے ہیں، ان کی نماز خراب ہوتی ہے۔ اور غیر مقلدین کی اپنی مسجد موجود ہے اور اس میں ان کی نماز ہو سکتی ہے اور ان کے نزدیک بھی حنفیوں کی مسجد میں پڑھنا، کچھ ان پر فرض، واجب نہیں تو اپنی عبادت اپنے مسجد میں ہو سکتے ہوئے دوسروں کی مساجد پر جدید بقعہ چاہتا اور ان کا دل دکھانا اور ان کے حق مقدم میں دست اندازی کرنا، صریح مداخلت بیجا، آزار رسانی اور صاف بدعتی پڑتی ہے۔

(۱۳) غیر مقلدین، ہمارے ائمہ کو نہ کہتے ہیں اور ان کی توہین کرتے ہیں۔ ہمیں مشرک بتاتے ہیں تو ہماری بنائی مسجدوں پر ان کا قبضہ کرنا، ہماری امانت کرنا، ہماری جماعت میں مل کر اپنی آوازوں اور حرکتوں سے اپنا غیر مقلد اور ہمارے اہموں کا دشمن، ہمارا مخالف ہونا، عین نماز میں جتنا ضرور نا حق ایذا آزار رسانی ہے۔ اور حکم شرع ہماری مسجدوں میں ہمارا حق مقدم ہے۔ اور حدیث دفعہ کا حکم ہے کہ ایذا ارسال کے لئے مسجد میں آنے کا حق نہیں اور یہ کہ مسجد سے نکال دیا جاوے۔

صحیح مسلم جلد اول ص ۲۰۹ پر ہے: "عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من اکل من هذه الشجرة فلا یقرین مسجدنا ولا یوذینا یریح النوم"۔ اس کے اخراج کی حدیث ابھی گزری۔ درمختار ص ۷۷ پر ہے: "بکرم دعول اکل نحو نوم ویمنع وکذا کل مودہ ولو یلسانہ۔" الاشیاء مع غزالین ص ۳۸۱ پر ہے: "بکرم لمن اکل ذابیح کریمہ ویمنع منہ وکذا کل مودہ قیہ ولو یلسانہ۔"

درمختار جلد اول ص ۶۹۱ پر ہے: "قال الامام العینی فی شرحہ علی البخاری: علة الذہبی اذی المملکتہ واذی المسلمین ولا یختص بمسجدہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والحق بالحديث کل من اذی الناس یلسانہ ویہ افشئ ابن عمر وهو اصل فی نفی کل من یبذؤ ینہ اہ مختصراً۔"

(۱۴) مسجدیں اہل سنت حنفیہ بنائیں، وہی اس کے نمازی ہیں اور انہیں کا حق مقدم ہے۔ اور غیر مقلدین کا ان پر قبضہ

ہوتا یقیناً، ان کی نفرت کا موجب ہے۔ اور شرع کا حکم ہے کہ جس شخص کے مسجد میں آنے سے اس کے نمازیوں کو نفرت ہو، وہ مسجد میں جانے کا حق نہیں رکھتا۔ وہ مسجد سے باز رکھا جائے گا۔ اس لئے جذائی و مبروص کو مسجد میں جانے سے منع فرمایا ہے حالانکہ بیماری میں ان کا اپنا کوئی قصور نہیں۔

روایتکار جلد اول ص ۲۹۲ پر ہے: ”بلحق بما قص علیہ فی الحدیث کل مالہ والحقہ کربیحة ما کولوا او غیرہ والقصاب والسکاک والمحدوم والایصرص اولئذ یالاحاف وقال مسجون لا اری الجمعة علیہما۔“ (۶۶۱/۱) مطلب فی القصر فی المسجد

(۱۵) مسجد میں ہر فریق کی جدا ہیں اور ہر ایک اپنی مسجد میں اپنے طور سے عبادت کر سکتا ہے۔ کسی فریق کے نزدیک اپنی مسجد ہوتے ہوئے، دوسرے کی مسجد میں پڑھنے کے لئے شرع کا کوئی حکم نہیں۔ ہم ان کی مسجد پر دعویٰ نہیں کرتے۔ وہ ہماری مسجد پر بالجبر قبضہ چاہتے ہیں۔ اور یہ امر حنفیہ کو ضرور اپنے مذاہب کی رو سے سخت آزار دہ ہے۔ اور غیر مقلدین کی وہ ایذائیں کہ بعض اوپر بیان ہوئیں، علاوہ ہیں۔ یہ امور باعث اشتغال فریقین ہوتے ہیں۔ جس کے سبب ملک میں بکثرت مقدمات ہوتے اور ہوتے رہتے ہیں۔ تو ان میں جو فریق اپنی مسجد ہوتے ہوئے، دوسرے کی مسجد پر قبضہ چاہے، وہ ضرور فتنہ پھیلاتا اور اشتغال طبع دلاتا ہے۔ تو اس کو روکنا شرعاً و قانوناً ہر طرح لازم ہے۔ اگر کوئی مسجد میں کشت و خون کرنے لگے تو یہ ضرور شرعاً و قانوناً داخل مسجد سے باز رکھا جائے گا۔ اور اس وقت صرف اپنے مسلمان ہونے کو اشتقاق و حول کی دستاویز نہیں بن سکتا۔ لیکن ہمارے رب عز و جل نے قرآن عظیم میں فرمایا ہے: ”وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنْ الْقَتْلِ“ (البقرة: ۱۹۱) فتنہ قتل سے بھی سخت تر ہے۔ تو ایک فریق کے دوسرے کی مسجد میں جانے سے جب فتنہ اٹھے، جس کی نظیریں ملک میں بکثرت موجود ہیں۔ تو وہ اس ارادہ قتل والے سے زیادہ مستحق باز رکھے جانے کا ہے۔ اور ہرگز شرعاً و قانوناً اسے ان مسجد میں جانے کا حق حاصل نہیں۔

(۱۶) غیر مقلدین اگر حنفیہ کی مسجدوں میں نہ آئیں تو یہ مساجد ویران نہ ہوں گی کہ ان کے بانی، ان کے نمازی، سنی حنفی، ان کے آباؤ کرنے والے کثیر وافر ہیں۔ لیکن انہیں اگر حنفیہ کی مساجد پر قبضہ دیا جائے تو یہ رعایا و ملک کے بڑے حصے کو بد بخت ضرروں میں سے ایک ضرر ضرور پہنچے گا۔

۱- یا تو وہ اپنی نہ چھوڑیں اور غیر مقلدین کی مداخلت و اقوال و افعال، دل بھنی کے باعث فتنے اٹھیں اور مسجدیں ویران ہو کر چل آباؤ ہوں۔

۲- یا حنفیہ اپنی عزت، اپنی غایت عزیز رکھ کر اپنی مسجدیں چھوڑ بیٹھیں۔ ہر طرح غیر مقلدین کا بقصدان مساجد کی ویرانی کا سبب ہے۔ اور بحکم قرآن عظیم، جس کے آنے سے مسجدیں ویران ہوں، وہی ظالم ہے۔ اس کو مسجد میں آنے کی اجازت نہیں، وہ اس آیت کا منہ مذاق ہے، اللہ سبحانہ فرماتا ہے: ”وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْخِرَ فِيهَا مِنْهُمُ وَنَسُوا فِیْ خُرَابِقِهَا أَنْ يُلَاقُوا لِقَاءَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا مَخَافَتِیْهِ“ (البقرة: ۱۱۴) ”اس سے بڑھ کر ظالم

کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں نام خدا لئے جانے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے؟ انہیں رو انہیں تھا کہ مسجدوں میں جائیں مگر خوف کھاتے۔

(۱۷) شارع عام اور اسی طرح سر راہ افتادہ غیر ملوک زمینوں میں قانوناً تمام رعایا کا حق بلا تفاوت یکساں ہے۔ سڑکیں، راہیں یا وہ زمینیں بنوہی بنائی ہوئی ہیں، نہ مسلمانوں کی، نہ ان میں کوئی ان کا مالک یا کسی وجہ سے زیادہ حقدار ہے۔ یا اس ہمد قانوناً مسلمانوں کو وہاں قربانی کی ممانعت ہے۔ یہ قانون غیر مقلدین کو ہماری مسجدوں میں سے ممانعت کی ایک اعلیٰ نظیر قائم کرتا ہے۔ غیر مقلدین کی نماز اگر ان کا امر مذہبی ہے، تو قربانی کیا ہمارا امر مذہبی نہیں؟ بغرض غلط اگر غیر مقلدین حنفیہ کی مساجد میں آکر قیام نہیں اٹھاتے بلکہ حنفیہ ہی کو اشتعال طبع ہو کر فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ تو مسلمان بھی سڑکوں پر قربانی کرنے میں ہرگز خود لڑائی کی ابتدا نہ کریں گے بلکہ بنوہی کو اشتعال طبع ہو کر فساد ہوگا۔ مسلمانوں کو اگر شارع عام پر قربانی کرنا ضرور نہیں بلکہ اپنے گھروں یا قرار واہ مذبحوں میں ادا کر سکتے ہیں۔ تو غیر مقلدین کو بھی شرعاً حنفیہ کی مساجد ہی میں نماز پڑھنا ضرور نہیں۔ اپنی مسجد میں بلا تکلف پڑھ سکتے ہیں۔ پھر کیا وجہ کہ مسلمان شارع عام سے منع کئے جائیں، جس میں وہ حق مساوی رکھتے ہیں اور غیر مقلدین، حنفیہ کی مساجد سے نہ روکے جائیں، جن میں انہیں ہرگز حق مساوی بھی نہیں۔ بلکہ شارع عام درکنار مسلمان ایسے گھروں، اپنی خاص ملوک زمینوں میں قربانی سے باز رکھے جائیں، بعد وہ مواضع مقرر دیئے جائیں، حالانکہ گھروں میں قربانی بنوہی کے پیش نظر بھی نہ ہوگی۔ ایک قوم کا اشتعال طبع کہ سنی کی بناء پر فرض کر لیا جائے، دوسری قوم کو اپنا امر مذہبی خاص اپنے ملک میں بجالانے سے باز رکھے۔ اور غیر مقلدین کے آنے سے اشتعال طبع کہ خاص نظر کے سامنے اور وہ بھی ان مساجد میں جو حنفیہ کی بنائی ہوئی ہیں اور انہیں کا حق ان میں مقدم ہے، غیر مقلدوں کو ان مساجد سے منع نہ کرے؟ یہ انصاف سے بہت دور ہے۔

(۱۸) ہمارے اور غیر مقلدوں کے مذہب میں بہت اختلاف ہے۔ جس کی رو سے ہمارے مذہب میں ان کی نماز محض باطل و فاسد ہوتی ہے۔ وہ جب اپنے طرز کی نماز میں بھی ہمارے نزدیک خارج ہیں انہوں نے بھی حرکت کر رہے ہیں۔ ازاں قبل غیر مقلدوں نے خون اور مردار اور شراب کو ناپاک نہ جانا۔ جیسا کہ ان کی مذہبی کتاب روشتہ ندیہ کے ص ۱۲ پر ہے۔ تو اگر غیر مقلد کے دامن میں سیر بھر گوشت مردار کا بندھا ہوا اور خون نے ناک سے نکل کر تمام واہمی اور سینے کو رنگ دیا ہو اور سارے چہرے پر شراب کا غماز ملا ہو بلکہ شراب کے شنگے میں غوطہ کھالیا ہو، نماز ہو جائے گی۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ نماز نہیں اور شاید مذکورہ سب ناپاک ہیں۔

عالمگیری جلد اس ۱ پر ہے: ”الخمر والدم والمبنة تحسن نحاسة غلیظة حکذا فی فتاویٰ قاضی عتاد۔“ نیز غیر مقلدوں کا مسئلہ ہے کہ پانی کتنا ہی کم ہو نجاست پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک رنگ یا حرا یا بو نہ بدل جائے۔ یہ مسئلہ بھی ان کی کتاب طریقہ محمدیہ ترجمہ درر بیہرہ مطبع فاروقی وحلی کے ص ۹۶ اور انہی کی دوسری کتاب فتح المعیض مطبع صدیقی لاہور کے ص ۵ پر موجود ہے۔ تو خون تو بڑی چیز ہے۔ اگر پاؤں بھریانی میں دو چار ماشے اپٹایا کتے کا

پیشاب پڑ جائے، غیر مقلدوں کے نزدیک پاک رہے گا اور اس سے وضو نماز صحیح ہے۔ لیکن ہمارے مذہب میں اگر کسی عظیم الشان کنویں میں بھی ایک بو بخور جاست پڑ جائے، سارا پانی ناپاک ہو جائے گا۔

عالمگیری ص ۸ جلد ۱ پر ہے: "قارۃ نفستحت فی الحب ثم صب قطرة من ذلك الماء فی البئر بنوح جميعا کذا فی خزائن المفتین"۔

نیز اسی فتح المغنیٹ کے ص ۶ پر ہے: "کافی ہے مسح کرنا چوڑی پر، لیکن ہمارے مذہب میں چوڑی کا دھونا بھی کافی نہیں، سر کا مسح فرض ہے کہ قرآن عظیم میں فرمایا "وَأَسْبَحُوا بِرُؤُوسِكُمْ" (العائدہ: ۶) "اور سروں کا مسح کرو" (کنز الایمان) اسی طرح بہت مسائل ہیں۔ تو اختلاف مذہب کی حالت میں انہیں کیونکر ہماری امامت کا استحقاق ہو سکتا ہے؟ بلکہ ایسی حالت میں اگر وہ ہماری صف میں کہیں آ کر شامل ہوں تو ہمارے مذہب میں اصلاً جائز نہیں۔ کہ جب وہ نماز سے خارج ہیں تو یہ ایسا ہوا کہ نماز کی صف بندی میں اور صحیح میں ایک شخص بے نیت نماز حاکم ہے۔ یہ قطع ہوا جو حرام ہے۔

سنن نمائی ص ۱۳ پر ہے: "عن عبد الله بن عمر ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال من وصل صفا وصله الله ومن قطع صفا قطعه الله۔"

"یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو صف کو وصل کرے، اللہ تعالیٰ اسے صلہ عطا فرمائے اور جو صف کو قطع کرے، اللہ تعالیٰ اسے قطع کر دے۔"

تو غیر مقلدین کا نہیں ان کے پیچھے نماز پڑھنے یا اپنی نماز میں انہیں شریک کرنے پر مجبور کرنا، صراحت ہمارے مذہب میں دست اندازی ہے۔ جس کا حق انہیں شرعاً و قانوناً کسی طرح حاصل نہیں۔

(۱۹) قانون ہمیں ہرگز مجبور نہیں کرتا کہ ہم اپنے مذہبی خیالات سے باز رہیں یا ان کی مخالفت پر مجبور کئے جائیں۔ ہمارے مذہب میں غیر مقلدین، معتدع بددین ہیں۔ جس کا ایک ثبوت اوپر ٹھکانا دی علی الدرد الحار سے گذرا۔ اور اس بارے میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ تک کے علمائے کرام کے فتاویٰ موجود ہیں۔ اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اہل البدع شر العلق والعلیقة" بد مذہب سارے جہان سے بدتر، بہائم سے بدتر ہیں۔

مسند امام احمد مطبوع مصر بابش جلد اول ص ۱۱۰ پر ہے، نیز حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اصحاب البدع کلاب النار" بد مذہب لوگ دوزخیوں کے کتے ہیں۔ ایضا کتاب مذکور ص ۱۱۰۔

جب ہم شرعاً و قانوناً ہرگز مجبور نہیں کہہ سکتے کہ اپنی نماز کی صفوں میں کھڑا کریں یا اپنی مسجدوں میں آئے دیں۔ تو جو ہمارے مذہب میں محکم حدیث اس سے بدتر ہیں، انہیں اپنی نماز میں شریک کرنے پر ہمیں مجبور کرنا، ضرر دینے میں مذہبی نقصان پہنچاتا ہے، جو کسی طرح قرین الصاف نہیں۔

(۲۰) ان کی کتابیں شاہد ہیں کہ وہ ہمیں مشرک جانتے ہیں اور مشرکوں کی بنائی ہوئی مسجدیں شرما مسجد نہیں۔ قرآن مجید میں ہے: "سَأْتَاكَ بِالْمُحَرَّمِ كَيْفَ أَنْ يَعْصُوا أَمْرًا مِمَّا حَرَّمَ اللَّهُ شُرَكَائِهِمْ أَتَقْبَلُهُمْ بِالْكَفَرِ أَوْ لِقَاقِ خِيَابِهَا"

وَقَبِي الشَّارِبُ هُمْ تَعَالِيذُنَا ۝ إِنَّمَا تَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مِنْ أَمْنٍ يَاللَّهُ الْكَبِيرُ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَحْشَسْ بِاللَّهِ" (النوبة: ۱۷-۱۸) "مشرکوں کو نہیں پہنچتا کہ اللہ کی مسجدیں آپا کر کے خود اپنے کفر کی گواہی دے کر، ان کا تو سب کا دھرا اکار ہے اور وہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے۔ اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے اور نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دے دیتے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے ہیں۔" (کنز الایمان)

تو غیر مقلدین حقیقہ ہماری مسجدوں کو مسجد ہی نہیں جانتے۔ دھمکا دینے کے لئے اسے مسجد کہنا اور یہ اوعائی اسلام، اپنا حق ان میں مساوی ہونے کا دعویٰ کرنا، خود ان کے اپنے مذہب کے خلاف اور محض ایذا و آزار سانی، بدعتی ہے۔ کوئی اشتقاق، کوئی دعویٰ انہیں ہماری مساجد پر نہیں ہو سکتا۔ یہ بعید ایسا ہے کہ چند بنو ہمدانی ہماری مساجد پر دعویٰ کریں کہ یہ ہمارے مذہب کے مقدس تہذیب ہیں۔ ہمیں ان میں پونا بات کی اجازت ملے۔ حالانکہ یہ دعویٰ صراحتہ فریب اور خود ان کے برخلاف مذہب ہوگا۔ مذہبی معاملے میں خود اپنے مذہب کے خلاف ایک بات کا دعویٰ دوسروں کے حق پر قبضہ پاتے کے لئے کرنا، سوائے بدعتی و آزار سانی کے کیا ہو سکتا ہے؟ ایسے آزار و فاسد اسماعیلی دعویٰ قابلِ سماعت نہیں ہوتے۔ لہذا حنفیہ کی مساجد کو فریق مخالف کے دست تعرض سے محفوظ رکھنا ہی ترین انصاف ہے۔

(۲۱) اس سے تنزل کرتے ہیں کہ غیر مقلدین مبتدع نہیں، مگر اس قدر یقیناً معلوم، جس سے کسی فریق کو انکار کی گنجائش نہیں کہ ہمارا ان کا اختلاف عقائد میں ایسا ہے کہ دونوں فریق سے ایک ضرور بد مذہب و گمراہ ہے۔ کہما قال اللہ نَعَالِي: "وَأَنَّا إِنَّا لَأَكْثُكُمْ لَعَلِّي هُدًى أَوْ قَبِي ضَلُّي مُبِينٌ" (سبا: ۲۴) "اور بے شک ہم یا تم یا تو ضرور ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں" (کنز الایمان) اس کے ثبوت کے لئے فریقین کی بکثرت کتابیں لکھی گئی ہیں، کافی ہیں۔ بلکہ کسی ثبوت کی حاجت نہیں تم ہمیں گمراہ کہتے ہو اور ہم تمہیں اور اگر تم اس وقت مصلحت نہ ہو تو ہمارا فریق تو ضرور تمہیں گمراہ و بدعتی کہتا اور لکھتا اور پھیل چکا ہے۔ اب دو حال سے خالی نہیں۔ یا تم فی الواقع گمراہ ہو تو مطلب حاصل۔ یا واقع میں تم ہدایت پر ہو تو جو فریق ہدایت کو ضلالت جانے، وہ گمراہ ہے۔ اب یا تو تم ہمیں، ہمارے جمیع اعتقادات میں حق پر جانتے ہو یا نہیں؟ اگر نہیں تو معلوم ہوا کہ ہمارے بعض اعتقادات ہمارے نزدیک حق نہیں، اور اگر ہاں، تو ہمارے اعتقادات سے ایک یہ بھی ہے کہ تم گمراہ و بدعتی ہو، یہ بھی حق تھا۔ بہر حال دونوں تقدیر پر ایک ضرور گمراہی پر ہے۔ اور شرعاً مطہر کا اہل حق کو حکم ہے کہ گمراہوں سے میل جول نہ کریں۔ ان سے دور بھاگیں، ان کی نماز میں نہ شریک ہوں اور وہ پکار پڑیں تو عیادت کو نہ جائیں، وہ مرجائیں تو جنازے کی نماز نہ پڑھیں۔ اب اگر معاذ اللہ ہم گمراہ ہیں تو تم کو حکم ہے کہ ہم سے دور ہو، ہماری نماز میں شرکت نہ کرو۔ اور اگر تم اہل بدعت ہو تو ہم کو حکم ہے کہ ہم اپنی نماز میں تمہیں شریک نہ ہونے دیں۔

بہر حال حاصل حکم یہ ہے کہ تم ہماری مساجد میں نہ آؤ۔ ایسا حکم کا شرعاً کا متفق علیہ ہے، اسے چھوڑ کر بے بنیاد دعویٰ پیش کرنا، کوئی وجہ نہیں رکھتا۔ اب قرآن کی آیت سنئے۔

اللَّهُزَّجِلُّوَالْعَاقِرَآنَ غَلَقَہُمْ فِیْہِمْ فَرَاتَاہُے: "وَأَمَّا یُسَبِّحُكَ الْمُطِیْقَاتُ فَلَا تَقْعُدُ بَعْدَ الذِّکْرِیْنَ مَعَ الْقَوْمِ

الظَّالِمِينَ۔ ”(الأنعام: ۶۸) ”اور جو تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آئے پر پاس نہ بیٹھو۔“

تفسیر احمدی مطبوعہ بمبئی ص ۳۸۷ پر ہے: ”ان القوم الظالمین یعم المبتدع و الفاسق و الکافر و القعود مع کلہم معتن۔“ یعنی ظالم لوگ مبتدع اور فاسق اور کافر ہیں۔ اور ان سب کے پاس بیٹھنا منع ہے۔“  
ارشاد الساری شرح بخاری جلد ۹ ص ۳۹ پر ہے: ”۱۲ حجرۃ الغل الهواء والبسوع دائمة علیہ  
معمر الاوقات ما لم تظهر التوبۃ والرجوع الی الحق“ یعنی بد مذہبوں سے جدائی ہمیشہ چاہے کتنا زمانہ گزرے،  
جب تک ان سے توبہ اور حق کی طرف رجوع ظاہر نہ ہو۔

کنز العمال پاش منہ نام احمد جلد اول ص ۱۱۲ پر ہے: ”عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا راہبکم صاحب بدعة فاکفہوا فی وجہہ فان اللہ تعالیٰ یغض کل مبتدع۔“ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی بدعتی، بد مذہب کو دیکھو اس کے ساتھ تشریف نہ کرو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہر مبتدع کو دشمن رکھتا ہے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۴۹ پر ہے: ”محالۃ الغیبار نحر الی غایۃ البوار ونیایۃ الخیار۔“ یعنی غیروں کے پاس بیٹھنا، بربادی اور کمال تباہی کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔

شفا شریف امام قاضی عیاض صدیقی بریلی ص ۱۹۷ پر ہے: ”قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ واللدہ والناس اجمعین وقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لن یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من نفسه“ ص ۲۰۰ پر ہے: ”قال الصادق فی صحیحۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من نظیر علامات ذلک علیہ۔“ ص ۲۰۱ پر ہے: ”وسنہا محابۃ من خالف سننہ وابتدع فی دینہ۔“

”یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں کوئی مسلمان نہ ہوگا جب تک میں اس کی اہلاد اور ماں باپ اور سب آدمیوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر گز تم میں کوئی مومن نہیں جب تک میں اسے خود اس کی جان سے زیادہ عزیز نہ ہوں اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں پیادہ ہے، جس پر محبت کی علامتیں ظاہر ہوں۔ ان علامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ مخالفوں اور مبتدعوں سے دوری اختیار کرے۔

شفا شریف میں ہے: ”ومنها بغض من ابغض اللہ ورسولہ ومعاداة من عاداہ ومحابۃ من خالف سننہ وابتدع فی دینہ۔“ (۲۲/۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از شہر بریلی مرسلہ احمد حسن صاحب ۶ رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے بڑا سیری سوں سے رطوبت ہر وقت

جاری رہتی ہے۔ تو اس صورت میں ایک وضو سے نماز عشا اور تراویح پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور صورت دہیات میں نہ ہونے کی شخص خواندہ کے زید نماز جماعت سے فرض عشاء اور تراویح پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ جیسا تو جروا۔

### الوجوب

جب بوا سیر کی سوں سے رطوبت جاری ہو یعنی نماز کا کوئی پورا وقت شروع سے ختم تک ایسا گزر گیا ہو کہ اس کو وضو کر کے فرض پڑھنے کی مہلت نہ ملی ہو اور جب سے اب تک پانچوں وقت نماز کے ہر وقت میں بلا تاخیر ہی ہوا اگرچہ ہر وقت میں ایک ہی دفعہ آتی ہو تو جب تک یہ حالت باقی رہے، اسے حکم معذور کا ہے۔ یہ پانچوں وقت وضو تازہ کرے اور اس وضو سے وقت کے اندر واجب، سنت، نفل، سب کچھ پڑھ سکتا ہے۔

کنز الدقائق مع البحر میں ہے: "وتتوضأ المستحاضة ومن به سلسل البول او استطلاق بطن او انفلات ریح او رعاف دائم او جرح لا يرفأ لوقت كل فرض ويصلون به قرضا (كان او واجبا) او نقلا و هذا اذا لم يحض عليهم وقت قرض الا وذلك الحدث يوجد فيه (ولو مرة)" وہ ایک وضو سے نماز عشا اور تراویح پڑھ سکتا ہے مگر اس کی اقتداء ظاہروں اور دوسرے عذر سے معذروں کے لئے درست نہیں، فراموشی میں نہ تراویح میں۔ تراویح وغیرہ نافل ہیں۔

یہاں میں ہے: "ولا يعمل الطاهر علف من هو في معنى المستحاضة اه كمن به سلس البول واستطلاق البطن وانفلات الريح والحرج السائل والرعاف ويجوز له اقتداء اى معذور بمثله اذا اتحد عذرهما لا ان اختلف اه"

فقہ، فقہ شریعت میں ہے: "لا يصح اقتداء الطاهر لصاحب العذر"۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



### مسئلہ از کانپور مسجد رنگمان مرسلہ مولوی قاری احمد صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مریض اور عیال کا پیور میں بہت اقامت مقیم ہوا۔ عرصہ دراز کے بعد ایک شادی بھی کانپور میں کی اور مکان قاتی بنایا اور حیثیت کے موافق کچھ معاش بھی ہے۔ تھینا ستائیس برس یا کچھ زیادہ مقیم رہا۔ اب ان کا انتقال ہو گیا۔ وقت اقامت کانپور کے ایک پرمسٹی یہ عمر تھینا دو تین سال کا ہمراہ تھا۔ اب اس عمر کو غیر ستائیس سے زیادہ ہے۔ زید نے اس مدت میں عمر کو کاغذ کھنوں میں کرا دیا تھا۔ عمر و صاحب اولاد بھی کانپور میں ہوا اور عمر کا پیور سے کوچ کا ارادہ بھی نہیں رکھتا تھا۔ اس قدر زمانہ کے بعد اتفاق سے دوسرے شہر میں زید کو کرچ چلا گیا اور ارادہ ہے کہ کوچ کرے گا۔

اس صورت مسئلہ میں زید کا وطن اصلی کانپور بنایا نہیں؟ بنا تو کیوں اور نہیں تو کیا وجہ؟ جب زید کا وطن اصلی بن جائے تو عمر و پیر کا باوجود اس کیفیت کے کہ ارادہ کوچ نہیں اور اس قدر عمر بھی اس نے شہر میں گزاری ہے، وطن اصلی بنایا



نہیں اور کون سی علت نہیں کی۔ اور نہ ہونے کی بر تقدیر میں جانے کے دوسرے شہر کے نوکری یا دو جو کوچ کے ارادہ کے وطن اصلی کو باطل کرے گی یا نہیں؟ اور کیا علت؟ بیذا تو جروا۔

### الوجوب

جب زید مع اہل و عیال کا پیور آ کر یہ نیت اقامت مقیم ہوا اور اپنا ذاتی مکان بنایا اور وہیں شادی بھی کر لی اور کہیں کوچ کا بھی ارادہ نہ کیا۔ یہاں تک کہ اس کا انتقال بھی ہو گیا۔ اسی طرح عمرو کہ وہاں ۲۳ سال سے زائد سے مقیم ہے وہیں صاحب اولاد ہوا، کہیں کوچ کا ارادہ بھی نہ کیا، تو کا پیور ضرور ان دونوں کا وطن اصلی ہے۔

بجرا الرافق میں ہے: ”الوطن الاصلی هو وطن الانسان فی بلدته او بلدة اخرى اتعدها دارا ووطن یثامع اہله وولده ولبس من قصده الارتحال عنہا بل التبعیث یہا۔“  
تبعین الحق میں ہے: ”وہو (الوطن الاصلی) مولد الرجل او البلد الذی تامل فیہا۔“  
حاشیہ شلمی میں فتح القدیر سے ہے: ”ای ومن قصد التبعیث بہ لا الارتحال (۴۰۳/۱)۔“  
جامع الرموز میں ہے: ”الوطن الاصلی ان یکون مولده وماہله ومنتہا کما فی المحيط وغیرہ من الاختیار علی الاولین لکونہ ابعده من الخلاف۔“

در مختار میں ہے: ”الوطن الاصلی موطن ولادته او تامله او توطنه۔“  
رد المحتار میں ہے: ”قوله: او تامله ای تزوجہ، قال فی شرح المعنیۃ: ولو تزوج المسافر ببلد ولم یتم الاقامة یہ فقیل لا یفسر مقبھا وقل یتصور مقبھا وهو الاوجه۔ قوله ای توطنه ای عزم علی القرا فیہ وعدم الارتحال وان لم یتامل قلت فی الاولی اذا تامل۔“

عمرو کا دوسری جگہ قیام کہ نہ اس کی مولد ہے، نہ وہاں اس نے شادی کی، نہ اسے اپنا وطن بنالیا یعنی یہ عزم نہ کر لیا کہ اب یہیں رہوں گا اور یہاں کی سکونت چھوڑ دوں گا۔ بلکہ وہاں کا قیام صرف عارضی، بر بنائے تعلق نوکری ہے۔ تو وہ جگہ وطن اصلی نہ ہوتی، اگرچہ وہاں بھر دست معلوم قیام زیادہ ہو، اگرچہ وہاں تاحاجت اقامت بعض یا کل اہل و عیال کو بھی لے جائے کہ بہر حال یہ قیام ایک وجہ خاص سے ہے، نہ مستقل مستقر۔ تو یہ صرف وطن اقامت ہے۔

عائگیریہ میں ہے: ”ووطن اقامته وهو البلد الذی یتم المسافر الاقامة فیہ خمسة عشر یوما او اکثر۔“  
تبعین میں ہے: ”ووطن اقامته وهو الموضع الذی یتم المسافر ان یتقیم فیہ خمسة عشر یوما فصاعدا۔“

حاشیہ شلمی میں ہے: ”ای علی تینہ ان یسافر بعد ذلک او فتح۔“  
دوہ وطن اصلی کو باطل نہیں کر سکتا۔ تبعین الحق میں ہے: ”ولا یبطل الوطن الاصلی باتشاء السفر

زیو وطن الاقامة۔“

ح عائشہ میں ہے: ”ثم یبطل الوطن الاصلی یوطن الاقامة۔“

عمر و جب کانپور آئے گا، بکر و دخول مقیم ہو جائے گا اور اتمام واجب۔ جامع الرموز میں ہے: یسطل الاصلی (السفر) ای وطن السفر المسمی بوطن الافامه والوطن المستعار الحادث ابضا فلو خرج الی الاول صار مقیما بمجرد دخول فيه۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس کے دن خطبہ کے وقت جواذان دی جاتی ہے وہ کہاں ہونی چاہئے اور زمانہ رسول اللہ میں وہ اذان کہاں ہوتی تھی، اگر مسجد کے بابا ہر؟ بیٹا تو جروا۔ السائل سید محمد عمر غفرلہ از شریعی بھیت محلہ احمد زئی۔

### الجواب

اذان نبوی جمعہ کے دن خطبہ کے لئے خطیب کے منبر پر چڑھنے کے وقت مواجہہ خطیب میں اذان عثمانی کی طرح بیرون مسجد ہی ہونی چاہئے۔ یہی سنت نبوی و صدیقی و فاروقی ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

(۱) عمدة الرعاية فی حل شرح الوقایہ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی میں ہے: "فدیلہ بین بدیہ ای مسنفل الامام فی المسجد کان او خارجہ و المسنون هو الثاني" یعنی لفظ بین بدیہ کے معنی قدیم ہیں کہ امام کے روبرو ہونا چاہئے مسجد میں یا بیرون مسجد مگر مسنون وہی دوسری صورت ہے۔ یعنی اذان کا خارج مسجد ہونا۔

(۲) اسی میں ہے: "و یسند آخر عنہ کان یؤذن بین بدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد وابی بکر و عمر" یعنی دوسری سند سے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مواجہہ میں جب جمعہ کے دن منبر پر تشریف فرما ہوتے، دروازہ مسجد پر اذان دی جاتی تھی۔ رواہ ابو داؤد

(۳) تظیل المجد حاشیہ مؤطا امام محمد (۴) میں ہے: "وعند الطبرانی (۵) کان یؤذن بلال علی باب المسجد علی عهد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابی بکر و عمر۔"

(۶) کشف الغمہ میں ہے: "و کان الاذان الاول علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اذا جلس الخطیب علی المنبر علی باب المسجد۔" مسجد میں اذان کہنا حسب تصریح فقہائے کرام مطلقاً ممنوع و مکروہ ہے۔

(۷) فتح القدیر میں ہے: "الافامة فی المسجد ولا بد و اما الاذان فعلى المعتذرة فان لم تكن ففی فناء المسجد و قالوا یؤذن فی المسجد" (فتح القدیر، باب الاذان، ۱/ ۲۶۱)

(۸) اسی میں ہے: "هو ذکر اللہ فی المسجد ای فی حدودہ لکراة الاذان فی داخلہ۔"

(۹) غنیہ المصنفی شرح منیہ المصنفی میں ہے: "الاذان انما یكون فی المسجد والاقامة فی داخلہ۔"

(۱۰) فادی تا تاریخانیہ (۱۱) مجمع البرکات، (۱۲) عالمگیریہ، (۱۳) قاضی خان، (۱۴) خلاصہ (۱۵) خزائنہ

المحققین، (۱۶) بحر الرائق میں ہے: ”ینیغی ان یؤذن علی المذنبۃ او عارج المسجد ولا یؤذن فی المسجد۔“ اذان منہ نہ پڑھو یا بیرون مسجد کی جائے۔ اور مسجد میں اذان نہ پڑھی جائے۔

(۱۷) شرح مختصر وقایع علامہ رحمہ اللہ میں ہے: ”وقیہ لئلا یلقہ لا یؤذن فی المسجد۔“

(۱۸) خطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں ہے: ”یکرہ ان یؤذن فی المسجد کما فی الفہستائی“ (۱۹)

حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۰۷ (۲۰) اعظم (۲۱) شرح طحاوی پھر (۲۲) شرح قدوری مجموعہ

زاہدی میں ہے: ولا یؤذن الا فی قضاء المسجد او علی مذنبۃ۔

ان تمام تصریحات جلیلہ میں عموم و اطلاق صاف بتا رہا ہے کہ مطلقاً اذان چاہے جمعہ کی ہو یا پنجگانہ، مسجد میں

مطلقاً مکروہ ہے۔ ومن ادعی التخصیص فعلیہ ان یأنی بالتخصیص هذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ عیدہ العاصی ظفر الدین البھاری

عفی عنہ بمحمد المصطفیٰ النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ سلسلہ معالایہ محبوب علی خان رضوی حاظرہ اکرم عبد الباقی خان محلہ کرشل تھانہ کانپور۔ اذ القصد ۱۳۸۵ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اذان خطبہ جمعہ مسجد یعنی موضع اعد للصلۃ میں مکروہ نہیں ہے اور حضور پور سیدنا علی حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی فتویٰ میں کوئی عبارت انہی نہیں لکھی، جس سے اذان خطبہ کا مسجد میں ہونا مکروہ ثابت ہو۔ لہذا مسجد میں یہ اذان مکروہ نہیں ہے۔ عمر و کہتا ہے کہ اذان خطبہ اذان ہی نہیں ہے۔ اس کا تعلیل اور بر بنائے فتویٰ اذان کہہ دیا ہے۔ اور اذان خطبہ کا مقصود اعلام نہیں ہے۔ حکم شرعی سے آگاہ فرمایا جائے؟ جیہا تو جہرہ۔

## الجواب

زید کا یہ فتویٰ کہ اذان خطبہ جمعہ مسجد یعنی موضع اعد للصلۃ میں مکروہ نہیں، بالکل غلط، بے بنیاد و خلاف حق نقل و تصریح علماء ہے۔ زید سے پوچھا جائے کہ اذان خطبہ اذان ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو مطلق ممانعت و کراہت اس کو کیوں شامل نہیں؟ کیا زید دیکھ سکتا ہے کہ یہ اذان، اذان نہیں؟ یا علماء نے اس کو مستثنیٰ فرمایا ہے؟ جب وہ بات میں سے ایک بھی نہیں، تو زید کا دعویٰ بالکل محض ہے۔ اور اگر بالفرض مان لیا جائے کہ یہ اذان نہیں، لازم آئے گا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرات شیعین کرام کے زمانہ مبارکہ میں نماز جمعہ بغیر اذان ہوا کرتی تھی۔ و ہذا لا یقول بہ جاہل نیز یہ کہنا کہ علی حضرت نے فتوے مبارکہ میں کوئی عبارت ایسی نہ لکھی جس سے اذان خطبہ کا مسجد میں ہونا مکروہ ثابت ہو، یہ بھی بالکل غلط۔ اعلیٰ حضرت کی تحریر میں عبارت فتح القدیر ملاحظہ ہو: فی المسجد ای فی حدودہ لکراۃ الاذان فی داخلہ یعنی جمعہ کا خطبہ مثل اذان مسجد میں ذکر الہی ہونے سے مراد وہ مسجد میں ہوتا ہے۔ اس لئے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔ اس عبارت میں خود اذان خطبہ مسجد کے اندر مکروہ ہونے کا صاف اقرار ہے۔ جسے متکثرین مخالفین کو بھی انکار

کرتے نہ تھی۔ اسی طرح غایۃ البیان شرح ہدایہ میں ہے۔ عمرو کا کہنا بھی بالکل لغو و بھل ہے۔ اگر اذان خطبہ سرے سے اذان ہی نہیں، تو اس کا کیا جواب ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم وحضراتِ شہین رضی اللہ عنہما کے زمانہ مبارکہ میں جمعہ کی نماز بے اذان تو اگرتی تھی۔ یہ مسئلہ ایسا واضح ہے کہ عربی کی بڑی بڑی کتابوں کی شانِ عظیم ہے، فارسی کی چھوٹی کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ زاد القوٹی میں ہے: اذان ثانی و تہنیکہ برائے خطبہ الخ ترغیب اصلاۃ میں ہے: دو عبد امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ بنا تھا و بائجہ مکرر شد۔ اب کوئی عمرو صاحب سے پوچھے کہ جب اذان خطبہ، اذان ہی نہیں تو اذان ثانی، کسے کیا معنی اور ”مکرر شد“ کا کیا مطلب ہے؟ اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب کرے اور خدا اور رحمتِ دھرمی سے بچائے۔ آمین واللہ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مقتیان شرع تین دریں مسئلہ کہ خطبہ پڑھنا سنت ہے یا فرض؟ اور سننا سنا مہین پر فرض ہے یا سنت؟ بعض لوگ نصف خطبہ کے بعد سنت پڑھا کرتے ہیں، یہ فعل کیسا ہے؟ بیجا و تو جروا۔

### الفصل جواب

خطبہ تین طرح کے ہیں:

(۱) خطبہ جمعہ کہ فرض ہے۔ اس واسطے کہ خطبہ نمازِ درست نہیں۔ کما ذکر عن الزہری قال بلغنا انه لا

جمعة الا بخطبة

شرح وقایہ میں ہے: ”و شرط لا ذاتھا العصر (الئی ان قال) والخطبة۔“

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: ”الجمعة لا تحوز بدون الخطبة۔“

عالمگیریہ میں ہے: ”حتی لو صلوا بلا خطبة لم یحوز۔“

(۲) خطبہ عیدین۔ اور وہ سنت ہے۔

در مختار میں ہے: ”تجب صلاتھما بشرائطھما سوئی العطیة فاتھا سنة۔“

رد المحتار میں ہے: ”اتھا فیھما سنة حتی لو لم یخطب اصلا صح واساء لترك السنة۔“

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: ”و صلاة العید نحووز بدون الخطبة۔“

ہندیہ میں ہے: ”والخطبة بعد الصلاة و تحوز الصلاة بدونہا۔“

(۳) خطبہ نکاح اور وہ مستحب ہے اور اسامع اور انصاف سب میں فرض ہے۔

در مختار میں ہے: ”و کذا یحب الاستماع لسانہ الخطب کخطبة نکاح و عید علی المعتمد

”پھر نصف خطبہ کے بعد سنت پڑھنا، کسی طرح درست ہو سکتا ہے؟“

رسول علیہ السلام فرماتے ہیں: ”اذا قعد الاسام علی المنبر فلا صلاة“ بلکہ پڑھنا گناہ و منسوب ہے۔ تحقیق

بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی: "قال الصلوة والامام بخطيه معصية"۔  
اس لئے کہ خطیہ میں حکم اساع اور انصاف ہے۔ فلا یشتغل بها لان الاشتغال بها یفوت علیہ  
الاستماع هكذا فی الهدایة والدر المختار وغیر ذلک من معتمدات الاسفار۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ بازار شفا خانہ، ضلع بنی تال مرسلہ محمد عبدالرحمن ٹھیکہ دار الریح الاول شریف ۱۳۲۳ھ  
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دیہات میں نماز جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟  
بیّنوا وجہ واد۔

### الجواب

دیہات میں جمعہ جائز نہیں۔ ابو بکر بن ابی شیبہ اور عبدالرزاق اپنے مصنفات میں مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے راوی  
کہ فرماتے ہیں:

لا جمعة ولا تشریق ولا صلوة عبد۔ ولا اضحی الا فی مصر جامع او ملجئة عظيمة

"نہیں ہوتی نماز جمعہ اور نہ تشریق نہ عیدین نہ عمر جا سچ یا بڑے شہر میں۔"

"صححة ابن حزم فی المحلی" اور یحییٰ مذہب ہے بخاری سے، خاتم اہل ظنہ مولیٰ علی وصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم  
اور تابعین سے عطا اور حسن ابن ابی الحسن وایما یوم جمعی ویاہدوا بن سیرین اور توری وحنون وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا کما فی  
الفتنیہ شرح المعنیہ۔

ملحقی البحر میں ہے: "لا تصح الجمعة الا بسنة شروط المصر او قنائه الخ کذا فی اکثر  
والاصلاح ونبویر الابصار ومرافی الفلاح وشرح الوقایة والمراجعة۔"  
تبعین میں ہے: "حتى لا یحوز اداؤها فی المفازة ولا فی القرى کذا فی مجمع الانهر

والصغیری والبحر والفتنیة والحلیة وملا مسکین۔"  
قرآنہ کھتین میں ہے: "لا یحوز اقامتها الا بشرائط ستة منها المصر الجامع فلا یحوز اقامتها فی  
القری ولا المقارز البعيدة من الامصار۔"

یعنی "جمعہ بغیر چھ شرطوں کے درست نہیں جس سے مصر جامع ہے۔ تو نہیں جائز ہے گاؤں میں اور نہ ان  
سیدانوں میں جو مصر سے دور ہیں۔ اگر پوچھیں گے کتنا بگڑا ہوں گے۔"

"لانه اشتغال بما لا یصح ومع ذلك اما ترك الظهور وغیر فرض او ترك جماعة وهی واجبة ثم  
الصلوة فرادی مع الاجتماع وعدم المانع شتیة اخرى غیر ترك الجماعة فان من صلی فی بیتہ معتزلا عن  
الجماعة فغدا ترك الجماعة وان صلوا فرادی حاضری فی المسجد فی وقت واحد فقد تركوا الجماعة

وانما بهذه السبعة زيادة عليه فبردى التي ثلث محظورات بل اربع بل خمس لان ما يصلونه لعماد لكن  
مفسر ضا عليهم كان ثقلا واداء النفل بالجماعة والنداعى مكروه ثم هم يعتقدونها فربضه عليهم وليس  
كذلك فانه في "العطايا النبوية" وكذا افيد على هامش رد المحتار۔

فرض ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ لہذا فی رد المحتار عن الحواجر: "لو صلوا فی الفریض لزمهم اداء الظہر۔"  
اور شہر کی تعریف یہ ہے کہ وہ آبادی جس میں متعدد گھر ہوں، دائی بازار ہو اور وہ پرگنہ ہو جس کے متعلق دیہات گئے  
جاتے ہوں اور اس میں کوئی حاکم مقدمات رعایا فیصل کرنے پر مقرر ہو، جس کی حشمت و شوکت اس قابل ہو کہ مظلوم کا انصاف ظالم  
سے لے سکے۔

بجز اہل اقل میں ہے: "وفی حد المصر اقوال كثيرة اختاروا منها فولس، احدهما فی المختصر  
ثانيهما ما رووه لابی حنيفة انه بلدة كبيرة، فيها مسكك واسواق ولها رساتين وفيها والي بقدر على انصاف  
المظلم من الظالم بحشمه وعلمه او علم غيره والناس يرجعون اليه فی الحوادث۔"

اور یہی ظاہر الروایہ ہمارے اکثر علماء رضی اللہ عنہم سے ہے کہ کما فی الغنیة والحلیة والدر والہندیة  
والخانیة والخلصة والعنابة وفتح اللہ المعین والسراجیة وحاشیة الدر لمولانا عبد الحکیم۔ اور وہ  
تعریف کہ ما لا یسع اکبر مساجدہ اہلہ مصر ظاہر الروایہ کے خلاف ہے۔ اور جو کچھ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے  
مرجوع عنہ اور متروک ہے۔ کما فی البحر اور فتویٰ جب مختلف ہو تو ظاہر الروایہ پر عمل واجب، کما فی الدر۔ تو اس قول کا  
اختیار، ظاہر مذہب سے عدول اور اس کے ماخذ کا سترغ خلاف ہے۔ بلکہ اس تعریف کے بموجب حرمین محرمین جن کے  
مصر ہونے پر اتفاق ہے، جن میں زمانہ اقدس سے جو قائم ہے، شہر ہونے سے خارج ہوتے جاتے ہیں۔ اور جس تعریف  
سے وہ دونوں شہر پاک مصریت سے خارج ہوں، غیر معتبر ہے۔ فقیتہ شرح منیہ ص ۵۵۰ میں ہے: "الفصل فی ذلك  
ان مكة والعدنة مصران فقام بهما الجمع من زمته صلى الله عليه وسلم فكل موضع كان مثل احدهما  
فيو مصر وكل نفسير لا يصدق على احدهما فهو غير معتبر حتى التعريف الذي اختاره جماعة من  
المتأخرين كصاحب المختار والوقاية وغيرهما وهو ما لو اجتمع اهلہ فی اکبر مساجدہ لا یسعہم فانه  
منفوض بهما، اذ مسجد کل منهما یسع اهلہ وزیادہ۔"

اسی لئے مجمع الأنهر میں ہے: "اذ هذا الحد غير صحيح عند المحققين۔" بالجملة دیہات میں نماز جمعہ  
جائز نہیں۔ اگرچہ ہمیں گے گناہگار ہوں گے ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ ازراک کباب ذاک خانہ مکندہ و محلہ۔ باڑہ مرسلہ مولوی عبدالشکور صاحب ۱۲۵۵ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

مقتدائے زمان، پیشوائے اہل ایمان، جناب مولانا صاحب مدظلہ۔

السلام تلک مرتبہ اللہ ویرکات!

فتویٰ مفتی قاضی لطف اللہ صاحب راجپوری کا حضور کے پیش کرنا ہے۔ اگر صحیح ہو تو اس میں حضور کا مہر و دستخط چاہئے۔  
درئاس کی غلطی سے ہم لوگوں کو اطلاع فرمادیں اور السلام۔

ما قبلکم ایہا العلماء الکرام دریں مسئلہ کہ نماز جمعہ دروہیات جائز است یا نہ؟ اگر خواندہ شو و شراکت  
آن چیست؟ و بحالت دروہیات ہمہ شراکت جمعہ ظہر احتیاطی خواند یا نہ؟ میفرماید۔

### الاجواب

تمہلہ شرط صحت نماز مصر بودہ ست۔ و دروہیات جمعہ نزد حنفیہ بکلمہ ایں روایت عبارتہ: "صلوة الجمعة لا تصح الا في الجامع او مصلى المصر ولا يجوز في القرى" ادائی شود۔ لیکن در تعریف مصر اختلاف است۔ فقہاء متقدمین مصر آنرا گویند کہ حاکم و قاضی آنجا قدرت اجراء احکام شرعیہ، حدود و قصاص داشتہ باشد۔ مگر چون تسلط کفار غالب شد و دین اسلام ضعیف گردیدہ تحقق شرط مذکور مفقود شد، یعنی یا وجود حاکم، اسلام عیناً صفت شد اگر جائے حاکم اسلام باقیمت، قدرت اجراء حد نہ دارد۔ و از فقہائے متأخرین فقط کثرت اسلام را استوار نموده، جائے را کہ وسیع تر مساجد آنجا گنجائش نمازیں مکلف نہ داشتہ، آنرا مصر بموجب روایت مفتی پیر قرار داده اند۔

چنانچہ در رد المحتار مذکور است: "ویشترط لصحتها سبعة اشياء الاولى المصر وهو ما لا يبع اكبر مساجده اهله المكلفين بها وعليه اكثر الفقهاء لظهور التواني في الاحكام وظاهر المذهب ان كل موضع له امير وقاضى بقدره على اقامة الحدود" (الدر المختار علی هامش رد المحتار ۱/۱۳۷)

علامہ شامی بخشی در مختار و رد المحتار روایات مذکور می آرند: "(القولہ ما لا یبع الخ) هذا یصدق علی کثیر من القرى (قوله المكلفين بها) احتراز عن اصحاب الاعتدال مثل النساء والصبيان والمسافرين عن طه القيسناني) قوله وعليه فتوى اكثر الفقهاء الخ) وقال ابو شعاع هذا احسن ما قبل وفي الولوالجية هو صحيح بحر وعليه منتهى الوفاة ومن المختار وشرحه وقدمه في منن الدر على القول الاخر وظاهره ترجحه وابده صدر الشريعة القول لظهور التواني في احكام الشرع سيما في اقامة الحدود في الامصار" (رد المحتار ۱/۱۳۷)  
پس بر تحقیق مذکورہ بالا آنجا تعریف مصر صاف ست۔ یعنی وہیکہ در ان چند مسجد باشند و اہل اسلام کہ نماز بر آنجا فرض است، ان قدر کثیر باشند کہ در مسجد کلاں آنجا گنجائش متصور نہ باشد، آنرا حکم مصر است۔ اگر در ان موضع از جانب حاکم اسلام، امام جمعہ مقرر نہ باشد، اہل اسلام ہر کہ امام خود مقرر کردہ باشند، پس او جمعہ ادا سازند۔ نماز جمعہ ادا خواہد شد، بکلمہ ایں روایت قاضی عالمگیری: "بلاد علیہا ولا کفار یسجوز للمسلمین اقامة الجمعة ومصر القاضی بنراضی المسلمین اہ۔"

و بحالت شک در وجود شراکت جمعہ یعنی بودن مصر و حاکم اسلام یا تا رب آل در صحت جمعہ شک آ در وہ ظہر اقتضائی

روایت مشہور بخوف عدم اعتقاد عدم فریخت بعد بہترست کہ عوام بخوابند۔ وائل گرخواستہ روایت خود خفیہ خواہند فساد اعتقاد بر آں نشو و شکم اس روایت در مختار و فی البحر و قد اذنبت مرارا بعدم صلوة الاربع بعدها بنیۃ آخر ظہر خوف اعتقاد عدم فرضیۃ الجمعة وهو الاحتیاط فی زماننا واما من لا یخاف علیہ مقصدہ منها فالاولیٰ ان ینکون فی بیت عقیقہ هذا ما القى فی الخاطر الفاطر محمد لطف اللہ غفر لہ۔

الجواب صحیح۔ فی الواقع نماز بعدزدیک سادات کرام خفیہ محضہم اللہ تعالیٰ باللطف العام کے دیہات میں درست نہیں۔ اگر یہیں گئے گن گناہوں گے۔ ظہر نہ سے ساقط نہ ہوگا مگر تہنیت مصر غیر ظاہر الروایۃ و غیر معتبر کو اختیار کرنا فتاویٰ سے از بس دور حسب اقرار خود تصریح علما نے کرام ظاہر الروایۃ، کمل موضوع لہ امیر و قاضی بغدر علی اقامۃ الحدود کما فی الہندیۃ و الظہیریۃ و الخانیۃ و العنابیۃ و البحر و الدر المختار و غیرہا من معتمدات الاسفار، علما نے غیر ظاہر الروایۃ پر فتویٰ دینے کو بہارت و ناوائی و قرآن اجماع فرمایا ہے۔

بحر الرائق میں ہے: "ما ینخرج عن ظاہر الروایۃ فهو مرفوع عنہ۔"

در مختار میں ہے: "ان الحکم و القنیۃ بالفصول المرجوح جہیل و غرق للاجماع اقول فکف

بالافناء بالرجوع عنہ۔"

بلکہ علامہ شامی نے شرح عقود میں اور نفع الوساکن میں غلامہ طرطری سے نقل کیا: "المستدل لا یجوز لہ ان ان ینحکم الا بما هو ظاہر الروایۃ اہ۔" اس پر اکثر فقہاء کا فتویٰ ہے: تا اور دوا لہجیہ میں صحیح کہنا اس تعریف کے اختیار کرنے کی "پیشکش ہو سکتی ہے کہ تعریف کل موضع الخ پر بھی اکثر فقہاء کما فی العنابیۃ و علیٰ هذا شارح منہ نے اس کی بھی تصریح فرمائی۔ پس جبکہ صحیح فتویٰ مختلف ہوئی تو ترجیح ظاہر الروایۃ کی ہوگی۔

بحر الرائق میں ہے: "القنویٰ اذا اختلف کان الترجیح لظاہر الروایۃ۔"

اقتباس ہے: "اذا اختلف النصیح و جب الفحص عن ظاہر الروایۃ و الرجوع الیہا۔" علیٰ حد ا توانی فی الاحکام کو مجتہد اختیار اس روایت کی گردانی بھی بعد غور معلوم ہو سکتا ہے کہ کس درجہ ضعیف ہے کہ تعریف ظاہر الروایۃ میں "بغدر علی الحدود" ہے، تہ عقیقہ الحدود۔ یا بلکہ وجہ اختیار اس تعریف کی کوئی نہیں۔ وجہ مذکورہ یا مشترک یا مردود۔ اور وجہ ترک قوی (اولا غیر ظاہر الروایۃ ہوتا ثانی اس تعریف کی رو سے کہ معظمہ مدینہ منورہ، جہاں زمانہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جہد قائم ہے، کامریت سے خارج ہوتا) موجود۔

فتیہ میں ہے: "والفصل فی ذلک ان مکہ و المدینۃ معمران فقام بہما الجمعة من زمانہ علیہ السلام الی البوم فکل موضع کان مثل احدهما فهو مضر و کل تفسیر لا یصدق علی احدهما فهو غیر معتبر حتیٰ التعریف الذی اختارہ جماعة المناخرین کما صاحب المختار و الوفاۃ و غیرہما و هو ما لو اجتمع اہلہ فی اکبر مساجدہ لا یسعینم فانه منقوض بہما، از مسجد کل منہما بسع اہلہ و زیادہ فلا



بمعنی هذا التعريف اهـ ( غنية المستعلى شرح منية المصلی ص ۵۵۰ )  
اور سبب اختیار موضوع له امیر و قاضی الخ طاهر دقان - ولہذا کی کا اختیار انسب - واللہ تعالیٰ اعلم  
بالصواب والیہ المرجع والمآب -

☆☆☆☆☆

مسئلہ از بکا المرسلہ مولوی ولی اللہ بکالی ۲۱ رجبہ ۱۳۲۳ھ متعلم مدرسہ عالیہ رابپور  
چیدی فرماید راز داران دین متین دو قیہ شاسان شرع متین اندریں مسئلہ کہ آخر الظہر یا قیاط الظہر بعد فرض  
الجمعة بدیاریا مروج است، اصل آن چیست؟ و باداے آن در ہر چار رکعت بعد القامۃ سورت خواندہ شود یا نہ؟ بیضا  
تو جرد -

### الجواب

الطہم لربنا الحق حقا والباطل باطلا ہوں جمع شروط بشرائط انکرا داندہ اسادات کرام خفیہ علیہم  
رضی عنہم من الملک العلم اوردو وجود ہر شرط ورین بلا کل تامل اختلاف است - بدین وجہ اکثر مشائخ بخارا بلکہ جمہور  
تہذیب دین بہ معتدین بمقامیکہ در جواز صلاۃ جمعہ تک افتد، بعد ادائے چار رکعت سنت بعد جمعہ بیست سنت وقت بایں نیست  
کہ نماز جمعہ وقت اویا قتم و ہنوز او گزردہ ام یا نماز جمعہ متعدد جا خواندہ شود - ( اگرچہ حسب مذہب مفتی بہ توارد جمعہ مطلقا جائز  
و درست ست - کما اعتمد علیہ فی الکنز والواقی، والملتی والکافی والطحطاوی، والہندیہ والشمسی،  
والمحیط وجواهر الاعلاطی، وصحیحہ مفتی الجن والانس نجم الدین والعلامہ الشرنبلالی فی  
العرفانی، قال فی شرح الوقایہ "ربہ یفتی" وفی شرح المجموع والحاوی القدسی وجواهر الاعلاطی  
وعلیہ الفتوی - وفی فتح القدیر "علی المفتی بہ"، وفی المحيط ونکملۃ الرازی "وبہ نأخذ" -  
خواص را حکم چار رکعت سنت بعد الجمعہ بیست سنت وقت بایں نیست کہ آخرین ظہر کے کہ وقت اویا قتم و ہنوز او  
غزردہ ام -

فقال فی الحلۃ شرح المنیہ "وقد يقع المنک فی صحۃ الجمعة بسبب فقد بعض شروطها ومن  
ذلک اذا تعددت فی المصبر وہی واقعة اهل مرو فیفعل ما فعلوا" قال المحسن "لما ابتلی اهل مرو  
بإقامة الجمعة فی موضعین مع اختلاف العلماء فی جوازها امر ائمتہم بإداء الاربع بعد الجمعة حقا  
احتیاطا"

ورقائدا علیگیریہ است: "ثم فی کل موضع وقع الشک فی جواز الجمعة لوفوع الشک فی المصبر  
او غیرہ واقام اہلہ الجمعة یشقی ان یصلوا بعد الجمعة اربع رکعات یتوبوا بہا الظہر حتی لو لم تقع  
الجمعة موقعہا یمخرج عن عہدة فرض الوقت یمتین - کذا فی الصغیری والغنیہ شرحی المنیہ والکافی،

وقسح الفدہبر و الفنبہ و الطحطاوی و حاشیۃ المرافی و الحاوی القدسی، و البحر الرائق و مجمع الانہر و شرح المجمع و نہر الفائق، و الفتاوی الظہیریہ و الحجۃ و خزائن المقنن و مختار الفتویٰ و السراجیہ و شرح الکفای لعلامہ مسکین، و الشارحانۃ، و الفتاوی الصوفیہ، و جامع المضممرات، و الدر المختار و الفتاوی الرحمانیہ و خزائن الروایات، و اختصارہ الامام محسن و الثمر ناشی و العلامہ ابن السحنہ و الباقانی و المقدسی و ابو السعود و الفاضل بدیع الدین و شیخ الاسلام و غیرہم من الائمة الکرام علیہم الرحمۃ و الرضوان من الملک العلام۔

اما عوام کہ بہ تصحیح نیت قدرت خدا نڈیا بہ سبب اس رکعات اربعہ جمعہ را فرض خدا مندو آ تھا تا کل فرضیت صلاحتین شود محکوم بایں حکم نیند۔ بلکہ او شاں را بر ویں اطلاع نشود کہ ایں نیت آ کدوا ہم مشدہ اشدہ اعظم ست۔ در حق شان ہمیں بس ست کہ بر بعض روایات نماز او شاں ادا می شود۔ و بہذا در "نور الشرح" تصریح فرمود: "نحن لانامر بذلك امثال هذه العوام بل ندل عليه الخواص ولو بالنسبة اليهم۔"

و در مرآۃ القطار مذکور است: "بفعل الاربع مقسدة اعتقاد الجہلۃ ان الحسنة لیست بفرض او تعدد المفروض فی وفتها ولا یفنی بالاربع الا الخواص و یكون فعلهم اياها فی منازلهم اے۔" و بہذا در مظاہر و فی فرمودہ: "نالاو لی ان تكون فی بینہ خضۃ خوفا من مقسدة فعلها اقول و هو اعتقاد الجہلۃ الخ و یملئہ صرح غیر واحد من الائمة۔"

و در شم سورۃ اختلاف فکن احوط ضم در رکعات اربعہ ست۔

و در بحر الرائق نویدہ: "ثم اختلفوا فی الفراءۃ ففیل بفراء الفانحة و السورۃ فی الاربع و فیل فی الاولین كالظہیر۔"

صاحب منہ الخالق فرماید: "و یفرؤن فی جمیع رکعاتہا۔"

و در فتح اللہ معین ست: "واختلفوا فی ضم السورۃ للفسانحة فی الاربع او فی الاولین فقط۔ و الاحتیاط ان بفراء ہما فی الاربع ہکذا فی العالمگیری عن فتاوی (امو) "ینبغی ان بفراء الفانحة و السورۃ فی الاربع النی بصلی بعد الجمعة فی دبارتنا کذا فی التتارخانیۃ" اے۔ اقول لیکن الحق عو التفصیل اے شیخے کہ قضاہما بے ظہیر برگردن ندارد، و در رکعات اربعہ ضم نہا نہ برگردن در اولین فقط۔

فان الحلبي: "و ینبغی ضمها فی الكل ان لم یکن علیہ قضاء فان وقعت فربما فالسورۃ لا نصر وان وقعت فلا فالضم و احب وان کان علیہ قضاء لا یضم فی الاخرین لانها فرض الیئۃ۔" واللہ تعالی اعلم۔

مسئلہ از ذاکانہ شاہی مسئلہ شاہزادہ علیخان صاحب ۱۲۰۳ھ  
جو شخص دیہات میں جمعہ پڑھے اس کو عاف ہے کیا کوئی گرفت نہ ہوگی؟ بینا و لا جرم۔

### الواب

جمعہ پڑھنے میں کوئی گرفت نہیں بلکہ پڑھنے میں ہے۔ جمعہ کے بدلے اور روز کی طرح نماز و طہرہ واکریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از قصبہ جادو علیہ مسئلہ مولوی عبدالملک مرتب الاولیٰ شریف ۱۲۲۳ھ

کیا حکم ہے شرع شریف کا موافق مذہب احناف کے اس مسئلہ میں کہ جادو ایک قصبہ ہے جہاں تین مسجدیں ایک عتدہ میں قریب قریب آباد ہیں۔ ہر روز ہر مسجد والے اپنی اپنی مسجدوں میں مثل صلاۃ خمسہ نماز جمعہ ادا کرتے ہیں۔ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ اس طرح نماز صحیح نہیں۔ کیونکہ مجملہ اس کے شرائط کے حضور سلطان ہے اور وہ یہاں پر مفقود ہے۔ ایسے مقام پر مسلمانوں کو چاہئے کہ کسی شخص کو اپنا قاضی و سردار بنا کر اس کے پیچھے نماز جمعہ پڑھا کریں۔ دوسرے مولوی صاحب کہتے ہیں کہ جمعہ کی اقامت کے لئے سلطان یا اس کے نائب یا مازون کا حاضر ہونا کچھ ضرور نہیں۔ اگر اس میں سے ایک بھی نہ ہو تو بھی جمعہ صحیح ہے۔ اور مسلمانوں کو قاضی بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا، یہ کچھ ضرور نہیں۔ اسی طرح اپنی اپنی مسجدوں میں جمعہ پڑھنا صحیح ہے۔ ایک جگہ جمع ہونے میں حرج ہے۔ امیدوار قول فیصل ہوں۔

### الواب

اگر جادو ایسا قصبہ ہے کہ اس میں متعدد کوچے، دو انگی بازار رہتا ہے اس کے متعلق کا حق گئے جاتے ہیں، اس میں کوئی حاکم مقدمات رعایا فیصل کرنے پر بھی مقرر ہے، جواز روئے شہادت و شرکت کے اس قابل ہے کہ اس سے مظلوم کا انصاف ظالم سے ہو سکے تو وہاں نماز جمعہ درست ہے۔ اور یہی ظاہر الروایہ ہمارے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ عنہم سے ہے۔ کما فی النجاتیۃ والہدایۃ والدر والخلاصہ وغیرہا اور اگر یہ تعریف اس پر صادق نہیں تو وہاں نماز جمعہ جائز نہیں رہی۔ رہ گئی شرط سلطان تو اگر سلطان نہ ہو تو اس کا نائب یا مازون و مازون المازون و ہلم جرا چاہئے۔ اور اگر ان سب میں کوئی نہ ہو تو ضرورت مسلمانوں کے اتفاق سے جسے چاہیں، امام بنالیں۔ اور اس کے پیچھے نماز پڑھیں۔

فتاویٰ اربعین میں ہے: "والا بلکن نسہ فاضی ولا تخلیۃ البیت فاجتمع العامة علی تقدیم رجل حار لمکان ضرورۃ۔ حکمتنا فی الصغیری والبحر والطحطاری والیزایۃ والسرابعۃ والخلاصۃ والفتاویٰ لقاضیخان وغیرہ"

درختار میں ہے: "واما مع عدمہم فیحوز للضرورة۔"

رد المحتار میں ہے: "فتی معراج الدربۃ عن المیسوط "البلاد النی فی ابدی الکفار بلاد الاسلام لا بلاد الحرب لانہم لم یطہروا فیہا حکم الکفر بل القضاۃ والولاۃ مسلمون یطہرونہم عن ضرورۃ او مدونہا وکل مصر قہ وال من جہتہم یحوز لہ اقامۃ الجمعۃ والاعیاد۔"

اقول ولبس حضور السلطان فی الصلاة شرطا قطعاً والا لم يحز الا فی موضع واحد من المملكة جميعاً بل المراد اذنه بالاقامة كما يدل عليه قول العلامة محمد علاء الدين الحصكفی صاحب الدر المختار او ماسورة باقامتها فالكل من القولین له وجه لكن الاظهر والاين هو الاول والا حسن ما حررنا - والله تعالى اعلم -

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ محمد ظہور احمد - فتوہ شریف - ۶ صفر ۱۳۳۳ھ

دیہات میں نماز عیدین جائز ہے یا نہیں؟

### الجواب

دیہات میں نماز عیدین جائز نہیں۔ اگر پڑھیں گے گناہگار ہوں گے۔ کیونکہ شرائط اس کے ساتھ جمع ہیں۔ شرح وقایہ میں ہے: ”وشرط لہا شروط الجمعة وجوباً واداءً الا الخطیئة حکذا فی الغنیة والأصلاح۔“

خلاصہ میں ہے: ”ویشترط للعید ما یشترط للجمعة من المصير والسلطان الخ حکذا فی العالمگیریة وقاضی حان والمحررانی ولفظها لہا۔“

اور تجد دیہات میں درست نہیں۔ شرح وقایہ میں ہے: ”وشرط لادائها المصير او فتاؤہ۔“

عالمگیریہ میں ہے: ”وجہا المصير حکذا فی الکافی کذا فی الاصلاح والمراجعة۔“

غنیۃ میں فرمایا: ”اما شروط الاداء فستة ابضا الشرط الاول المصير او فتائه فلا يجوز فی الغنیة عندنا حکذا فی الصغیریة۔“

اور یہی مذہب صحابہ سے خاتم اختلاف مولیٰ علی وحذیفہ رضی اللہ عنہما اور تابعین سے عطاء بن ابی الحسن، فقہی، مجاہدان بن یرم بن ہاشمی، جہول، ہے کما فی الغنیة۔

خزانة المحققین میں ہے: ”والجمعة لا يجوز اقامتها فی الرساتق ولا المقارز البعيدة من الامصار۔“

”جہ بعض چھ شرطوں کے درست نہیں۔ جس میں سے ایک مہر ہے۔ تو جائز نہیں ہے گاؤں میں اور نہ ان میدانوں میں جو امصار سے دور ہیں۔“

ابوبکر بن ابی شیمہ اور عبدالرزاق اپنے مصنفات میں مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سے راوی فرماتے ہیں: ”لا جمعة ولا تشریق ولا صلوة فطر والاضحی الا فی مصر جامع او مدينة عظيمة۔“

”نہیں ہوتی نماز جہا اور نہ تشریق اور نہ عیدین گھر یا جامع یا بڑے شہر میں“ صحیحہ ابن حزم فی المحلی۔

اور اسی پر عمل خیر الخرون صحابہ کرام کا رہا کہ اس وقت پھر اللہ کثرت سے بارش ہوئے لیکن بجز امصار کہیں نصب

منبردا قامة بعد وعیدین کے ساتھ مشغول نہ ہوئے۔

در مختار میں ہے: "وقی القنبة صلوة العید فی القری نکرہ تحریمای لانہ اشتغال یسا لا یصح لان المصر شرطہ۔"

فقہ میں ہے: عید کی نماز گاؤں میں نکرہ تحریمی ہے۔ کیونکہ یہ ایسی چیز کے ساتھ اشتغال ہے جو درست نہیں۔ اس کے لئے مصر شرط ہے۔ وانقضاء الشرط بمثلوم انقضاء الحشروط۔ والله تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ شاہ سلامت اللہ مصنف "الفتاویٰ الطالیح" از راپور ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ شاہجہاں پور کے رہنے والے دو شخص، فقہ عادل، بمبئی سے آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے خود ۲۹ ذیقعدہ کو بمبئی میں چاند دیکھا فقہ بمبئی کے آئے ہوئے لوگوں کی شہادت پر شاہجہاں پور میں عید ۲۹ کے حساب سے ہوگئی یا ۲۹ کے حساب سے نہ ہوگی؟۔ بینوا تو ہر وا۔

الجواب

فی الواقع موافق ظاہر الروایۃ (کہ اسی پر عمل واجب اور اس کا خلاف مریجوع و مرجوع عند ہوتا ہے جس پر اکتفا جہل و غرق اجماع۔ کافی الدر المختار) شاہجہاں پور میں ۲۹ کا چاند ثابت ہو کر چار شنبہ کو عید اٹھنی کرنی لازم ہے کہ نصاب شہادت کامل۔ ان کی شہادت واجب الاعتبار اور اختلاف مطالع کا موافق ظاہر الروایۃ اور مذہب مفتی بہ و تصریحات علماء اصلاً اعتبار نہیں۔

عالمگیریہ میں ہے: "ولا عبرة لاختلاف المطالع فی ظاہر الروایۃ کذا فی فتاویٰ فاضل خات و علیہ فتویٰ الغفیری ابی السلیث وہ کان یفتی شمس الائمة الحلوانی، قالوا: رأی اهل مغرب خلل رمضان بحسب الصوم علی اهل مشرق کذا فی الخلاصة۔"

ابرہہال غفرلہ کی طرح حکم ہلال عید اٹھنی ہے۔ خزانة المفتیین میں خلاصہ سے ہے: "وہلال ذی الحجة کالغفر وهو ظاہر المذہب۔" پس اسی پر عمل واجب۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد از سرکار پتھو شریف ۶ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز جنازہ میں جو کچھ امام کو پڑھنا چاہیے، وہ مقتدی کو بھی پڑھنا چاہیے یا نہیں؟ بینوا تو ہر وا۔

الجواب

مقتدی بھی سب پڑھیں کہ نماز جنازہ صرف ذکر و دعا ہے، قراءت قرآن نہیں۔ اور مقتدی کی بھی صرف قراءت۔

قرآن عظیم ہی متع ہے، باقی دعا و اذکار میں وہ امام کے شریک ہیں، مثل امام سب کچھ پڑھیں۔  
 حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اذا صليتم على الميت فاحصلوا له الدعاء۔" جب تم کسی کے جنازہ کی نماز پڑھو تو خلوص کے ساتھ اس کے لئے دعا مانگو۔

فی العطایا النبویۃ: "فی الرحمانیۃ فی الطحاوی یکبرون الافتتاح مع رفع الیدین ثم یقرؤن ثم یکبرون ویصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یکبرون ویستغفرون للمیت ثم یکبرون ویصلون ولا یرفعون الید بہم فی التکبیرات الثلاث ولا قرأۃ فیہا۔"

خزائین المفتاحین میں ہے: "فان كان الميت غیر بالغ فان الامام ومن خلفه یقولون اللہم اجعلہ لنا قرطاً واجعلہ لنا اجرا وذخراً واجعلہ لنا شافعاً ومشفعاً۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم بحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ منقولہ ذیل میں؟

ایک بستی کی مجموعی آبادی ۱۵۰ گھر کی ہے اور مسلمانوں کی آبادی تقریباً ۵۰ گھر کی ہے۔ مسلمانوں کی آبادی مسلسل ہے اور مسلمانوں کا محلہ آخر دھن لانا ہے، شمالی کنارے سے جنوبی کنارے تک، محلہ کی لابی تقریباً چار سو قدم ہے۔ زمانہ قدیم سے ایک مسجد محلہ کے بالکل شمالی کنارے پر ہے، جس میں شیخ دینی اور جہد کی بھی نماز ہوتی ہے۔ محلہ چونکہ جنوبی کنارے پر زیادہ آباد ہے اور مسجد شمالی کنارے پر ہے۔ اس لئے بیشتر نمازی شیخ دینی نماز میں مسجد نہیں پہنچ سکتے ہیں۔ اس مسجد میں زیادہ تر لوگوں کے نہیں پہنچنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مسجد کا راستہ ایک کھار کے کنارے سے ہے، جو برسات کے چار مہینوں میں دس ہاتھ تک (لابائی میں) روٹ پانی میں ڈوب جاتا ہے اس لئے آمد و رفت میں سخت دقت ہوتی ہے۔

متذکرہ بالا مجبور یوں کی وجہ سے بستی کے لوگوں کی اور محلہ کے جنوبی کنارے پر رہنے والے لوگوں کی خواہش ہے کہ جنوبی کنارے پر ایک مسجد بنائی جاتی نماز ادا کرنے کے لئے بنائیں (جولب سڑک و شاہراہ ہوگی)۔ اس لئے دریافت طلب ہے کہ ایسی صورت میں اس مسجد کی بنا درست ہوگی یا نہیں؟ بیخدا و تو جردا۔

استفتی: عبدالغنی عیسیٰ۔ تاریخ نبوت و چہارم ماہ شوال المکرم ۱۳۷۹ھ

ال جواب

صورت مسئلہ میں، جیسا کہ بیان سائل سے معلوم ہوا کہ جس جگہ اب مسجد ہے اور جہاں پر دوسری مسجد بنانی چاہتے ہیں، ان دونوں میں اس قدر فاصلہ اور دوری ہے کہ اس مسجد کی اذان اس مسجد تک نہیں جاتی۔ اور بستی کا نقشہ دیکھتے ہیں بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی آبادی اس خطہ زمین کے قریب ہے۔ جہاں لوگ مسجد بنانی چاہتے ہیں اور اس مسجد بنانے

سے۔ اگر اس پہلی مسجد کو نقصان پہونچانا مقصود نہیں، نہ اس کا خیال ہے۔ بلکہ اس مسجد سے یہ فائدہ ہوگا کہ جو لوگ دور دورے سے جیت اس مسجد میں نہیں جاتے ہیں، اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں، اس مسجد کے بن جانے سے وہ لوگ بھی مسجد میں پہونچنے کی وجہ سے ثواب پانے کے مستحق ہو جائیں گے۔ تو ایسی صورت میں اس مسجد کے بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ ہے۔ "ترو ثواب کے مستحق ہوں گے۔"

حدیث شریف میں ہے: "من بنى لله مسجدا بنى الله له بيتا فى الجنة۔" جو شخص اللہ کے لئے مسجد بنائے، پھر تعجب سے خداوند عالم کی رضا مندی و خوشنودی ہو، نہ دنیا و شہرت ہو اس کے لئے اللہ تعالیٰ جنت میں گھر بنائے گا۔  
بلکہ جتنے لوگ اس میں چندہ دیں گے اور مسجد کے بنانے میں شریک ہوں گے، سب کے لئے یہی اجر ہے کہ خداوند عالم جنت میں ان کے لئے گھر بنائے گا۔

تفسیر روح البیان جلد ۲ ص ۵۸۲ میں ہے: "واذا اشترك جماعة فى عمارة مسجد فكل يحصل لكل من بنى فى الجنة كما لو اعنى جماعة عبادا مشتركا بينهم فانهم يعنون من النار ويجوزون الجنة بحسب نفعهم۔" "ما اذنك ما الحقيقة، فكذلك رتبة" وقد فسر النبي صلى الله عليه وسلم فكذلك الرتبة يعنى اليعنى۔  
"بعض من المساجد بالعتق لان فيه رغبة وحمل للناس على اتياء المساجد وعمارته۔"  
یعنی اگر ایک جماعت کسی مسجد کی تعمیر کرنے میں شریک ہوئی کیا ہر ایک کے لئے جنت میں گھر ہوگا؟ جس طرح یہ امت اپنے مشترک غلام کو آزاد کرے تو وہ سب کے سب آتش دوزخ سے آزاد ہو جائیں گے اور ان سب لوگوں کو عقیقہ کی جزاء دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہیں کیا معلوم کہ عقیقہ کیا چیز ہے؟ غلام آزاد کرنا ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فک و فہم کی تفسیر بعض غلام آزاد کرنا، فرمایا ہے۔ اور قیاس یہ ہے کہ مسجد بنانے کو بھی غلام آزاد کرنے کے ساتھ ملحق کیا جائے۔ اس لئے کہ اس میں لوگوں کو ترغیب ہے، مسجد بنانے اور اس کی عمارت پر۔

رہا قرآن شریف میں ایک مسجد کا کہتے ہوئے دوسری مسجد بنانے کا ذکر وعید کے ساتھ "وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهَا آلِهَةً أَوْ كُفُورًا وَتَفَرِّقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَوُصَّاءًا لِّعَنْ سَخَرَبَ اللَّهُ رَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ" (النوبہ: ۱۰۷) میں اس وجہ سے کہ ان منافقین نے دوسری مسجد اس لئے بنائی تھی کہ پہلی مسجد کو ضرر پہونچائیں۔ اس کا نشانہ ان کے کفر کو تقویت دینا، مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ اندازی، ہشت و فتنہ پیدا کرنا تھا۔ تو جہاں یہ باتیں نہ ہوں گی، دوسری مسجد بنانا، ناجائز نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

محمد ظفر الدین قادری رضوی محفلہ سنیہ مدرسہ اسلامیہ تحس الہدیٰ، پٹنہ  
جواب صحیح ہے مگر فاضل عجیب نے جو شرائط تحریر فرمائے ہیں، ان کی رعایت ضروری ہے۔ خصوصاً اشتت باشرقی پیدا کرنے کی طرح لازم نہ آئے۔

مسئلہ مولیٰ فی محمد رضوان از کانپور مسجد رنگیان ۱۵ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سماء ہندہ نے اپنے شوہر کو چھوڑ کر کسب ناجائز اور قدرے تجارت بھی کرتی ہے۔ یعنی سال میں ہزار پان سو مال خرید کر فروخت کرتی ہے اس ورمیان میں دو چار مکان بھی اس نے خریدا اور وہ مال اس کے پاس کچھ کچھ حرام سے پیدا ہوا تھا اور کچھ بطور حلال۔ لیکن یہ امر کہ کس قدر حلال اور کس قدر مال حرام ہے، کچھ معلوم نہیں۔ بعد چند دنوں کے اس مال کی وراثت اس کی ماں یعنی ہندہ کی ماں نے اپنی رائے سے ایک مسجد کی تعمیر کیا۔ اب لوگ اس خیال سے کہ مسجد میں روپیہ ناجائز بھی لگا ہے، نماز پڑھنے سے گریز کرتے ہیں۔ لہذا عرض ہے کہ من کل الوجہ اس سے آگاہی دی جائے کہ یوں ہی مسجد بنوانا مال غنط سے بلا جریان ارث جائز ہے یا نہیں؟ آمین! تو جو مرد۔

### الجواب

ایسی مسجد میں نماز صحیح ہوئے میں تو کلام نہیں۔ اولاً لعدم الاختلال برکن لو شرط۔

ثانیاً یہ مسجد مال غنط سے بنی ہے، نہ خالص حرام سے۔ ایسے مقام پر ہمارے ائمہ مثلاً رضی اللہ عنہ تصریح فرماتے ہیں کہ حرام پر محمول نہ کہیں گے جب تک تحقیق نہ ہو جائے کہ یہ شیئ بعتیہ حرام سے ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں سے فتاویٰ ظہیر ہے کہ امام فقیہ ابواللیث نے فرمایا: يجوز ما لم يعلم انه يعطيه من حرام قال محمود یہ تاہذ ما لم نعرف شیئاً حراماً بعینہ وهو قول ابی حنیفہ واصحابہ۔

ثالثاً اگر بالفرض مال حرام ہی سے ہے اور مسجد تعمیر کی تو اگر زحر حرام دکھا کر بائع سے کہے کہ اس کے بدلے فلاں چیز دیے پھر وہی روپیہ ٹپن میں ادا کرے۔ اور اگر وہ روپیہ نہ دکھایا یا مطلقاً خرید یا پھر ٹپن میں زحر حرام دیا گیا، زحر حرام پر عقد کیا اور بے وقت مال حلال ادا کیا، تو یہ خریدی شیئ حسب مقتضی یا مام کرشی کے حلال ہے۔

تو بالابصار میں ہے: "تصدق لو تصرف فی المعصوب والودیعة وریح اذا كان متعیناً بالاشارة او بالشرأ: بدرام الودیعة او العصب ونقاعا وان اشار الیہا وتقد غییرہا والیٰ غیرہا او اطلق وتقد لا یہ یقتی۔"

ورمخارمیش ہے: "اكتسب حراماً واشترئ به او بالدرهم المغصوبة شفا قال الكرخي ان تغد قبل البيع تصدق بالریح والا لا۔"

رد المحتار ج ۳ ص ۲۳ پر ہے: "توضیح المسئلة ما فی التنازع عاتبة حیث قال رجل اکتسب مالاً من حرام ثم اشترئ فیقذا علی خمسة او حه اما ان دفع تلك الدرهم الی البائع او لا ثم اشترئ منه یها او اشترئ قبل الذقع بها ودفعها او اشترئ قبل الذقع بها ودفع غیرها او اشترئ مطلقاً دفع تلك الدرهم او اشترئ بدرهم اخر ودفع تلك الدرهم قال ابو نصر بطیب له ولا یحب علیہ ان یصدق الا فی الیو حه الاول والثانی لا یطیب وفي الثلاث الاخيرة یطیب وقال ابو یکر لا یطیب می الكل لكن التنبوی الا ان علی قول الکرخي دفعاً للخرج عن الناس اه وفي الو الحقیقة قال بعضهم لا یطیب فی الوجه کلها ویمو



المختار لیکن الفتویٰ الان علی قول الکرمی دفعا للخرج بکثرة الحرام ۱۰۔  
 راجعاً کسب تا جائز سے جو کچھ ہندہ نے حاصل کیا تھا، جب مخلوط ہو کر وارث یعنی اس کی ماں کے پاس پہنچا اور  
 اس کو اس مال کی کوئی تفصیل معلوم نہیں کہ کس کس سے لیا اور کتنا کتنا لیا تو اس کے لئے یہ حلال ہے۔

شامی میں ہے: "وان کان مالاً مختلطاً مجتمعاً من الحرام ولا یعلم اربابہ ولا شیتا منه بعینہ حل  
 ۱۰۔ والاحسن دبانۃ التزوہ عنہ ۱۱۔"

اس کے باب النظر والاہانت میں ہے: "فی المحدثین مات وکسیہ حرام فالعیرات حلال۔" اور مال  
 بدل سے جو مسجد بنائی گئی، وہ مسجد ہی ہوگی اور اس کو میران اور خراب کرنا اپنے دین کو میران اور خراب کرنا ہے کہ اس مسجد  
 میں سحت نماز میں شگ نہیں۔ اور مال مخلوط سے جو مسجد بنائی جائے، وہ بھی مسجد ہے۔ لیکن بنانے والے کو اس کی اجازت نہ  
 تھی کہ جب تک اس حرام سے میراث حاصل نہ کر لیتا مال مخلوط کو دوسرے کام میں صرف کرتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از سنخیل طبع مراد آباد مدرسہ مدنی صاحب ۲ ربیع الآخر ۱۳۳۳ھ  
 ہادی ورمنا بعد سلام سنون تمس ہوں کہ قصیدہ سنخیل میں ایک مسجد کے نیچے دکان ہے۔ جس کے بابت علماء  
 نہ جانتے فرماتے ہیں کہ اس کا گرایہ لینا منع ہے۔ اور اس وجہ سے اب وہ خانہ یعنی دکان بند کرانی جاری ہے۔ جس کے  
 سبب سے مسجد کے دو روپیہ ماہوار کی آمدنی میں فرق آنے والا ہے۔ امر در یافت طلب ہے کہ یہ بات اگر جائز ہو تو معزز  
 نہیں کہ اس کو گرایہ پرویا جائے یا نہیں؟ اور اس کا روپیہ مسجد کے صرف میں آنا چاہئے یا نہیں؟ بیذا تو جروا۔

## باب الجواب

بلاشبہ مضارف مسجد کے لئے ایسی دکان کو گرایہ پروینا، اس کا مسجد میں صرف کرنا، موافق مذہب ظاہر الروایہ جائز  
 ۱۰۔ مست ہے، جبکہ تعمیر مسجد سے وہ دکان بنائی گئی ہو۔ جس کا مانع محض جائل یا مجنون لا یقل ہے۔ اس کے ثبوت میں  
 تہمیدت نہ ہو، بکثرت موجودہ جس کے آگے مانعین کے اوہام بالکل مردود ہیں۔

بحر الرائق میں ہے: "بخلاف ما اذا کان السرداب او العنبر موفوقاً لمصالح المسجد فانه يجوز له  
 ۱۰۔ لا مدح قیہ لاحد بل هو من تنمیع مصالح المسجد فهو کسرداب بیت المقدس۔ لہذا هو ظاہر  
 مستحب کذا فی ملا مسکین شروح الکنز وحاشیۃ فتح اللہ المعین معزبا الی الفتح۔"

ورقائش میں ہے: "واذا جعل نحتہ سرداباً لمصالحہ جاز کمسجد المقدس کذا فی حاشیۃ  
 صحیح صوری ورد المختار للشامی۔"

مگر یہ ان ہی صورتوں میں ہے جبکہ تعمیر مسجد کے وقت دکان بنائی گئی ہو۔ اور اگر بعد ترمیمی مسجد بیت پھر کسی نے بنالیا ہو  
 تو درست نہیں۔ کما صرح بہ العلامة الشلبی لقولہ: "فان قبل لو جعل نحتہ حائوناً وجعلہ وقفاً علی المسجد

قبل لا يستحب ذلك ولكنه لو جعل ذلك في الابتداء هكذا صار مسجدا وما تحته صار وقفا عليه وبحور المسجد والوقت الذي تحته ولو أنه بنى المسجد أولا ثم أراد أن يجعل تحته حائوتا للمسجد فهو مردود باطل " هكذا فی الدر المختار ورد المختار من معتمدات الأسفار - والله تعالى اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از شہر محلہ قراولان مسئلہ مبارک الہی اللہ صاحب ۱۳ رجب المرجب ۱۳۴۳ھ  
ما کو حکم اللہ تعالیٰ اس بارے میں کہ مسجد میں خرچہ دینا کیا ہے؟ اور دینے والے کی فضیلت اور جو کوئی دینے والے کو منع کرنے تو کیا عقاب ہے؟ بیجا تو جردا۔

### ال جواب

مسجد میں خرچہ دینا یعنی اس کی تعمیرات میں فروش و حوض و حمام، و دیگر مصارف میں دخل روشنی وغیرہ کے صرف کا اتنا ثواب ہے جس کو شہر میں نہیں لایا جاسکے۔ اس کا ثواب بعد لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر ہے۔ جو کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی دل پر اس کا خطرہ گذرا۔  
رب العزیز جل وعلا فرماتا ہے: "اَنَّا نَبْعَثُ مُنِجَّةً لِّلّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ" "خدا کی مسجد میں دینی تعمیر کرتے ہیں جو اللہ اور پچھلے دنوں پر یقین رکھتے ہوں۔"

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "ان مما يلحق المؤمن من عمله بعد معاته مسجدا بناء - بے شک مسلمان کے ان عملوں سے جن کا ثواب بعد موت بھی ملتا رہتا ہے، وہ مسجد ہے جس کی بناء میں اس نے شرکت کی۔" - انرجہ ابن خزیمہ وابن ماجہ و البيهقي عن ابی هريرة رضى الله عنه۔

حضور اقدس نبی کریم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "من بنى لله مسجدا بنى الله له بيتا الجنة۔" "جو شخص اللہ کے لئے مسجد بنائے اللہ اس کے بدلے جنت میں گھر بنائے گا۔" - وقسی رواية ولف كمفحص مطاء اگرچہ قطا کے گھونٹے جیسی اور بعض روایت میں ہے موقوف اور یا قوت سے۔ رواہ احمد والبحاری ومسلم وابن ماجہ وابن حبان وابو حنيفة وابن خزيمة والبخاري في المسند والطبرانی في المعجم والترمذی وهو فی الكبير وايضا فی الاوسط وابن عدى عن سيدنا عثمان وعمر وجابر بن عبد الله وابن ذر واتس بن مالك وابی امامة وابی هريرة واسماء بنت سيدنا الصديق رضى الله عنهم اجمعين ۔

پھر یہ ثواب صرف اسی پر نہیں کہ ساری مسجد خود بنائے یا مال کثیر سے شرکت کرے۔ بلکہ ہر شرکت والے کو اپنے اپنے حصہ میں حصہ ہے۔ ہر شخص اس سے یا شرفوں سے، سب کو بے کم و کاست اتنا ثواب ملے گا۔ لا یفقص من احورهم من شئ۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر ذررہ بڑھو والے کا سوا دردن روپیہ والے کا ایک روپیہ اور کسی آنے کے مالک کا چار پیسہ، سب ایک حیثیت میں ہے۔ اور جو شخص اسے روکے بخت گناہ گار آئے، فاسق، مرتکب گناہ کبیرہ، مشرک و عید بتائے الخیر ہے۔ اعذنا الله

منہ ومن سائر اهل الاسلام بصدقة تیبہ صاحب الفلاح والمقام علیہ الصلوٰۃ والسلام واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

چند فرامید علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ:

اول: آنکہ مسجد کبیرہ اجماعیہ دیگر نقل کردن جائز است۔

دوم: آنکہ زیارت قبور از قرآن مجید ثابت است یا از حدیث شریف؟

سوم: بجز اردن نماز جنازہ بے نمازی جائز است یا نہ؟

چہارم: اگر شخصے بمیرہ در آں خانہ اندرون سردر زائحا ضیافت، خواہ دفن کنندگان باشد یا غیر اذشال جائز

است یا حرام؟

پنجم: زیارت قبور بے نمازی چه حکم دارد؟

ششم: قربانی بفر کردن از قرآن مجید ثابت است یا از حدیث؟

### الـجـواب

(۱) معاذ اللہ من ذلک مسجد کبیرہ اجماعیہ دیگر نقل ہرگز ردائیمست کہ ایں ابطال غرض وقت است کہ اصلا رد

نہست۔ لا یجوز تغیر الوقف۔

صاحب فتح القدر فرماید: "الواجب ابقاء الوقف علی ما کان علیہ" علمائے کرام فرمودہ اند کہ مسجد را

در سہ یا قبرستان بکس نتواند کرد۔

در قادی عالم گیر یہ از سراج الوہاب است: "لا یجوز تغیر الوقف عن ہیئہ فلا یحول الدار بہستان ولا

بحان حماما ولا الریاط دکانا۔" پس چوں تبدیل ہیئت جائز نیست، تغیر اصل مقصود چگونہ رد باشد۔ آری اگر اصل مسجد

بہمہ دیران شد مسجد از آبادی دور افتادہ ماند دیکچ کس در نمی آید، اگر نقل نہ کنند غاصبان دکان مال ادوامی برندہ ایں گاہ

بخیر و بر جوار نقل فتویٰ دادہ اند۔ کما فصلہ فی رد المحتار۔

(۲) رسول اللہ ﷺ فرمودند: "کنست فہیتکم عن زیارۃ القبور فزورو القبور۔" الحمصۃ عن ابن

مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ در قول اللہ عز وجل: "فَلَا تُقْبَلُ عَلَیْہِمْ اَتْحَادُ بَیْتِہُمْ مَّاتَ اَبُوْہُمْ اَوْ لَا تَقُمْ عَلَیْہِمْ

قَبْرِہِمْ۔" (النوبۃ: ۸۴) اشارہ است بزیارت قبور مسلمانان۔

(۳) نماز جنازہ بر ہر مسلم متقی باشد یا فاسق سوائے اربعہ مذکورین فی کتب الفقہ کہ در آن تارک الصلوٰۃ نیست فرض

است۔ صاحب در مختار فرماید: "وہی فرض علی کل مسلم مات علل اربعۃ بغایۃ وقطاع طریق اذ قتلوا

فی الحبیب الخ۔"

(۴) رسم مذکور تحت فتح زائحا ضیافت مذکور گناہ و ناجائز است۔ امام محقق علی الاطلاق در فتح القدر یہ علامہ

حسن شربلائی در سرائی الفلاح و امام بزازئی در فتاوی و غیر تمام من الاعلام در معشقات خودش آورده اند عبارت چنین است:  
 "بکرمه اتخاذ الضیافة من الطعام من اهل العیت لانه شرع فی السرور لا فی الشرور و هی بدعة  
 مستفیحة" - والله تعالی اعلم -

(۵) جائز است که رقت قلب و دموع چشم و ذکر از و تم حاصل است - لا جرم علامه تصریح فرمودند:  
 "و الزیارة بهذا المقصد بسنوی فیها جمیع القبور -"  
 (۶) از هردو - قال الله تعالی: "وَالْبُيُوتُ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِّنْ سَعَاتٍ لَّهِ لَكُمْ فِيْهَا عِیْرٌ"

الآیه - (الصیح: ۱۶۶) خود حضور اقدس علیه السلام از ازواج مطهرات بقره ذبح فرموده صحابه کرام رضی الله تعالی عنهم را امر فرموده اند -  
 البخاری عن ام المؤمنین الصدیقه رضی الله تعالی عنها قالت: "ضحی رسول الله صلی الله علیه و آله عن نسائه بما  
 لبغنه" و تخمین و ایداد از جابر بن عبد الله رضی الله تعالی عنهما راوی: "امرنا رسول الله صلی الله علیه و آله ان نشترک فی الابل  
 و البقره کل سبعة منا فیه بذاته" - والله تعالی اعلم -

☆☆☆☆☆

بد

البی

حر

اشد

امند

الاو

علی

## کتاب الزکوٰۃ ۳

مسند ارباب فقہ ردی مسئلہ الطائف الرحمن ۵ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ

تایا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس ایک ہزار روپیہ تھا، جس کی تجارت کی۔ بعد میں اس نے دوسروں پر منافع ہوا۔ سال اول میں زکوٰۃ صرف دوسروں پر منافع پر لازم ہوئی یا صرف ایک ہزار اصل پر یا دونوں پر؟

جواب:۔

### الجواب

جس تاریخ سے وہ مالک نصاب ہوا، جب اس تاریخ پر سال گزرے گا، اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ تاریخ مذکور پر نہایت۔ اس کے پاس اموال زکوٰۃ میں سے دین وغیرہ ضروریات سے فاضل، اس وقت کتنا مال ہے؟ خواہ نقد، خواہ تجارت، خواہ دوسروں پر قرض۔ ان سب پر زکوٰۃ آنے کی صورت یہ ہے کہ مال تجارت جتنا اس وقت موجود ہو، بازار سے جو مال اس کی قیمت لگائی جائے۔ جو مال تجارت سے، وہ اگر اس تاریخ سال، تمام نصاب سے پہلے لگایا تو وہ بھی نصاب کیا جائے گا۔ اگر چہ قرض سال سے ایک ہی گھڑی پیشتر ملا ہو۔ اور جو مال اس تاریخ کے بعد ہوگا، وہ اس سال میں محسوب نہ کیا جائے گا۔ سال آئندہ میں اس کا حساب لگایا جائے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: "ومن كان له نصاب كاملا وفي انشاء الحول وجد مالا من جسمه، وضعه في حوزة، ولو كان من غير جسمه، من كل وجه كالعلم مع الابل فانه لا يضم خلكها في الحوزة النيرة"۔ "ستعداد بعد حولان الحول فانه لا يضم ويستأنف له حول آخر بالانقاف"۔ خلكها في شرح الطحاوي۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مسئلہ مسئلہ واجد علی خاں بریلی حلقہ سوانگران ۲۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۳ھ

واللہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مخلص یعنی پولوں پر عشر واجب ہے یا نہیں؟ اور اس کے مصارف مصارف زکوٰۃ میں یا کیا؟ بخواتمہ جردا۔

### الجواب

پولوں کا طریقہ جس طرح آپ کے گاؤں میں مروج ہے کہ اس کی احتیاط اور نگہداشت ہوتی ہے، ضروران پر مشتمل امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے۔ علماء نے جو خطب اور قسط کو مستثنیٰ فرمایا، اس سے مراد وہی ہے کہ جس سے استحوال ارض متعوض نہ ہو۔ یہاں تک کہ عامہ کتب مذہب مثل بحر، بدائع و رد المحتار و ذخیرۃ الخانیہ وغیرہ

المختصین وغیرہاء میں تصریح فرمایا:

واللفظ للاول "انما استثنی الثلاث لانه لا يقصد بها استغلال الارض غالبا حتى لو استغل بها ارضه وجب العشر اه۔" یعنی صاحب کمنز نے ان تین چیزوں کو اس لئے مستثنیٰ کیا کہ غالباً ان سے مقصود استغلال ارض نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ اگر کوئی مشغول کرے ان چیزوں کے ساتھ زمین کو، ان میں بھی عشر واجب ہوگا۔ اور مصارف اس کے مصارف زکوٰۃ ہیں۔ فتح القدیر، رد المحتار اور خانہ اور نوادہ متفرقہ بحر خزائنہ المختصین میں ہے۔ "و بصرف العشر الى من بصرف اليه الزکوٰۃ اه قال فی الجوهره: مصرفه مصرف الزکوٰۃ۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از بنارس محلہ پیر کندہ و مرسلہ مولوی مسدین ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ  
نا تا، ثانی، چچا کو زکوٰۃ دینا دلیتا جائز ہے یا نہیں؟ ینبذ اتو جردا۔

### الواب

نا تا ثانی کو نہیں دے سکتا۔ چچا کو دینا جائز ہے بلکہ اس میں دو ہر اواب ہے، صدقہ اور صلہ رحمی۔  
خانہ ص ۱۲۸ میں ہے: "راى لا بسجوز دفع الزکوٰۃ الى والدہ و اجدادہ و جدانہ وان علوا من قبل الیاء و المہات و بسجوز الى سائر قرابتہ نحو الاحوة و الاحوات و الاعمام و العمات و الاحوال و العائلات اه۔" "ہکذا فی کثر الدقائق و شرحہ البحر و نبین الحفاظ فی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔"

☆☆☆☆☆

مسئلہ از ملک کاٹھیا و ارسلع راجکوٹ، دھوراجی مرسلہ مولیٰ الان ۳ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ  
بمذمت فیض درجہ، مجدد ملکہ حاضرہ، عالم الہدیت، مولانا دیال فضل اولانا، کترین حاجی مولیٰ الان مقام بد دھوراجی بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے عرض رسائی ہے کہ بندہ کے زکوٰۃ کے بارے میں جو کچھ کوشش ہوتی ہے وہ خود بھی کرتا ہے اور دوسروں سے دلا کر حق الہیہ ادا کرتا ہے۔ اور اس دینے میں حضرات سادات کرام کو بھی اہل شامی و بحر الرائق و مراقی الفلاح شامل کرتا ہے۔ پر اب مولانا مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی مرحوم کے فتاویٰ جلد اول میں ایک فتویٰ دیکھنے میں آیا، جس میں صاف ممانعت حضرات سادات کو دینے کی لکھی ہے بلکہ شامی، بحر الرائق اور مراقی الفلاح کے قول کو صاف نامعتبر لکھا ہے۔ لہذا میں متروک ہوں کہ حضرات سادات کرام کے لئے غیروں کے پاس میں جو کوشش کرتا ہوں تو محنت و برباد اور رگنا لازم ہوتا ہے۔ اس لئے گذارش ہے کہ حضرات سادات کو زکوٰۃ دینے اور نہ دینے کا جواز یا عدم جواز موافق حکم شریعت غراء کے لکھ کر ناچیز کو اس شخص سے نجات بخشیں اور عند اللہ ماجد و عند الناس مشکور ہوں۔ ینبذ اتو جردا۔

### الواب

بنی ہاشم کو زکوٰۃ و صدقات دینا زہار جائز نہیں۔ نہ انہیں لینا حلال۔ سیدنا سید عالم الصلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر حدیثیں

الام  
علا

کے تحریر میں وارد آئیں۔ ہمارے ائمہ مختلف بالا جماع بنی ہاشم پر تحریم صدقات فرماتے ہیں اور کاتب فقہی علی الاطلاق اسی پر  
شہرہ راہیہ متفقین اہل شریعہ و فتاویٰ و دارباب صحیح و فتویٰ مجلس امام ابو بکر مرغینانی صاحب ہدایہ و امام فقہیہ الشافعی خاں و امام  
۔۔۔ صاحب خلاصہ و امام صاحب کافی و غیر ہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بے اشعار خلاف، امر جائز کہ مسئلہ میں کوئی روایت ضعیف  
۔۔۔ نہ بھی نہیں دیتی۔ قابل التفات سمجھنا تو دور کنار اور جن بعض نے اس کا ذکر کیا تھا، ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ مذہب کے  
۔۔۔ فہرہ راہیہ روایت سے جدا ہے۔ جس کے حاکم فی فہرہ راہیہ جامع ہیں۔

مجلس الاشراف میں ہے: "لا ندفع الی ہاشم وهو ظاهر الروایۃ وروی ابو عصمۃ عن الامام انہ یحوز

فی صدقہ۔"  
اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ جو کچھ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے ہمارے ائمہ کا قول نہیں بلکہ مرجوع عنہ ہے اور  
۔۔۔ جن عنہ پر عمل نہ جائز۔

۔۔۔ حیرت انگیز عالم القلیطن اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں: "هذا هو المذهب الذي لا يعدل عنه الى  
۔۔۔ مدہ راہیہ روایات خارجۃ عن ظاہر الروایۃ وما خرج عن ظاہر الروایۃ فهو مرجوع عنہ لما قوروه  
۔۔۔ "جمع۔ من عدم امکان صدور قوانین مختلفین منساونین عن مجتہد والمرجع عنہ لم یبق قولاً لہ  
۔۔۔ "تبرہ و حیث علم ان القول هو الذي تواردت علیہ المنون فهو المعتمد المعمول به الخ۔"  
۔۔۔ یہ کہ پھر اس زمانہ پر آشوب میں حضرات سادات کرام کی مواسات کیونکر ہو؟

۔۔۔ قبل: بڑے مال والے اگر اپنی خاص جیب سے بطور غرور و ہد یہ ان حضرات کی خدمت نہ کریں تو یہ ان کی بے  
۔۔۔ مدہ راہیہ بنی ہے۔ وہ وقت یاد کریں جب ان حضرات کے جدا احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ظاہری آنکھوں کو بھی طیاد ماویٰ نہ  
۔۔۔ تے گا۔ یہ پتہ نہیں آتا کہ وہ مال، جو انھیں کے صدقہ میں انھیں کی سرکار سے عطا ہوا، جسے غریب چھوڑ کر بھروسے ہی خالی  
۔۔۔ تہ۔ زمین جانے والے ہیں، ان کی خوشنودی کے لئے ان کے پاک مبارک بیٹوں پر اس کا ایک حصہ صرف کیا کریں۔  
۔۔۔ سخت حاجت کے دن اس بجا و درکیم رؤف و رحیم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے ہماری انعاموں سے شرف ہوں  
۔۔۔ مرتبہ صلی اللہ علیہ وسلم والے اگر معارف متبعہ کی وسعت نہیں دیکھتے تو بھلا اللہ تعالیٰ وہ نہ تیر ممکن کہ زکوٰۃ کی زکوٰۃ ادا ہوا اور خدمت  
۔۔۔ دہشت بھی ہو۔ یعنی کسی مسلمان مصرف زکوٰۃ مستعد الیہ کو جو اس کی بات سے نہ پھرے، مال زکوٰۃ میں کچھ روپے نہ نیت  
۔۔۔ دہشت ہے۔ لک کر دے۔ پھر اس سے کہے کہ تم اپنی طرف سے فلاں سید کو نذر کرو۔ تو قرض ادا ہو گیا اور خدمت سید کا  
۔۔۔ دہشت ہے۔ اب سے ادنیٰ غریبوں کو ملے۔

ترجمہ میں اور ہند میں ہے: "اذا اراد ان یکف من زکوٰۃ ماله لا یحوز والحبلة ان یصدق ینہا علی  
فقیر من ہل المیت ثم ہو یکف بہ فیکون لہ ثواب الصدقة ولا ہل المیت ثواب التکفین و کتالک فی  
حبیبہ سرائخ۔"

مگر اس میں اتنی دقت ہے کہ اگر اس نے نہ مانا تو اس پر کوئی راہ جبر کی نہیں کہ اگر وہ مالک مستقل ہو چکا ہے۔  
 اختیار ہے چاہے دے یا نہ دے۔ لہذا فقیر غفر اللہ کے نزدیک اس کا اسن طریقہ یہ ہے کہ مثلاً دو ذکوة سے میں روپیہ سید کو  
 نذر یا مسجد میں صرف کیا جاتا ہے۔ کسی فقیر، عاقل، بالغ، مصروف ذکوة کو کوئی کپڑا مثلاً ڈوپی یا سیر، سبزی وغیرہ دے دے کہ ہم  
 یہ تمہیں دیتے ہیں مگر مفت دیں گے۔ میں روپیہ کو کچن گئے۔ یہ روپیہ تمہیں ہم اپنے پاس سے دیں گے کہ ہمارے مطالبہ  
 میں واجب کر دو۔ اب بیع شرعی کر کے روپے نہایت ذکوة اُتے دے۔ جب وہ قابض ہو جائے، اپنا مطالبہ شن میں پہلے  
 اول خود بخود ہی اے اور وہ انکار نہ کرے گا۔ اور اگر کیا بھی تو یہ جبراً چھین لے کہ وہ اس قدر میں اس کا مدیون ہے۔ اور اگر  
 جب اپنے ذہن کی بغض سے مال مدیون پائے تو بالابتلاق ہے اس کی رضامندی کے لے سکتا ہے۔ اب یہ روپیہ کے لئے بطور  
 نوسود ماننا ہے مسجد میں صرف کر دے کہ یہ وہاں مراد میں حاصل ہیں۔

وروي عن أبيه: "يعطى مديونه القليل زكوة ماله ثم يأخذها من دينه ولو اتعنت المديون مديده وأخذها لكونه ظفر بجنس حقه اهـ". من الزهر اللباسم في حرمة الزكوة على بشي هاشم لعالم اهل السنة محمد الباعا الحاضرة سيدي احمد رضا عن منع الله المسلمين بطول يقاتنه. والله تعالى اعلم.



مسئلہ مرسلہ رحیم بخش خان بہادر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! بعد آداب و تسلیمات کے عرض خدمت اقدس ہے۔ جناب عالمی! ایک شخص سید زادہ ہے اور وہ شخص قرض دار ہے۔ اور اس شخص کے معاش سے قرض ادا نہیں ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی قرض کے مال سے اس کا قرض ادا کر دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ ایک شخص کہتا ہے کہ جائز ہے اور ایک شخص کہتا ہے کہ ناجائز ہے۔ تو آپ کیا فرماتے ہیں؟ صحیح طور پر دلیل لکھ کر روانہ فرمائیں۔ بیوقوف و جروافقت۔

۱۔ جواب

زکوٰۃ اور اسی طرح تمام صدقات واجبہ، اوساخ الناس حضرات مساوات کرام کو دینا ناجائز و حرام، نہ ان کے

۱۔ مجھے زکوٰۃ ادا کرو۔

فتح التدریس میں ہے: "لا تدفع الی ینی حاشم هذا ظاہر الروایۃ۔"

مجمع الأنهر میں ہے: <sup>۳۳</sup> "لا تدفع الی بنی ہاشم وهو ظاہر الروایۃ۔"

رہا یہ کہ پھر ایسی حالت میں حضرات سادات کرام کی موسسات کیونکر ہو جائے؟ اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ کسی مسلمان، معروف زکوٰۃ، معتدلیہ کو جو اپنی بات سے نہ بچھے، مال زکوٰۃ سے کچھ روپیچے بہ نسبت زکوٰۃ دے کہ مالک کر دے۔ پھر اس سے کہے: تم اپنی طرف سے فلاں سید صاحب کو کنز رکرو اور اس میں دونوں تقصود حاصل ہو جائیں گے کہ زکوٰۃ اس فقیر کو ملے اور یہ جو سونے مانا، نہ رات تھا۔ اس کا فرض ادا ہو گیا اور خدمت سید کا مل ثواب اس سے اور فقیر دونوں کو ملا۔



ذخيره ويهديه لمن يشاء. "وإذا أراد أن يكفن ميتا من زكاة ماله لا يجوز والحيلة أن يتصدق بها على فقير من أهل الميت ثم هو يكفن به، يكون له ثواب الصدقة ولأهل الميت ثواب التكفين وكذلك في جميع أبواب البر كعمارة المساجد وبناء الفناطير، الحيلة أن يتصدق بمقدار زكوة على فقير ثم يأمره بالصرف إلى عدة الوجوه فيكون للمنتصدق ثواب الصدقة وللفقير ثواب بناء المسجد والفتنة أهله مخلصا. "

أقول ويظهر لي أن ثواب تلك القرب لهما جميعا لأن من دل على خير كان كفاعله والتفصيل في فتاونا والله تعالى أعلم.

صح الحواب فقير احمد رضا قادري غفر له

☆☆☆☆☆

## کتاب الصوم ۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ کیا روزہ ارکان اسلام میں شامل ہے؟ اور قرآن کریم میں "فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ" کی آیت میں "شہد" سے کیا مراد ہے؟ اہم کتابوں کے حوالے سے مزین کر کے جواب عنایت فرمائیں۔ بیوا تو جروا۔

### الجواب

بلاشبہ روزہ ماہ مبارک بھی اہم و اعظم فرائض اسلام سے ہے۔ جس کی فرضیت خود قرآن شریف میں مذکور اور احادیث صحیحہ کا پتہ سے مدلل ہے۔ قال تعالیٰ: "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ"۔ (البقرة: ۱۸۵) رمضان کا مہینہ وہ ہے (حبرکہ مہینہ) جس میں قرآن نازل کیا گیا لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اور فیصلہ کی روشن بائیں، جو جو شخص پائے تم میں سے اس مہینہ کو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔ "فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ" کی تفسیر میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ چند اقوال جو اس وقت نظر تفسیر میں ہیں، قلمبند ہوتے ہیں۔

(۱) تفسیر بیضاوی، جلالین، مدارک، تفسیر خازن، ابن جریر طبری، تفسیر نیشاپوری، درمنثور، تفسیر واحدی، تفسیر حسینی، معالم التنزیل، تنویر المقیاس، روح المعانی، بحر الحیط، انہر، تفسیر کبیر، تفسیر کشاف، تفسیر ابن کثیر، فتح البیان، توحی، میں ہے: وَالْمَلْفُظُ لِلْأَوَّلِ "فَمَنْ حَضَرَ فِي الشَّهْرِ وَلَمْ يَكُنْ مُسَافِرًا فَلْيَصُمْهُ" یعنی جو شخص رمضان کا مہینہ اپنے گھر میں پائے اور مسافر نہ ہو تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

(۲) تفسیر بیضاوی، تفسیر حسینی، روح البیان، بحر الحیط میں ہے: وَالْمَلْفُظُ لِلْبَيْضَاوِيِّ "فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمْ هَلَالِ شَهْرِ فَلْيَصُمْهُ" یعنی جو شخص تم میں سے رمضان کا چاند پائے تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

روح المعانی میں اتارا پڑھایا "وَيَتَبَنُّ بِهِ" یعنی رمضان کا چاند پائے اور اسے تبین ہو تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔ بحر الحیط میں یہ معنی لکھ کر مجاورہ کے اعتبار سے اس معنی کو ضعیف کہا کہ مجاورہ شہادت الہلال میں کہتے بلکہ شہادت۔

اقول: وهذا كما قرئ لانك تقول شهدت الهلال لما رايته وشهدت الهلال اعم منه كما صرح به في نفسه لقوله وشهد من الشهود والتركيب يدل على الحضور اما قاتا او علما وقد قيل لكل منهما۔

(۳) تفسیر فتح الرحمن، غامض علی مہاشمی میں ہے: "فَمَنْ شَهِدَ" اى علم (منكم الشہر) یا استكمال شعبان او شاهد الہلال (فليصمه)۔ "یعنی تم میں سے جس کو ماہ رمضان کا علم ہو شعبان کے کہہ کیئے سے تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

(۲) تفسیر کبیر میں ہے: "فمن شهد" ای من شاہد الشہر بعقلہ و معرفتہ (قلیصہ) "یعنی جو شخص ماہ رمضان کو حاضر جائے اپنی عقل سے، معرفت سے تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔ اگرچہ بقا ہر متعدد اقوال معلوم ہوتے ہیں مگر سب ایک ہیں لہذا فیہ بمنزلہ فیود و احترازا۔ خلاصہ یہ کہ جسے رمضان شریف کا علم ہو، خواہ چاند دیکھ کر یا اللہ سے، وہ اسی سے، ورنہ شعبان کے تیس دن پورا کر کے اس پر فرض ہے کہ رمضان کا روزہ رکھے، جب کہ عاقل بالغ مکلف تیس روزہ تندرست غیر معذور ہو۔ اس لئے کہ شہود کا معنی علم کے ہیں۔ کما صرح بہ المہامی فی فتح الرحمن و انوار الہیہ ص: ۱۰۱ فی "روح المسائل فی الفروع" لفقولہ شہود الشہر اما بالرویہ و السماع و الخازن لفقولہ "وفیل ہو محمول علی تعدد شہود الشہر ای روئے الهلال و لذلک قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صوموا لرویتہ و اقظروا لرویتہ حدیثہ فی الشیخین ولا خلاف انہ یصوم رمضان من رآی الهلال و من استكمل شعبان و فصلہ الامام الرازی فی الحدیث کہ ہو ذابہ حیث قال: "اعلم ان قولہ تعالیٰ فمن شهد منکم الشہر فلیصمہ یسندعی یحین۔ البحث الاول۔ صوم و تنہیہ بما ذا یحصل؟ فنقول اما بالرویہ و اما بالسماع فنقول اذا رآی انسان هلال رمضان فاما ان یکون مسلم۔ شمس الرویہ أو لا یکون؟ فان کان منفردا بحدیثہ او بالامام شہادۃ او لا بردھا؟ فان نفرد بالرویہ ورد۔ مد شہادۃ لزمہ ان یصوم لأن الله تعالیٰ جعل فی حقہ فوجب ان یجب علیہ الصوم و اما ان انفرد بالرویہ وفیل مد شہادۃ او لم ینفرد بالرویہ فلا کلام فی وجوب الصوم و اما السماع فنقول اذا شہد عدلان علی روئے حدیث۔ حکم بہ فی الصوم و القطر جمیعاً و اذا شہد علی هلال رمضان بحکم بہ احتیاطاً لا امر بالصوم۔" (عسکری تفسیر ۲۵۶/۵)

نہ دو قول اکابر مفسرین کی تصریح سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوئی کہ من شہد منکم الشہر کے معنی من علم کے ہیں۔ یہی مفہوم حدیث شریف "صوموا لرویتہ و اقظروا لرویتہ" کا ہے۔ کما نص علیہ الخازن و بعد نصریحات حدیثی کتب اللغۃ لسان العرب بین الرویۃ النظر بالعين والقلب۔ اسی میں ہے: "رویۃ القلب ہو العلم" یہ حدیث شریف کا مطلب یہ ہوا کہ روزہ رکھو رمضان کا، خود چاند دیکھ کے یا دو عادل کی روایت پر پھر دوسرے کے یا تین کے تیس دن پورے کر لو کہ اس کے بعد کا دن ضرور رمضان ہی کا ہے۔ یونہی انتظار کرو عید کا چاند دیکھ کر ورنہ دو عادل کی روایت پر پھر دوسرے کے ورنہ ماہ رمضان کا تیس دن پورا کر کے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

## عید کا چاند

(رسالہ مبارکہ "عید کا چاند" کے آغاز میں مرحب قیس محمد خاں قادری رزاقی کے وہ مراسلات ہیں جو انہوں نے میر تقی میر سے اہل حدیث اور امیر شریعت پھلواری شریف کی خدمت میں چاند کی بابت ارسال کئے تھے۔ پھر ان پر

مفصل تنہیدی تہرہ اور ماہنامہ نقب کے ایڈیٹر کے متفقہ طور پر علمی مجاہدہ ہے۔ چونکہ یہ چیزیں زیر نظر کتاب سے غیر متعلق تھیں، اس لئے انہیں حذف کر دیا گیا۔ ۱۲ اساطیل)۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین ان مسئلوں میں:

- (۱) روزہ رکھنا کب فرض ہوتا ہے اور کب روزہ کھونا اور عید کرنا واجب ہوتا ہے؟
- (۲) چاند دیکھنے سے کیا مراد ہے؟ ہر مقام اور ہر شہر والوں کو خود ان کے دیکھنے پر حکم ہوگا یا ایک جگہ کی رویت سے دوسری جگہ روزہ رکھنے اور کھانے کا حکم ہوگا اور کب؟
- (۳) اگر اس بارے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں تو ان قولوں میں کس پر فتویٰ ہے کس پر عمل کرنا چاہئے؟
- (۴) شرق مغرب کا ایک حکم ہوتا اس وقت تھا جب ریل و سرائی کے ذرائع محدود تھے۔ اب سارے کرۂ زمین کی خبر چند منٹوں میں معلوم ہو جاتی ہے۔ ایسے وقت لندن کے افق پر چاند ہونے کو ہندوستان کے افق پر مانا کیونکر ممکن ہے؟
- (۵) زمانے کی ایجادات ریڈیو، تار، ٹیلیفون، ٹرانسک کال وغیرہ سے جب خبروں کی آسانیاں پیدا ہو چکی ہیں تو ان کو نہ ماننا اور لکیر کے فقیر بنے رہنا خود کو سو برس پیچھے دھکیل دینے کے مرادف ہے اور اس بارے میں عام علمائے ہندوستان کا کیا فتویٰ ہے؟

(۶) سنہ میں آیا ہے ۱۹ مارچ کو مراد آباد میں جمعیت العلماء نے متفقہ طور پر فتویٰ دیا ہے کہ ریڈیو کے ذریعہ نیت ہلال کی خبر دے سکتی ہے۔ اس فتوے کے متعلق جناب کی کیا رائے ہے؟

امید کہ ان سوالوں کے جوابات آیات و احادیث و کتب فقہیہ کے علاوہ حضرت امیر شریعت اول جناب مولانا سید شاہ بدر الدین صاحب سجادہ نقشب پھلوار شریف قدس سرہ کی تحقیقات کی روشنی میں تحریر فرمایا جائے تو بہت بہتر ہو کہ خود غرضوں کے سوا صوبہ بہار کے علماء و عوام کسی کو ماننے میں نہ عار ہو اور نہ کسی کو مت انکار ہو۔ بیوا تو جردا۔  
قیس محمد خاں قادری رزاقی عفی عنہ محلہ مظہر پورہ پٹنہ شیشی ۲۲ مارچ ۱۹۵۱ء

## الـجـواب

جواب سوال اول: فقال الله تعالى: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ فَمَن مِّنكُم مَّرْضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَمَا عَلَيْهِ مِنَ صِيَامٍ فَلَْيَصُمْهُ: ”رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترنا لوگوں کے لئے ہدایت اور راہ نمائی اور فیصلہ کی روشنی باتیں تو تم میں جو کوئی پائے یہ مہینہ ضرور اس کے روزے رکھے۔

صن سے مراد عاقل بالغ جو مسلمان عاقل بالغ اس مہینے رمضان میں مسافر نہ ہو بلکہ مقیم ہو تو اس پر روزے رکھنا میں ہوتا جو سفر کا مقابلہ ہے یعنی جو مسلمان عاقل بالغ اس مہینے رمضان میں مسافر نہ ہو بلکہ مقیم ہو تو اس پر روزے رکھنا



مقیم ہو اور رمضان مبارک کا چاند دیکھے تو چاہئے کہ روزہ رکھے۔ یعنی خیر و برے، فرض ہے کہ روزہ رکھے۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہے کہ شہود ماہ رمضان سے اہل اسلام پر روزہ فرض ہو جاتا ہے اور شہود رمضان سے غرض ماہ رمضان کا چاند دکھائی دینا ہے۔

پھر اسی استفتاء کے ص ۵ پر تحریر فرماتے ہیں اور اگر آسمان صاف ہونے کے ساتھ ۲۹ کو چاند نہ دیکھا گیا، وہاں کے آدمی نے چاند نہ پایا، وہ شعبان کا ۳۰ دن پورا کرنے کے بعد ماہ رمضان جانے اور روزہ رکھے پھر اگر ۲۹ شعبان کو ابر ہونے کے سبب سے چاند ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ نہ ہو سکے تو بھی شعبان کا ۳۰ دن پورا کرنا ہوگا۔ کیونکہ آیہ کریمہ کے موافق اس نے رمضان کا مہینہ ابھی پایا نہیں ہے۔ ہاں اگر قرب و جوار سے ۲۹ کے چاند ہونے خبر کی تحقیق ہو جائے، مسلمان چاند دیکھنے والے کی گواہی سے چاند ہونے کی تصدیق ہو جائے تو ۲۹ ہی کے حساب سے مہینہ لیا جائے گا اور روزہ بھی اسی حساب سے فرض ہوگا۔

پھر اسی استفتاء کے ص ۹ پر اس مسئلہ کو حدیث جامع ترمذی: ”صوموا للرب ویتعوا واطعموا للبریۃ فان حالت دو نکم غیبا یتعوا فاکملوا ثلثین یوما“ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور افطار کرو چاند دیکھ کر، اور اگر بدلی حائل ہو جائے (چاند نہ دیکھنے سے) تو تیس دن بیٹے کا پورا کر دو، سے بدل کر کے کے بعد فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حکم یہ ہے کہ بدلی حائل ہونے کے سبب سے اگر ۲۹ شعبان کو چاند نہ ہو تو تیس دن پورا کر کے روزہ رکھو اور اگر عید کا چاند ۲۹ رمضان کو نظر نہ آئے تو تیس دن روزے کے پورے کر دو، نہ یہ کہ دور کے شہر و ملک کی روایت کی خبر تاہم برقی پر منکاؤ اور اس برقی خبر پر ۲۹ دن کے بعد روزہ رکھ لو یا عید مناکو اور روزہ کو رخصت کر دو۔

پھر بحوالہ علامہ شیخ ابو عمر یعنی ابن عبد البر کا قول نقل کرتے ہیں: ”لا یصح اعتقاد رمضان الا برویۃ قاضیۃ او شہادۃ عاقلۃ واکمال شعبان ثلثین یوما وعلیٰ مذهب جمہور فقہاء الا متنا واما المحاکم والعراق والشام والمغرب“ ماہ رمضان ہونے کا اعتقاد صحیح نہیں مگر صاف ظاہر رویت ہلال سے یا عادل کی گواہی سے یا ماہ شعبان کا تیس دن پورا کرنے سے۔ اسی پر بلا و حجاز اور عراق اور شام اور ملک مغرب کے جمہور فقہاء کا مذہب ہے۔

پھر فرماتے ہیں: اور جمہور قد ووا کے معنی کہتے ہیں اکملوا یعنی پورا کر دو تیس دن۔ حدیث کا مفاد یہ ہے کہ ابتداء کے ماہ میں روزہ کا واجب ہونا اور انتہائے صوم میں افطار کا واجب ہونا، دونوں ہی کا تعلق چاند ہو جانے سے ہے اور چاند کا ہونا اپنی جگہ یا قرب و جوار کی رویت پر ہے، نہ حساب نجوم پر نہ اور شہروں سے برقی خبر منگانے پر۔

نیز امیر شریعت اول رحمہ اللہ اسی استفتاء کے ص ۱۳ پر فرماتے ہیں: اہل کی حالت میں تیس دن کا مہینہ پورا کرنا شعبان میں ہو یا رمضان، ہر ایک میں ہے۔ عقود الحجۃ احر ”المتنیقۃ فی روایۃ الامام ابی حنیفہ رحمہ اللہ“

سے مرتضیٰ زبیدی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں: "وفيه عن الحكم بتملن بالروية ولا عبرة بقول المؤمنين وان كانوا عد ولا في الصحيح وهو مدح الجمهور والامن شذمن المتأخرين۔" اس روایت میں حکم چاند کیفے کے متعلق ہے اور یقین سے بتانے والے کے قول کا اعتبار نہیں اگرچہ وہ عادل ہوں۔ صحیح اور جمہور کا مذہب یہی ہے کہ اگر چاند نکلتے کی جگہ آسمان میں ابر یا غبار کی وجہ سے رویت نہ ہو اور قرب و جوار سے رویت کی خبر آئے تو ماہ رمضان کے چاند کی تحدیق ایک مسلمان کی گواہی سے ہو جائے گی عادل ہو یا نہ لیکن فاسق نہ ہو اور ماہ شوال کی رویت کے لئے دو آداب عادل کا ہونا چاہئے۔ غیر عادل یا ایک کی گواہی افطار کے لئے معتبر نہیں۔

یہ چند اقتباسات استفتاء سے رویت ہلال کے بحوالہ صفحے لکھے گئے۔ اب حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ کے جواب استفتاء سے رویت ہلال کے چند اقتباسات تمام علمائے ہند خصوصاً حضرات صوبہ بہار کے لئے پیش کرنا مناسب ثابت ہوں جس سے مسئلہ روز روشن کی طرح واضح اور امین ہو جائے۔ جواب ش ۵ پر لکھتے ہیں: ومرتضیٰ جلال الدین سیبلی لکھتے ہیں: "واعرج الحاکم وصححه والبیہقی فی سننہ عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: جعل اللہ الالهة موافق للناس فصوموا لربہ وافطر والہ وبہ فان غم علیکم وعدواثلثین۔" "حاکم نے اس کو روایت کیا اور صحیح بتایا ہے اور سیبلی نے اپنی سنن میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا نے چاند کو لوگوں کے اوقات بتانے کو بنایا ہے تو روزہ رکھو اسے دیکھ کر اور افطار یعنی فطریوم عید کو اس کو دیکھ کر۔ پھر اگر وہ تم پر پوشیدہ ہو جائے تو میں دن رمضان کے شجر کر لو۔"

پھر جس ۱۰ پر فرماتے ہیں: قاضی ابوبکر بن عربی مالکی اپنی تفسیر احکام القرآن میں لکھتے ہیں: "محمول علی سعادۃ بمشاهدة الشہر وہی روية الهلال وكذلك قال صلی اللہ علیہ وسلم: صوموا لربہ وافطر۔" یہ مبینہ دیکھنے کی عادت پر محمول ہے اور وہ چاند دیکھنا ہے۔ ایسا ہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: روزہ رکھو چاند دیکھ کر اور افطار کرو (یعنی مہینہ تمام کرو) چاند دیکھ کر۔

پھر اس جواب کے ص ۱۲ پر تحریر فرماتے ہیں: رمضان مبارک کا چاند ہونے کے بعد روزہ کی ابتدا ہوتی ہے۔ سی طرف رویت شوال پر روزہ کا تمام ہونا بھی ہے۔ تفسیرات احمدیہ میں ملا احمد لکھتے ہیں: "وفيه اشارۃ الی ان صوم والنفطر یعنہی روية الهلال وهو الذی علیہ اسم الشہر سواء کان تسعة وعشرين او ثلاثین ہذا مکملہ۔" اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ روزہ اور فطر کا اعتبار کیا جاتا ہے چاند دیکھنے پر اور اسی پر مہینہ کا نام ہے، خواہ اثنیس دن کا ہو یا پورے تیس دن۔"

پھر فرماتے ہیں: اور تفسیرات احمدیہ میں ملا احمد معروف بہ ملا جیون لکھتے ہیں: ”ای یومید الله ان نکملوا مدة رمضان من الهلال الى الهلال كاملة اذا كان عطيا بالکل من عليه الصوم او تکملوا عدة فضائه اذا كان عطيا بالمسافر والمريض خاصة۔“ ”حضرت تعالیٰ چاہتے ہیں کہ رمضان کا شمار ایک چاند سے دوسرے چاند تک کامل پورا کرو، جب خطاب ان کی طرف سمجھا جائے کہ جن پر روزہ فرض ہے یا یہ مہتی کہ قضا شدہ روزہ کو کن کر پورا کرو جب خطاب خاص کر مسافر یا بیمار کے لئے سمجھا جائے“ اور اسی قول کو علامہ عبدالعزیز کی تفسیر فتوحات ربانیہ اور ابو جہان اعلیٰ کی تفسیر بحر المحیط اور امام جلال الدین سیوطی کی تفسیر درمنثور کی عبارات سے اور تقویت بہو نیچائی۔

الحمد للہ کہ جواب سوال اول کا آئیہ کریمہ تفسیر، حدیث کے علاوہ حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ کے استثنائے رویت ہلال و جواب استثنائے رویت ہلال کے اقتباسات سے جن کو حضور نے میں کتابوں کی عبارات سے مبرہن و مدلل فرمایا ہے مختصر آبدیہ ناظرین ہے۔ وہ سوال و جواب جس کو ذاتی رائے کہہ کر رد کیا جاتا ہے اور حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ کے فتویٰ کی پرواہ نہیں کی جاتی ہے۔ یہ وہ تحریر ہے جس سے روزہ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ رمضان شریف کی ابتدا اور اسی طرح عید بھی چاند دیکھنے ہی سے ہوتی ہے اور ۲۹ شعبان کو چاند نہ ہو تو تیس دن پورے کر کے روزہ رکھنا فرض ہوگا اور اسی طرح اگر شوال کا چاند ۲۹ رمضان کو نہ ہو تو تیس دن پورے روزہ رکھ کر عید کرنی ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**جواب سوال دوم:** اس بارے میں علما کے تین قول ہیں:

**پہلا قول:** ہر شہر کی رویت اسی شہر والوں کے لئے ہوگی۔ دوسری جگہ والوں کے لئے اس کا حکم نہ ہوگا۔ یہ قول قاسم، سالم، بکر، الخ وغیرہ کا ہے۔ یہی مذہب اہل حدیث کا ہے۔

امیر جماعت اہل حدیث مولانا حکیم سید عبدالغنی صاحب اپنے فتویٰ منسلک جامعہ الاقوال فی رویۃ الحلال ص ۴۷ میں سوال ایک جگہ کہ چاند دیکھنے سے دوسری جگہ کے لوگوں کے لئے روزہ، عید الفطر، عید اضحیٰ کا حکم ہوگا یا نہیں؟ کے جواب میں لکھتے: ہیں ایک جگہ کے لوگوں کے چاند دیکھنے سے دوسری جگہ کے لوگوں کے لئے اس چاند کا حکم نہیں چل سکتا: جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں حضرت کریم کے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ملک شام سے مدینہ منورہ پہونچے اور انہوں نے شب جمعہ کے چاند دیکھنے کی خبر دی اور مدینہ والوں نے چاند شب شب کو دیکھا تھا تو حضرت عبداللہ ابن عباس نے اس روایت کو مدینہ والوں کے لئے نہیں قبول کیا اور یہ کہا کہ ہم اپنی رویت کے حساب سے روزہ رکھیں گے اور یہ صرف اپنی ہی رائے نہیں بیان فرمائی بلکہ فرمایا: حکذا امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ استثنائے رویت ہلال ص ۷ پر حدیث مسلم شریف مذکور قرمدی شریف سے



نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: جامع ترمذی میں اس مضمون کا ایک باب ہی قائم کیا ہے باب ماجاء لكل بلد رویتهم پھر اس حدیث کو نقل اور ترجمہ کر کے شرح مسلم نووی سے اس کے فوائد و اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اس روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا اجتہاد نہیں ہے کہ انہوں نے بتا دیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسا ہی کرنے کو حکم فرمایا ہے اور اس بنا پر اہل ملک شام کے چاند دیکھنے اور ان سب کے مع امیر کے روزہ رکھنے کی خبر سننے کے ساتھ امر نبوی ہی پر اپنا عمل رہنا ظاہر کیا۔

یہ جواب استفتائے رویت ہلال ص ۳۳ پر محمد ابوالطیب سندی کی شرح جامع ترمذی سے نقل فرماتے ہیں: ”قوله هكذا امرنا وسول الله صلى الله عليه وسلم يحتمل ان يكون معناه انه امرنا ان لا نقبل شهادة الواحد في حق الاقطار او انه امرنا بان نعتمد على رواية اهل بلدنا ولا نعتمد على رواية غير اهل بلدنا والمصنف حمل على المعنى الثاني فلذا استدل به۔“ ”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا کہنا کہ ہم کو ایسا ہی حکم دیا ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، احتمال رکھتا ہے اس کا معنی یہ کہ آپ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ایک شخص کی شہادت اقطار کے بارے میں ہم قبول نہ کریں یا یہ کہ ہمیں آپ نے حکم دیا ہے کہ اپنے شہداء لوں کی رویت پر ہم اعتماد کریں اور اپنے شہر کے سوا دوسرے شہر کی رویت پر اعتماد نہ کیا جائے۔ مصنف (امام ترمذی) نے اس کو معنی دوم پر حمل کیا اور اسی بنا پر اس حدیث سے استدلال کیا۔“

پھر ص ۳۹ پر ترمذی شریف کے دوسرے شارح سراج احمد رحمہ اللہ سے نقل فرماتے ہیں: ”ظاہرہ اعتبار اختلاف المطالع قال الخطابی ذهب إلى ظاهره القاسم و سالم وعكرمة وهو مذهب اسحق وقالوا ان لكل قوم رویتهم انتھی۔“

”اس حدیث کا ظاہر اختلاف مطالع کا اعتبار کرنا ہے خطابی نے کہا کہ اس حدیث کے ظاہر کی طرف قاسم، سالم اور عکرمة رحمہم اللہ گئے ہیں اور یہ مذہب اہل حق کا ہے اور ان سب نے کہا کہ ہر قوم کے لئے ان کی رویت معتبر ہے۔ اہل حق۔“

**دوسرا قول:** یہ ہے کہ دوسری قریب جگہ کی رویت کا اعتبار کیا جائے، دور کی رویت معتبر نہ ہوگی۔ پھر قریب

اور دور کی حدود میں اختلاف ہوا ہے۔ اس بارے میں علما کے پانچ قول ہیں:

(۱) جہاں تک نماز قصر نہیں کی جاتی ہے، وہ قریب ہے اور جہاں نماز قصر کی جاتی ہے، وہ دور ہے۔

(۲) جہاں تک مطالع واحد ہو، وہ قریب ہے اور جہاں کا مطالع دور ہو، وہ دور ہے

(۳) جہاں تک اقلیم کا اتحاد ہو، وہ قریب ہے اور دوسری اقلیم دور ہے یعنی ایک اقلیم میں کسی جگہ چاند ہونے سے پورے

اقلیم میں روزہ رکھنا اظہار کرنا فرض ہوگا۔ دوسری اقلیم میں یہ حکم نہ ہوگا۔

(۳) ایک مہینہ سے کم کی راہ ہو تو وہاں ایک حکم ہوگا اور مہینہ بھر سے زیادہ کی راہ ہو تو وہاں چاند ہونے سے دوسری جگہ نہ ہوگا اور اس راہ سے پیدل چلنے کی راہ ہے، نہ موٹر، ریل گاڑی، ہوائی جہاز سے۔  
(۵) ۲۳ فرسخ سے کم ہو تو ایک حکم ہوگا اور اس سے زائد فاصلہ ہو تو دوسرا سمجھا جائے گا۔

حضرت امیر شریعت اول استخارہ ویت ہلال ص ۶ پر تحریر فرماتے ہیں: ”ہاں اگر قرب و جوار سے ۲۹ کے چاند ہونے کی تحقیق ہو جائے، مسلمان چاند دیکھنے والے کی گواہی سے چاند ہونے کی تصدیق ہو جائے تو ۲۹ ہی کے حساب سے مہینہ لیا جائے گا اور روزہ بھی اسی حساب سے فرض ہوگا۔ کیونکہ یہاں امر کے حائل نہ ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہ آیا اور قرب و جوار میں کسی جگہ مطلع سے ابر ہٹا ہونے کے سبب سے نظر آگیا اور وہاں سے خبر تصدیق آگئی تو یہاں کے لوگ بھی مہینہ پانے والے سمجھے جائیں گے اور روزہ رکھنا فرض ہوگا جب قرب و جوار کے دیکھنے کی تصدیق ہوگئی تو اگر اگر کا حجاب نہ ہوتا تو یہاں بھی دیکھا جاتا، اس کی تصریح کی حدیث شریعت سے ظاہر ہوتی ہے (اس جگہ حضور نے حدیث اعرابی سردی عن ابن عباس نقل کر کے ترجمہ کیا پھر فرمایا) اور منزلوں و ورت سے ۲۹ کے چاند کی خبر آئے تو اس پر اعتبار نہ ہوگا اس لئے کہ فہم شہد مستکم سے مخاطب وہیں تک کے لوگ ہو سکتے ہیں جہاں تک کا مطلع ایک ہے، نہ یہ کہ جہاں بھر کے لوگ مطلع مختلف کر رہنے والے اختلاف مطلع کے اعتبار سے مسافت بعیدہ کی رویت بدلی پر عمل نہ کرنا، یہ بھی حدیث میں آگیا ہے (اس جگہ حضور نے کہ یہب والی حدیث ترمذی شریف سے نقل کر کے اس کا ترجمہ کیا پھر تحریر فرمایا) صحیح مسلم میں بھی ایسا ہی ہے اور امام نووی اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ رویت ہلال (ایک جگہ کی) سب لوگوں کے لئے عام نہیں ہوتی بلکہ ایسی مسافت قریبہ تک جہاں تک نماز قصر نہیں کی جاتی، خاص ہے۔ کہا گیا ہے کہ جہاں تک مطلع واحد ہو یا تعلیم کا اتفاق نہ، ان سب کو روزہ لازم ہوگا۔ نہیں تو نہیں۔

اسی میں ٹھکانا کی حاشیہ در مختار سے ہے ص ۱۶: ”واطلاق المصنف فشملا ما اذا كان بينهما تفاوت بحيث مختلف المطلع او لا وفصل بعض بالتفاوت وعدمه وحدا لتفاوت شهر فصاعدا اعتبارا بقتضیٰ سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام۔“ مصنف نے مطلع کہا تو شامل ہو گیا آپس میں تفاوت اختلاف مطلع کی حیثیت سے ہو یا نہ ہو اور بعض نے تفاوت و عدم تفاوت اختلاف مطلع میں فرق کیا ہے۔ تفاوت کی حد ایک مہینہ کی مسافت اور اس سے زیادہ میں ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکایت کے اعتبار سے۔ ثنائی رحمہ اللہ بھی مثل طحاوی کے لکھتے کے بعد مسافت زمین کے متعلق دوسرا قول تاج تہریزی کا لکھتے ہیں کہ ۲۳ فرسخ سے کم میں اختلاف مطلع نہیں ہو سکتا پھر جواب استخارہ رویت ہلال ص ۲۳ فرمایا آئے شریفہ فہم شہد مستکم الشہر سے قریب کی رویت پر اعتبار کرنا اور بعید کی رویت کو نا معتبر جاننا۔ جیسا کہ میں نے لکھا ہے، اس آیت شریفہ کی تفسیر میں تاضی الیومکہ

بن عربی مالکی نے بھی فقیر احکام القرآن میں لکھا ہے: "السابعة اذا اخبر مخبر عن روية بلد فلا يغلو ان يقرب او يبعد فان قرب فالحكم واحد وان بعد فغذ فال قوم لاهل كل بلد وبنهم وقيل يلزمهم ذلك۔" (اس آیت کے متعلق) ساتھ اس مسئلہ کو جب کوئی مخبر کسی شہر کی رویت ہلال سے خبر دے تو دو حال سے خالی نہیں یا وہ شہر قریب ہو گا یا دور۔ اگر قریب ہے تو ایک ہی حکم ہے یعنی چاند ہونا تسلیم ہو گا اور اگر دور ہے تو قوم نے کہا کہ ہر شہر والوں کے لئے ان کی رویت معتبر ہے۔ بعض کا قول ہے کہ چاند کو مان لیتا ان کو ضرور ہو گا۔"

پھر جواب استفتاء رویت ہلال کے ص ۴ پر شرح ترمذی سے نقل فرمایا: "قال الفهرطی قال شیوخنا بمعنی المالکیہ اذا كانت روية الهلال ظاهرة بموضع ثم نقل الي غيرهم بشهادة اثنين لهم الصوم انتهى قال الخطابی وبه قال اكثر الفقهاء واليه ذهب الشافعی واحمد ولكن المذکور فی كتب الشافعية ان ذلك فيما تفرقت البلاد وقال الحافظ وان تبعادت فلا يحجب عندا اكثرهم ووجه ابو الطیب وحكاہ البغوی عن الشافعی لكنه قال ابن عبد البر اجمعوا على انه لا تراعى الروية فيما بعد عن البلاد كحرمان والاندلس انتهى۔" قرطبی نے کہا ہمارے شیوخ مالکیہ نے کہا ہے کہ جب رویت ہلال کسی ایک جگہ ظاہر ہو جائے پھر (دہ خیر) دو شخص کی گواہی سے دوسروں کی طرف منتقل ہو تو اپر روزہ واجب ہے انہی۔ خطابی نے کہا کہ اکثر فقہانے یہی کہا ہے اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ اسی طرف گئے ہیں اتنی۔ لیکن شافعیہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ ایک شہر دوسرے سے قریب ہوں اور حافظ ابن حجر نے کہا کہ اگر دوسرے دور ہوں تو اکثر شافعیہ کے نزدیک واجب نہ ہو گا۔ ابو الطیب نے واجب کیا اور بغوی نے امام شافعی رحمہ اللہ سے اس کو حکایت کیا ہے لیکن ابن عبد البر نے کہا کہ مالکیوں اجماع کیا ہے کہ دور کے شہروں میں رویت کی رعایت نہ کی جائے گی جیسے حرمان اور اندلس۔ انہی۔"

**تیسرا قول:** جو حنیف کا ظاہر المذہب ہے، یہ ہے کہ کسی ایک جگہ چاند دکھائی دینے سے سب جگہ کے لوگوں پر روزہ رکھنا اور روزہ کھولنا فرض ہو جاتا ہے مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس جگہ چاند دیکھے جانے کا علم دوسری جگہ والوں کو بطریق موجب شرعی ہو جائے اور اگر بطریق موجب اس کا اطلاع ہو چکی تو اس کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ دوسری جگہ کے لوگوں کو ۳ شعبان پورے کر کے روزہ رکھنا اور ۳ رمضان پورے کر کے عید کرنے کا حکم شرعی ہو گا۔

حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ استفتاء رویت ہلال ص ۴ پر تحریر فرماتے ہیں: مسافت بعیدہ کی رویت ہلال کی نسبت درمختار میں ہے: "واختلاف المطالع وروية نهيا اقبل الزوال وبعده غير معتبر علیٰ"

ظاہر المذہب وعلیہ اکثر المشائخ وعلیہ الفتوی بحر عن الخلاصۃ فیلزم اہل المشرق بیروہ اہل المغرب اذا ثبت عندہم رویۃ یؤلفک بطریقہ موجب کما مر قال الزیلعی الاشیہ انہ یعتبر لکن قال الکمال الاخذ بظاہر الروایۃ احوط۔“ اور مطالع کا اختلاف اور ان کو چاندو کی بنا زوال کے پہلے اور بعد اس کے سبب نامعتبر ہے۔ ظاہر مذہب پر اور اکثر فقہاء اسی بات پر ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے۔ یہ خلاصہ سے بحر میں لکھا ہے تو مشرق کے لوگوں کو لازم ہوگا (روزہ یا افطار) مغرب والوں کے چاندو کیسے سے جب اہل شرق پر اہل مغرب کا چاندو کی بنا شرعی شہادت سے ثابت ہو جائے جیسا کہ گزرا۔ زبلی نے کہا کہ اشیہ یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار کیا جائے لیکن کمال نے کہا کہ ظاہر روایت پر عمل کرنا زیادہ احتیاط کی بات ہے۔“

پھر ص ۸ پر علامہ شامی کی روایت پر عمل کرنا زیادہ احتیاط کی بات ہے۔“ وضاہر الروایۃ الثانی وهو المعتمد عند المالکیۃ والحنابلۃ لتعلق الخطاب عاماً بمطلق الرویۃ فی حدیث صوم الرویۃ یختلف اوقات الصلاۃ۔“ اور ظاہر روایت سے کافی کو لیا ہے (یعنی مطالع کا اعتبار کیا جائے گا ہمارے نزدیک یہی معتد ہے اور مالکیوں اور حنفیوں کے نزدیک بھی حدیث صوم الرویۃ میں روایت مطالع کے ساتھ خطاب عام ہونے کے سبب اختلاف نماز کے اوقات کے۔“

پھر جواب استثنائے رویت ہلال ص ۲۹ پر امام نووی شارح صحیح مسلم سے حدیث کریم کی شرح میں شوافع کا مسلک اختلاف مطالع کے معتبر ہونے کو بیان کر کے فرماتے ہیں: ”وقال بعض اصحابنا نعم الرویۃ فی موضع جمیع اہل الارض۔“ اور لوگوں نے ہمارے کہا ہے کہ ایک مقام کی رویت عام ہوگی کل زمین والوں کو یعنی عدم اعتبار اختلاف مطالع ظاہر مذہب حنفیوں اور مالکیوں اور حنبلیوں کا ہے اور شوافع کا مسلک اعتبار اختلاف مطالع ہے مگر یہ مسلک تمام شوافع کا نہیں ہے بلکہ بعض کا ہے اور بعض کا مذہب احمدیہ کے مطابق یہ ہے کہ ایک مقام کی رویت ہلال عام ہوگی کل زمین والوں کو۔“

پھر جواب استثنائے رویت ہلال کے ص ۳۴ پر ابو الطیب سندی کی شرح ترمذی سے نقل فرماتے ہیں: ”و ظاہر الروایۃ فی مذہبنا انہ یثبت بیروہ اہل بلدہ علی اہل بلد اخر لعموم الخطاب فی قولہ صوم امر لہما بمطلق الرویۃ فی قولہ لرویتہ و بیروہ قوم یصدق اسم الرویۃ فیثبت ما یعلق بہ من عموم المحکم فیعمم الوجوب۔“ اور ہمارے مذہب کی ظاہر روایت یہ ہے کہ کسی ایک شہر والوں کی رویت دوسرے شہر والوں پر ثابت ہو جائے گی صوموا میں عموم خطاب کے باعث لیروہ میں اعلان مطلب رویت کے سبب ہے اور ایک قوم کی رویت سے رویت کا نام صادق ہو جاتا ہے تو چونکہ اس کے تعلق ہوگا عام حکم ہونے سے وہ بھی

ثابت ہو جائے گا اور وجوب عام ہو جائے گا۔

اسی جواب استفتاء کے رویت ہلال کے سن ۳۱ پر ترمذی شریف کے دوسرے شارح سراج احمد رحمۃ اللہ سے نقل فرماتے ہیں: ”وظاهر المذهب عن ابی حنیفۃ انه اذا ثبت فی مصر لزوم سائر الناس فیلزم اهل المشرق برونۃ اهل المغرب و العا یلزمهم اذا ثبت عندہم رونیۃ اولئک بطریق موجب۔“ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ جب کسی ایک شہر میں رویت ثابت ہو جائے تو سب لوگوں پر لازم ہو جائے گی تو اہل مشرق کی رویت اہل مغرب کو لازم ہوگی اور اس وقت لازم ہوگی جبکہ اول کی رویت ان کے نزدیک بطریق موجب ثابت ہو جائے۔

پھر اسی جواب استفتاء کے رویت ہلال کے سن ۳۲ پر تحریر فرماتے ہیں: حنفیہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ ایک جگہ کی رویت تمام اقلیم کے واسطے کافی ہے بشرطیکہ شہادت اس کا بطریق موجب ہو جائے اور طریق موجب کی شرح یہ ہے: ”کان بنحمل النان الشہادۃ او بشہادۃ اعلیٰ حکم القاضی او بسفقتی العبر بخلاف ماذا اخیر ان اهل بلندہ و کدار او ہ لہ حکایۃ حلبی۔“ ”و شخص خود یا ندیکھنے کی گواہی دیں یا (رویت کی تصدیق پر) قاضی کے حکم دینے کی وضاحت گواہی دیں یا متواتر فرمائے بخلاف اس کے کہ دو شخص خبر دیں کہ فلاں شہر کے لوگوں نے چاند نہ دیکھا ہے۔ کیونکہ یہ حکایت ہے (اس کا اعتبار نہیں) حلبی (المی قول) طریق موجب کی شرط نے تارہ پتی پر آئیوالی خبر کو اخبار کے پتہ چل میں چھپی ہوئی خبروں کو جیسا کہ عام طور پر سمجھتی ہیں۔ ریل کے سفر کرنے والے جنہوں نے خود نہ دیکھا ہو اور کسی شہر کے لوگوں کے دیکھنے کی خبر دیتے ہوں، یہ سب خبر حکایت میں شمار ہوں گی۔ اس لئے کہ ان میں سے کسی میں نہ اپنی رویت شہادت ہوتی ہے، نہ قاضی (یا بجائے قاضی کے کسی عالم) کے حکم کی شہادت ہوتی ہے جو قابل اعتبار ہو سکے۔ ایسی ناقابل اعتبار روایت کی رویت کی خبر ملے بھی تو اس کا کچھ قطع نہیں اور حالت یہ ہے کہ اس طرح کی ناقابل اعتبار خبروں پر عمل نہ کرنے والے سے لوگ جھگڑتے رہتے اور سند میں پیش کرتے ہیں کہ حنفیہ کا فتویٰ اسی پر ہے کہ اہل مشرق کی رویت پر اہل مغرب کو صوم و افطار واجب ہے اور بطریق موجب کی شرط کو نہیں دیکھتے، نہ اس کے معنی جانتے ہیں۔

الحمد للہ کہ سوال دوم کا جواب بھی حسب در خواست سائل حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ کی تحقیق کی روشنی میں تحریر کیا گیا۔ ناظرین مولہ اقتباسات خصوصاً اخیر ص ۴۴ والی عبارت کو بغور چھوڑیں اور اس پر عمل کریں۔ یہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے جن کو ذاتی رائے قرار دے کر رو کیا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب سوال سوم: حضرت عزت حق سیدہ تعالیٰ شانہ علماے کرام فقہائے عظام کو بہترین جزائے خیر حظا فرمائے کہ کسی مسئلہ کو بھی جمل بہل نہیں چھوڑا بلکہ ایسی روشن تصریحات فرمادیں جس سے مسئلہ کامل بہت آسانی سے ہو سکتا

ہے اور اس مسئلہ میں بھی کوئی الجھن کی بات نہیں رہی۔ سوال دوم کے جواب میں معلوم ہوا کہ اس باب میں علماء کے تین قول ہیں:

**قول اول:** ہر جگہ کا چاند صرف وہیں کے لئے ہے، جہاں دیکھا گیا۔ دوسری جگہ اس کا حکم نہیں چل سکتا۔ اسی کی طرف قاسم، سالم، نکر مدگے ہیں۔ یہی مذہب اہل حق کا ہے۔ اسی پر فتویٰ امیر جماعت اہل حدیث پڑا ہے۔

**قول دوم:** اختلاف مطالع کا اعتبار کر کے قرب و جوار کی رویت اگر شرعی طریقہ پر ہے تو ہو جائے تو لیا جائے گا، دور کی رویت کا اعتبار نہ ہوگا، اس کا دوسرا حکم ہوگا۔ یہ مذہب بعض شافعیہ کا ہے اور احناف سے علامہ زبلی، صاحب فیض، صاحب تجرید اور بعض مشائخ حنفیہ بھی اس کی طرف گئے ہیں اور حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ اس قول کو ضعیف فرماتے ہیں۔ استثنائے رویت ہلال کے ص ۷۱ پر علامہ شامی کی عبارت ”فقبل بالاول واعلم ان الزبلی وصاحب الفيض وهو الصحيح عند الشافعية“ کا ترجمہ کرنے میں کہا گیا ہے یعنی ضعیف قول ہے کہ پہلی بات لی جائے یعنی اعتبار کیا جائے گا۔ زبلی اور صاحب فیض نے اس پر اعتنا دیکھا ہے اور خود بھی بعض دقتوں کو پیش نظر رکھ کر اسی کو پسند فرماتے ہیں اس دقت کو جواب استثنائے رویت ہلال میں قول سوم، حنفیہ کا ظاہر مذہب یعنی عدم اعتبار اختلاف مطالع اور ایک جگہ کی رویت تمام اقالیم کے واسطے کافی ہونا بشرطیکہ ثبوت اس کا بطریق موجب ہو جائے لکھ کر اور طریق موجب کی شرح شامی سے بحوالہ علی نقل فرما کر تحریر فرماتے ہیں: ”طریق موجب کی شرح معلوم کرنے کے بعد جانتا چاہئے کہ بعد المسافت شہر کی رویت ہلال کی تصدیق اس شرط کے موافق کس قدر مشکل ہے“

**قول سوم:** اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کیا جائے اور ایک جگہ کی رویت تمام اقالیم کے لئے لازم ہوگی بشرط ثبوت بطریق موجب ہو جائے۔ یہی مذہب عام احناف کا ہے، یہی ظاہر المذہب، یہی ظاہر الروايت ہے۔ یعنی ان مسائل سے ہے جو اصحاب مذہب یعنی امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام مالک و امام احمد سے مروی ہے تو اسی کو ماننا اور حنفی عالم کو اسی پر فتویٰ دینا ضروری ہے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ فی حق ابن کمال یا شامی سے ناقل کہ فقہاء کے سات درجے ہیں۔ اول مجتہدین فی الشرع جیسے ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم۔ دوم مجتہدین فی المذہب جیسے صاحبین رضی اللہ عنہما۔ سوم مجتہدین فی المسائل جیسے امام خصاص، امام غلطادوی وغیرہما۔ چہارم مقلدین سے اصحاب تخریج جیسے امام رازی وغیرہ۔ پنجم مقلدین سے اصحاب ترجیح جیسے ابوالحسن قدوسی صاحب ہدایہ وغیرہما۔ ششم طبقہ مقلدین سے جو اقویٰ، قوی، ضعیف اور ظاہر المذہب، روایت ناہرہ میں تفسیر پر قادر ہیں جیسے صاحب کنز، صاحب مختار وغیرہما۔ ہفتم طبقہ مقلدین جو ان باتوں پر قدرت نہیں رکھتے جیسے آجکل کے عام علماء انہیں کے بارے میں صاحب درررقی لکھتے ہیں: ”وامانحن فعلینا اتباع ماراجحوہ و صححوہ کما لو افقوا حیوانہم“۔ ”ہم مقلدین پر اتباع کرنا اس کا ہے جسے ان علماء نے ترجیح دی اور جس کی

فہم کی جیسے وہ حضرات اگر زندہ ہوتے اور فتویٰ دیتے تو کیا ہماری مجال تھی کہ ہم ان کی مخالفت کرتے۔“ نہیں ہرگز نہیں تو جب انہوں نے ایسے اصول و ضوابط مقرر فرما دیے تو ہمارا فرض مذہبی و منہجی ہے کہ فتویٰ دیتے وقت انہیں کا لحاظ کریں اور عام کو خوش کرنے کی کوشش میں نہ پڑیں۔

درمختار میں ہے: ”رسم المغنئی ان ما انفق علیہ اصحابنا فی الروایات الظاہرۃ بغنی یہ قطعاً۔“ جو مسئلہ ظاہر الروایت میں ہمارے ائمہ کا متفق علیہ ہے۔ اس پر قطعاً فتویٰ دیا جائے گا۔“ کیونکہ وہ ائمہ خلاش سے بردایت ثقات مروی ہے تو اس سے عدول کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ کے استفتاء رویت ہلال میں درمختار کی عبارت اوپر گزری کہ انہوں نے بحر الرائق شرح کنز الدقائق علامہ زین بن نجیم ہے اور انہوں نے فتاویٰ خلاصہ سے قول سوم کو لکھا علیہ اکثر المشائخ، اسی پر اکثر مشائخ ہیں۔ تو جس پر اکثر مشائخ ہوں ہماری کیا مجال کہ اس کی مخالفت کریں۔ اسی میں ہے، وعلیہ المغنئی اسی پر علامہ کا فتویٰ ہے۔ تو جس قول پر علامہ نے سابقین فتویٰ دے چکے ہمارے کیا مجال کہ اس کے خلاف فتویٰ دیں۔ اسی کو ظاہر المذہب فرمایا پھر ظاہر المذہب سے عدول کا کسے حق ہے؟ اسی کو علامہ کمال نے الاعتدال ہذا فی الروایۃ احوط فرمایا یعنی ظاہر الروایت ہی کو لینے میں زیادہ احتیاط ہے پھر دوسرے قول کو لے کر بے احتیاطی کرنے کا کیا حق ہے۔ اسی کو علامہ شامی نے فرمایا: ہذا المعتمد عندنا ہمارے یعنی حنفیہ کے نزدیک یہی معتد ہے۔ پھر معتد کو چھوڑ کر غیر اعتادی قول کا لینا کہاں کا انصاف ہے اور یہ نہ صرف حنفیہ ہی کا معتد بلکہ مالکیہ کا بھی مذہب ہے، حنبلیہ کا بھی مذہب ہے اور بعض شوافع کا بھی یہی مسلک ہے پھر ایسے قول کو جو چاروں مذہب کا ہو چھوڑنے کی کون سی وجہ ہو سکتی ہے اور وہ بھی اسی حالت میں کہ ظاہر المذہب کے ترجیح کی علالتصریح فرماتے ہیں۔

علامہ شامی جلد اول رواجتھا میں فرماتے ہیں: ”وقفی وقف البصر قائمہ اذا کان احد المغولین ظاہر الروایۃ والا خیر غیر ما فقد صرحوا اجماعاً لایانہ لا یعدل عن ظاہر الروایۃ۔“ ”بحر الرائق کی کتاب اوقف میں ہے: جب کسی مسئلہ میں دو قول ہوں۔ ایک ظاہر الروایۃ ہو اور دوسرا غیر ظاہر الروایۃ (جیسا کہ اس مسئلہ میں ہے کہ قول سوم ظاہر الروایۃ ہے اور قول دوم غیر ظاہر الروایۃ بلکہ حسب تصریح حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ ضعیف ہے) تو علمائے مظاہر تصریح فرمائی کہ ظاہر الروایۃ سے عدول چہ تہ نہ ہوگا۔

اسی میں ہے: ”فیو تصریح ضمنی لکل ما کان ظاہر الروایۃ فلا یعدل عنہ بلانہر جمیع صریح لمغنیہ۔“ ”تو یہ ترجیح ضمنی ہے ہر اس فتویٰ کے لئے جو ظاہر الروایۃ ہو تو اس سے عدول جائز نہ ہوگا جب تک اس کے مقابل کی ترجیح صریح نہ ہو۔“ اور اس جگہ مقابل کی اصلا ترجیح نہیں بلکہ قیل ہے تبیر اس کے ضعف کی تصحیح ہے پھر ظاہر

الروایہ سے عدول کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

علامہ شامی جلد اول ص ۵۱ پر تحریر فرماتے ہیں: ”و کذا بر جمع اذا كان احدهما ظاهر الرواية“۔ ”اسی طرح ترجیح دی جائے گی جب و قول میں ایک ظاہر الروایہ ہو“۔ پھر فرماتے ہیں: ”وبه صرح فی کتاب الرضاع من البحر حیث قال الفئوی اذا اختلف كان الترجیح لظاهر الرواية لماسبانی ان الفئوبالمرجوح جهل“۔ ”ظاہر الروایہ کی ترجیح کی تصریح علامہ بن نجیم نے بحر الرائق کی کتاب الرضاع میں فرمائی کہ فتویٰ جب مختلف ہو یعنی و قول ہوں اور دونوں متضبی ہو تو ظاہر الروایت کو ترجیح ہوگی۔ اس دلیل سے قریب آئی ہے کہ قول مرجوح پر فتویٰ دینا جہالت و نادانی ہے“۔

اور اس مسئلہ میں تو دوسرے قول پر اصنافی ٹی نہیں پھر ظاہر الروایہ کو چھوڑنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے خصوصاً جبکہ فتویٰ بھی اسی قول پر ہے۔ درمختار کی عبارت اور پر گزری ”وعلمه الفئوی بحر عن الخلاصه“ پھر فرمایا: ”وفيه من باب الصرف اذا اختلف التصحيح وجب الفحص عن ظاهر الرواية والرجوع اليها“۔ ”جب تصحیح مختلف ہو یعنی و قول ہوں اور دونوں کو علمائے صحیح فرمایا ہو تو اس وقت دیکھنا چاہئے کہ ظاہر الروایہ کون ہے اور اسی کی طرف رجوع واجب ہے۔ تو اس جگہ دوسرے قول نے بھی تصحیح نہ کی بلکہ حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ نے اس کے ضعیف ہونے کی تصریح فرمادی تو ظاہر الروایہ کو چھوڑ کر قول دوم اختیار کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

علامہ شامی جلد اول روا المختار میں فرماتے ہیں: ”ماخرج عن ظاهر الرواية فهو مرجوع عنه والمرجوع عنه لا يجوز الاحد به“۔ ”جو ظاہر الروایہ سے باہر ہے، وہ مرجوع عنہ ہے اور مرجوع عنہ کو لینا جائز نہیں“۔ درمختار میں ہے: ”ان الحكم والفتيا بالمرجوع جهل وعرف الاجماع“۔ ”حکم اور فتویٰ دینا قول مرجوح پر جہالت اور خلاف اجماع کرنا ہے“۔

علامہ شامی اس کی شرح میں فرماتے ہیں: ”اولی من هذا بالسلطان الافناء بخلاف ظاهر الرواية اذالم يصحح والافنا بالقول المرجوع عنه اه“۔ ”اور اس سے زیادہ باطل امر ظاہر الروایہ کے خلاف فتویٰ دینا ہے جب کہ اس کی تصحیح نہ کی گئی ہو اور قول مرجوع عنہ پر فتویٰ دینا ہے“۔

پھر علامہ شامی جلد ۲ روا المختار میں فرماتے ہیں: ”والواجب الرجوع الي ظاهر الرواية عنه اختلاف الصحيح“۔ ”ترجیح کے اختلاف کی صورت میں ظاہر الروایہ کی طرف رجوع کرنا واجب ہے تو جب دوسرے قول کی اصلا ترجیح نہ ہو تب تو ظاہر الروایت پر فتویٰ ضروری اور لازمی ہوگا“۔

نیز روا المختار جلد سوم میں فرماتے ہیں: ”اذا ذكر في ظاهر الرواية حكم من دون ذكر خلاف كان



مفتضاہ انہ قول ائمتنا الثلاثة۔ ”جب ظاہر الروایہ میں کوئی حکم مذکور ہو اور وہاں اس کا خلاف نہ مذکور ہو تو اس کا مقتضی یہ ہے کہ یہ ہمارے ائمہ علاہ امام اعظم، امام یوسف، امام محمد کا قول ہے۔“

پھر جلد رابع میں فرماتے ہیں: ”لا یجوز الانفاء بالمعرج وح ولا یبغض الفضاء بہ۔“ ”قول مرجوح پر کسی مفتی کو فتویٰ دینا اور کسی قاضی کو فیصلہ کرنا جائز نہیں اور اگر کوئی قاضی فیصلہ دے گا تو وہ نافذ نہ ہوگا۔“

پھر جلد پنجم میں فرماتے ہیں: ”ما خالف ظاہر الروایۃ لبس مذهبنا لا صحابنا۔“ ”جو ظاہر الروایت کے خلاف ہو وہ ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں۔“

ان تمام تصریحات صریحہ کے بعد واضح ہو گیا کہ ان تینوں اقوال میں قول سوم کو ترجیح دی جائے گی، اسی پر فتویٰ دینا ہوگا۔ نہیں ہمارے ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے۔ اس کے سوا ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں۔ اسی کی طرف رجوع واجب، اس کے سوا دوسرے قول کو لینا اور اس پر فتویٰ دینا جہالت اور خرق اجماع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

**جواب سوال چہارم:** مولیٰ تعالیٰ بہتر سے بہتر جزائے خیر دے ہمارے علمائے کرام، فقہائے عظام کو کہ اپنے ذہن رسا سے ایسے اصول و قواعد بتائے، ایسی باتیں بتائے جو بعد کے شبہات و شکوک کے زہر کے لئے تریاق ہوں۔

درمقار جلد اول میں ہے: ”ان الحکم المعلق باطل بالاجماع۔“ ”حکم معلق جس کی بنا دو مذہب یا دو اصول پر ہو بالا جماع باطل ہے۔“

علامہ شامی اس کی مثال دے کر توضیح فرماتے ہیں: ”مثالہ منوضی سال من بدنہ دم ولمس امرأۃ ثم صلیٰ فان صحفہ هذه الصلوۃ ملغفۃ من مذهب الشافعی والحنفی والتلفیق باطل فصحہ منغفۃ او النسخ۔“ ”اس کی مثال یہ ہے کہ ایک با وضو شخص ہے جس کے بدن سے خون بہا اور اس نے کسی عورت کو بھیچوا پھر نماز پڑھ لی تو اس کی نماز کی صحت امام ابوحنیفہ اور امام شافعی دونوں کے مذہب کی تلفیق سے ہو سکتی ہے یعنی ایک مسئلہ امام صاحب کا لیں اور ایک مسئلہ امام شافعی صاحب کا۔ عورت کے چھونے سے حنفیہ کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا اور شافعیہ کے یہاں ٹوٹ جاتا ہے۔ تو اس مسئلہ میں امام صاحب کا قول لے اور خون نکلنے سے احتلاف کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے اور شافعیہ کے یہاں نہیں ٹوٹتا ہے تو اس مسئلہ میں امام شافعی صاحب کی بات لے اور نماز پڑھ لے۔ اس ترکیب سے اس نماز کو صحیح جانے لگے چونکہ تلفیق باطل ہے اس لئے یہ نماز بھی کسی کے نزدیک صحیح نہ ہوگی۔ امام صاحب کے نزدیک اس وجہ سے کہ اس کے بدن سے خون نکلا اور خون نکلنے سے وضو جاتا رہا اور امام شافعی صاحب کے نزدیک اس وجہ سے کہ اس نے عورت کو بھیچوا اور شافعیہ کے نزدیک عورت کے چھونے سے وضو جاتا رہتا ہے تو اس شخص نے دونوں اماموں کے نزدیک بے وضو نماز پڑھی، اس لئے وہ نماز باطل ہوگی۔“

اسی طرح یہ مسئلہ امام ابوحنیفہ اور اپنی حدیث سے تعلق ہے تہذیب اولیٰ باطل ہوگا ورنہ اگر پوری بات امام صاحب کی لیں تو کوئی دقت نہیں اور اگر پوری بات اپنی لیں جب بھی کوئی دشواری نہیں۔ اس لئے امام صاحب کا مذہب جو بال یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں، اس لئے اہل شرق کی روایت پر اہل مغرب کو روزہ رکھنا اور افطار کرنا واجب ہوگا، وہیں ان کا مذہب یہ بھی ہے کہ شرق والوں کے چاند دیکھنے سے مغرب والوں پر کب روزہ افطار کا حکم ہوگا، جب کہ ان کا چاند دیکھنا مغرب والوں کو بطریق موجب ثابت ہو جائے۔ یہ نہیں کہ کو اکائیں کائیں کرتا جا رہا ہے، کسی کی سمجھ میں آگیا کہ وہ کہہ رہا ہے دہلی میں چاند ہو گیا تو پشتہ والوں پر روزہ رکھنا یا عید کرنا فرض ہو جائے گا بلکہ اہم و بادی کی صورت میں رمضان کے لئے ایک معتبر شخص کی خبر اور ہلالی عیدین میں دو عادل شخصوں کی شہادت ضرورت ہے جو خود چاند دیکھنے کی گواہی دیں یا روایت کی تصدیق پر قاضی کے حکم دینے کی گواہی دیں یا چاند دیکھنے کی جگہ سے متعدد جہات میں آئیں اور سب ایک زبان اپنے علم سے خبر دیں کہ وہاں فلاں دن برپائے روایت روزہ ہو یا عید کی گئی۔ جب ایسی گواہیاں گزریں گی تب چاند ثابت ہوگا ورنہ نہیں اور ہر دیندار جانتا ہے کہ اس دور آزمائی دے بے قیدی میں مطابق تو اند شرع مقبول الشہادۃ شخص کا ملنا اور اس کا گواہی دینا کس قدر قلیل الوجود و کبریت احکم رکھتا ہے۔ فساد فی رکی کثرت ہے اور انہیں کے ذریعہ ایسی خبروں کی حکایت دروایت۔ اس لئے فقہائے کرام کے مذہب پر چاند کا شہادت دوسری جگہوں کے لئے کس قدر مشکل ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ فقہائے عظام کے ارشاد کو پس پشت ڈال دیں۔ اس لئے کہ اس کے مشکل اور دشوار ہونے کی وجہ سے الجھن کیا ہے۔ اس لئے کہ اگر اس شرط کے مطابق روایت ہلال ثابت نہ ہوگی تو یہاں عید کرنے، روزہ کھانے کا حکم نہ دیا جائے گا جس طرح زنا کی شہادت کے لئے کمال العیال فی المسک حلالہ کی گواہی دینا شرط ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ اس طرح دیکھنا اور دیکھنے نہ صرف ایک یا دو شخصوں کا بلکہ اکٹھے چار آدمیوں کا اور اس کی گواہی دینا کس قدر مشکل ہے مگر اس میں وقت ہی کیا ہے؟ اگر ایسی گواہی نہ گزرے گی قاضی مجرم قرار دے گا، حد نہ لگائے گا۔ رمضان شریف کے چاند کے لئے اگرچہ عادل ہونا شرط نہیں، غیر فاسق ہونا کافی ہے اور ایسے لوگ اس زمانے میں بھی بہت ملیں گے مگر رمضان کے چاند کی گواہی دیتا ہی کون ہے؟ یہ ساری دینداری کا ذریعہ عیدین کے چاند کے لئے صرف کیا جاتا ہے اور ان اختراع کرنے والوں کے طور پر اس لئے کہ اگرچہ یہ لوگ ریڈیو یا ٹیلیفون کو مانتے ہیں اور ان کو بہ منزلہ شہادت جانتے ہیں۔ اسی لئے دوسرے علماء سے پوچھتے ہیں ”سمجھ میں نہیں آتا کہ ان تصریحات کے بعد تارا و ریڈیو کی خبروں پر اعتماد نہ کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ لیکن ساتھ ساتھ وہ مواقع مذہب اختلاف عدم اعتبار اختلاف کو نہیں مانتے اور نہ صرف اپنا بلکہ اپنے ساتھ اسے استاذوں کا بھی یہی خیال ظاہر کرتے ہیں کہ بہر حال دور دراز مقامات میں اختلاف مطالع کا لحاظ کرنا ہی پڑے گا تو ان کے طور پر دور دراز

مقامات کی خبر اختلاف مطالع کی وجہ سے قابل قبول نہ ہوگی تو متعدد ایک ہی رہا۔ فقہاء کی تحریرات و تحقیقات ماننے والوں کے لئے دہلی وغیرہ دور کی خبریں جو ریڈیو، تار، ٹیلیفون کے ذریعہ آئی ہیں، غیر معتبر ہیں۔ اس لئے کہ ضرورت شہادت کی ہے اور یہ چیزیں خبر کے لئے موضوع ہیں، شہادت میں کارآمد نہیں۔ اس لئے کہ ان پر روزہ رکھتے اور عید کرنے کا حکم نہ دیا جائے گا اور روشن خیال مجتہدین وقت حضرات کے نزدیک بھی دہلی وغیرہ و عذر کی خبریں جو ریڈیو، تار، ٹیلیفون کے ذریعہ آئی ہیں غیر معتبر ہیں۔ اگر چنانچہ نزدیک اس دور ترقی میں ریڈیو، تار، ٹیلیفون کے ذریعہ دنیا نے حوام کی سہولت کے سامان فراہم کئے ہیں۔ اس سے فائدہ نہ اٹھانا اور لکیر کے فقیر بنے رہنا، خود کو سو برس پیچھے و تھکیل دینے کے مرادف ہے۔ اس لئے اس کو ضرور ماننا چاہئے مگر وہ لوگ اختلاف مطالع کا اعتبار کرتے ہیں اور فقہاء کی تشریح لا عبرہ۔ لا اختلاف المطالع کو نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک مطلع مختلف ہونے کی وجہ سے دہلی کی خبر ہمارے بہار کے لئے قابل اعتبار نہ لائیں عمل و ارادہ نہیں تو حکم بہر حال ایک ہی رہا کہ دہلی کی خبر ہلال تار، ٹریک کال، ریڈیو کے ذریعہ معتبر نہ ہوگی واللہ تعالیٰ اعلم۔

**جواب سوال پنجم:** تحریرات سابق یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ہلال عیدین میں شہادت گواہان دہلی کی ضرورت ہے۔ نہ صرف خبر کی اور تار، ٹیلیفون، ٹریک کال، ریڈیو وغیرہ خبر رسائی کے لئے موزوں ہیں، نہ شہادت کے لئے۔ اسی لئے جن لوگوں نے تار، ٹیلیفون وغیرہ ایجاد کئے، کبھی انہوں نے بھی فوجداری اور دیوانی کے مقدمات میں گواہوں کے لئے ان چیزوں کو قابل قبول نہ جانا۔ ایسے روشن خیال حضرات سے گزارش ہے کہ پہلے یہ نصیحت حکام وقت کو کریں کہ جب دینا نہ ترقی کر کے عوام کی سہولت کے لئے سامان فراہم کیا ہے، اس سے فائدہ نہ اٹھانا اور لکیر کے فقیر بنے رہنا خود کو سو برس پیچھے و تھکیل دینے کے مرادف ہے۔ اس لئے آپ لوگوں کو چاہئے کہ مقدمات میں گواہوں کی حاضری لازم قرار نہ دیجئے۔ جی چاہے تو آئے ورنہ جہاں سے چاہے فون کروے یا تار ویدے یا جو اظہار دینا ہے، ریڈیو اسٹیشن پر جا کر دہیں سے نشر کروے۔ اس میں متقاضین کا بہت رویہ جو گواہوں کے لانے لے جانے میں صرف ہوتا ہے، بیچ جائے گا۔ اگر پچھریوں میں اس کو رائج نہ کر سکیں تو انکیشن کا زمانہ قریب، ہے کوشش کر کے پہلے اسی میں جاری کر ایسے کہ دوڑوں کو پولنگ اسٹیشن پر آنے کی ضرورت نہ پڑے۔ ہر شخص اپنے قریب کی جگہ سے فون کروے یا تار ویدے یا ریڈیو اسٹیشن پر جا کر بول دے کہ میں نے فلاں شخص کو ڈوٹ دیا، تب اس روشن خیالی کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ جب پچھریوں کی شہادت میں ان ذرائع کو جاری کر لیں تب علماء کرام کو نصیحت کریں اور لکیر کے فقیر بننے سے ان کو روکیں۔ افسوس کی بات ہے کہ دنیوی قانون میں ایک انج کی بیشی کی امت نہیں کر سکتے، ہر بات پر آمنا و صدقہ کہنے کے لئے تیار مگر شرعی مسائل میں مداخلت کے لئے کمر بستہ۔ میری یہ عرض نہیں

کہ چونکہ دنیوی پیکروں میں شہادت کے لئے یہ چیزیں مقبول نہیں، اس لئے ثبوت ہلال کے لئے ہم نہیں مانتے۔ جب کسی دلت پیکروں کی شہادت میں قابل قبول سمجھی جائے گی، ثبوت ہلال میں بھی معتبر ہوں گی بلکہ دکھانا یہ ہے کہ دنیوی پیکروں میں شہادت کے قواعد و قانون بہت نرم ہیں پھر بھی یہ چیزیں شہادت کے لئے معتبر نہیں پھر شرعی مسائل جس کی شہادت کی شرطیں بہت سخت ہیں، ان میں کیونکر قابل اعتبار سمجھی جاسکتی ہیں۔ یہ فتویٰ کہ تار، ٹیلیفون، ریڈیو، ٹرک، ٹرال وغیرہ برقی خبریں صرف خبر رسانی کے لئے ہیں، شرعاً ثبوت ہلال کی شہادت کے لئے معتبر نہیں۔ ہندوستان پھر کے مشاہیر علمائے سابقین و موجودین کی تحقیق ہے۔ اس وقت میرے پیش نظر چار تحریریں ہیں۔ انہیں کی مدد سے مانائے گرام کی تحقیقات کو پیش کر سکتا ہوں (۱) رسالہ میاں کہ از کئی الاعلال باہتال ما حادث الناس فی امر الہلال۔ مصنفہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد قاتلہ حاکمہ مؤید ملت طاهرہ سیدی و مستدی، شیخی و مرشدی مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب فاضل یونیورسٹی قدس سرہ العربیہ (۲) رسالہ جامع الاقوال فی روایت الہلال مرتبہ سید شاہ محمد حسین صاحب ارزاں شاہی برادر جنت سید شاہ حامد حسین صاحب سجادہ فطین در گاہ شاہ ارزاں پٹنہ (۳) رسالہ زادہ تحفہ جامعہ جیبیہ (۴) جوابات استفتاء عزیزی و تلمیذی مولوی سید شاہ محمد فرید الحق سلمہ و لیسجد سجادہ عمادیہ پٹنہ۔

(اس کے بعد رسالہ مبارکہ از کئی الہلال اردو ہندوستان کے ایک سوا کیا نوے مشاہیر علمائے تصدیقات ہیں۔ از کئی الہلال تالیف رضویہ میں چمپ چکا ہے اور تصدیقات میں وہی عبارتیں ہیں جن کا تذکرہ ملک العما کے نوے میں آچکا ہے۔ اس لئے احقر نے انہیں یہاں سے حذف کر دیا ۱۲۰ داخل)

فقیر قادری محمد ظفر الدین رضوی غفرلہ کہتا ہے کہ یہ یو پی، بی پی سابق حال ام پی، بمبئی، بہار، بنگال، حیدر آباد، پنجاب وغیرہ کے مختلف اضلاع، مختلف مقامات، مختلف خیالات، مختلف اعتقادات اور اپنے وقت کے مشہور و مستند علمائے سابقین و حاضرین کی ایک سوا کیا نوے تحریرات فتاویٰ و تصدیق ہیں، جن میں بالاقان حکم ہے کہ تار، ٹیلیفون، ریڈیو، ٹرک، ٹرال، اخبار، خطوط سے ثبوت ہلال نہیں ہو سکتا، دیکھو روایت پر شرعی شہادت نہ ہو۔ ایک جگہ چاند ہونے سے دوسری جگہ روزہ، انظار، قربانی، نماز کا حکم دینا صحیح نہ ہوگا۔ بعض علمائے یہ فتویٰ دیتے ہوئے کہ ریڈیو کے ذریعہ شہادت اور اثبات روایت ہلال نہیں ہو سکتا، اتنا اور اضافہ کیا ہے: البتہ کسی عالم یا تاضی کے پاس شہادت روایت گزرے تو خود وہ عالم اس خبر کو ریڈیو کے ذریعہ نشر کر سکتا ہے، سرکاری آدمی یا غیر مسلم شخص اگر نشر کرے گا تو اس کا اعتبار نہ ہوگا، مگر مرکزی انجمن تبلیغ صداقت بمبئی کی طرف سے جامع مسجد بیورو، ۱۰ محرم الحرام ۱۳۷۱ھ ۱۳۷۱ھ ۱۳۷۱ھ

میں زیرِ صدارت حضرت محدث اعظم ہند مولانا الحاج شاہ سید محمد صاحب کچھوچھوی مدظلہ ایک عظیم الشان اجتماع ہوا جس میں ائمہ آباد، لکھنؤ، دہلی، فیض آباد، بریلی، مراد آباد، سنبھل، پٹنہ، بیروت، مظفر پور، بہار، دونا پور، گونڈہ، بہرائچ، ناٹپارہ، ناگپور، جبل پور، فتح پور، کانپور، پٹنہ، رائے بریلی، ملیا، اعظم گڑھ، مبارکپور، بنارس، بھاگلپور، دیگر مقامات کے علمائے کرام و مفتیان عظام نے شرکت فرمائی۔ مزید واکل شرعیہ کے تحت یہ مسئلہ فرمایا کہ ریڈیو کے ذریعہ رویت ہلال کی خبر یا شہادت تو غیر مستتر ہے ہی، اگر ریڈیو کے ذریعہ قاضی کے فیصلہ رویت ہلال کا اعلان ہوتا تو یہ بھی غیر معتبر اور ناقابل عمل ہے۔ کیونکہ قاضی شرع کا فیصلہ اس کے حدود و قصاص میں جاری رہتا ہے نہ ہوگا اور یہ قاضی واقعی قاضی شرع، عالم دین ہوگا اور وہ قاضی شرع کے جملہ فرائض انجام دے گا یا صرف چاند کی شہادت لیا کہ نہ لیا یہ کہ نہ قاضی جو صرف چاند ہی کی شہادت لے گا اور اعلان کرے گا اور اس کی تصدیق آٹھ یا دہائی، ہندوستان میں ایک ہی ہوگا یا ہر شہر، ہر قصبہ اور آبادی میں؟ کیونکہ یہ ہوتا ہے کہ ایک جگہ رویت ہلال بدلتی اور دوسری جگہ نہیں بدلتی تو جہاں رویت بدلتی وہاں آٹھ یا قاضی نہ ہو تو رویت وہیں رہ گئی اور ہر شہر آبادی میں ایسے آٹھ یا قاضی نہ ہونے سے قطعاً ناممکن۔ لہذا ریڈیو سے سنا ہوا رویت ہلال کا فیصلہ قاضی یا فیصلہ کا اعلان ہرگز ہرگز قابل قبول و لائق عمل نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائے۔ خلافت بمبئی۔ ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۱ء

(فتویٰ جس پر ۵۱ مشہور و مستند علمائے متحفظ فرمائے خلافت بمبئی ۱۳ نومبر ۱۹۵۱ء)

المسئو اب: جہاں رویت ہلال کا شرعی ثبوت ہو، اصراف یہاں والوں پر روزہ، افطار، اضیہ واجب ہے۔ ہدایہ وغیرہ میں ہے: ”الاصل بقاء الشہر فلا يستقل عنه الا لدلیل ولم یوجد“۔ لہذا جہاں رویت ہلال کا شرعی ثبوت نہ ہو، وہاں والوں کو یہ حکم دینا کہ روزہ رکھو یا افطار کرو یا قربانی کیو نہ نماز عید ادا کرو، خلاف شرع ہے اور قاضی کا حکم خلاف شرع قابل عمل نہیں ہوتا ہے۔ لہذا اگر کوئی قاضی اپنے شہر اور دیگر بلاد جہاں رویت ہلال کا ثبوت نہیں ہوا ہے، ان تمام مقامات کے لئے روزہ افطار وغیرہ کا حکم دے تو اس کے حکم و اعلان پر جہاں رویت ہلال کا ثبوت نہیں ہوا ہے، عمل نہ ہوگا، خواہ وہ قاضی ریڈیو سے حکم دے یا خود دوسرے بلاد میں جا کر خود حکم کرے۔ دوسری جگہ جب حکم دے گا تو اس کے ثبوت شرعی کا مطالبہ ہوگا۔ بے ثبوت نہ اسے حکم کرنا جائز، نہ اس حکم پر عمل جائز۔

فتح القدیر شرح ہدایہ میں امام علامہ محقق علی الاطلاق فرماتے ہیں: ”الفرق بین رمیہ القاضی فی کتابہ حیث بغیل کتابہ ولا یقبل رسولہ فلاں غایۃ رسولہ ان یمکن کتفہ و قد منا انہ لیس کرمای کتابہ لذلک القاضی یتفسرہ لا یقبلہ و کان القیاس فی کتابہ کذلک الا انہ اجتزأ باجماع التابعین علی خلاف القیاس فانقصر علیہ“۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ الفقیر ابو الفضل السید محمد افضل حسین مفتی دارالعلوم مظہر اسلام بریلی۔

(اس فتوے پر اکیانوے علمائے کرام کی تصدیقات ہیں۔ جنہیں یہاں سے حذف کر دیا گیا۔ ۲۱ مسائل)

ان تمام تحریرات و فتاویٰ و تصدیقات کی روشنی میں کاغذ میں نصف النہار واضح ہو گیا کہ اثبات ہلال کے لئے شہادت کی ضرورت ہے۔ رمضان شریف کے چاند کے لئے ابر و غبار کی حالت میں ایک شخص کی اگرچہ مستور الحال ہو اور عید الفطر کے چاند کے لئے دو عادل مرد یا ایک مرد و عادل اور دو عادل عورتوں کی شہادت ضروری ہے۔ تارہ ثلثیوں، ریڈیو اور ٹریک کال، اخبار، خطوط، افواہ بازار وغیرہ سے چاند ثابت نہیں ہو سکتا۔ یہی جمہور علمائے اسلام کا مفتی یہ قول ہے۔ ثبوت رویت کے بعد ریڈیو سے اعلان بھی محض خبر ہوگی۔ کسی صورت، کسی حالت میں حد سے باہر کے مسلمانوں کے لئے وہ اعلان ثبوت و طہر نہیں ہو سکتا ہے۔ مذکورہ بالا ایک سو اکیانوے فتاویٰ و تصدیقات کے علاوہ اور بھی علمائے کرام کی تحریرات و تصدیقات اس مسئلہ پر اور موجود ہیں مگر کتاب کی طوالت، ازویا و حجم و ضخامت و صرف کثیر طباعت و اشاعت کی وجہ سے صرف اسی قدر پر اکتفا کیا۔ ماننے والے کے لئے اس قدر فتاویٰ و تصدیقات کا بیش قیمت و ذخیرہ بہت کافی ہے۔ ورنہ خدا کس ست یک حرف بس ست اور مگر متعصب ہٹ و حرم کے لئے نہ صرف ہندوستان بلکہ پاکستان، افغانستان، ترکستان، عرب، عجم سارے جہان کی تحریرات و فتاویٰ و تصدیقات سب بیکار ہیں واللہ العالیٰ و هو تعالیٰ اعلم۔

**ضمیمہ جواب سوال پنجم:** صدق جدید لکھنؤ نمبر ۱۱۶ جنوری ۱۹۵۲ء میں ایک مضمون ریڈیو اور رویت ہلال (ایک میر سٹریٹ لا اور مشن جج کے قلم سے) کی سرخی سے شائع ہوا ہے۔ مضمون قدرے طویل اور بہت مفید ہے۔ ایک حصہ اس کا عام انگریزی واد حضرات کے مطالعہ کے لئے اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔ ایک اچھی سی صحبت میں مجھ سے سوال کیا گیا کہ جب حساب سے چاند نکلنے کا سوال حل ہو سکتا ہے تو پھر عید کی بات ہر سال یہ ویدھا کیوں؟ میں نے اپنے خیال کے مطابق کہا کہ پیکھری کی تعطیلات کے نقشہ میں خود لکھا ہے کہ اعتبار رویت کا ہوگا، نہ کہ چاند نکلنے کے حساب کا۔ سوال ہوا کہ جب تار اور ٹیلی فون موجود ہے تو پھر ہر جگہ کے لئے الگ رویت کا سوال کیوں پیدا ہوتا ہے؟ میں نے کہا کہ جہاں عام طور پر رویت منائی جاتی ہے تو کوئی نزاع نہیں رہتی ہے اور جہاں نزاع ہوتی ہے تو اس کی مہذب صورت کسی معتبر ہستی مثلاً قاضی کا فیصلہ ہے اور وہ بھی ایک Democratic طریقہ سے کہ مقدمہ پیش ہو، مانے ہوئے شہادت کے اصول پر تے جائیں، گواہ معتبر ہوں وغیرہ۔ تیسرا سوال ہوا کہ کیوں نہ ایک جگہ کے قاضی کا فیصلہ سارے ملک میں ریڈیو سے نشر ہو جائے تو مان لیا جائے۔ میں نے کہا کہ لکھنؤ کالج ایک مقدمہ میں ڈگری دیتا ہے تو اس کو وہ خود وہی میں نافذ نہیں کر سکتا۔ وہ ڈگری جب دوسرے جج کے نزدیک ثابت ہو جاتی ہے تو وہ اس کو اپنے



مجلس نے جو طے کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: ”مجلس نے بالاتفاق طے کیا کہ اگر ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر کے متعلق یہ اطمینان ہو جائے کہ جس جگہ سے ریڈیو کی خبر دی جا رہی ہے وہاں کے علمائے چاند ہونے کی باقاعدہ شہادت لے کر چاند ہونے کا حکم دیا ہے، خبر دینے والا بھی متعین ہو کہ کوئی مسلم معتد خبر دیتا ہو تو اس اعلان پر اعتماد کر کے دوسرے مقامات پر بھی چاند ہو جانے کے حکم پر عمل کیا جانا جائز ہے اور تمام ہندوستان کے شہروں اور قصبوں میں متعین و فہم دار جماعت اس کے موافق حکم کریں تو ان پر عمل کیا جائے۔ یہ حکم تمام ہندوستان اور پاکستان کے لئے ہے۔“ بظاہر دیکھنے میں یہ فیصلہ ہے اور اخبار دالوں نے بھی اس کو فیصلہ ہی سمجھا۔ اسی لئے مراد آباد کے اس اجتماع کو ۱۳/۱۵ دھندہ ۱۳۷ھ مطابق ۱۸-۱۹ اگست ۱۹۵۱ء کو ہوا بہت مبارک قرار دیا۔ جس طرح اس پیچیدہ صورت حال کا فیصلہ اطمینان بخش اور سکون افزا ہوا جو آنے والے انتخابات کی ہماہمی کے سبب سے پیدا ہو رہی تھی، اس طرح اس مسئلہ (ریڈیو) کے متعلق بھی اطمینان بخش فیصلہ علمائے کرام نے صادر فرما دیا۔ ”حالانکہ گہری نگاہ سے دیکھا جائے تو اس مجلس نے نہ کوئی حکم بتایا نہ فیصلہ صادر کیا بلکہ تفسیر شرطیہ کے طور پر عوام کے لئے دل خوش کن بات کر دی۔ اس لئے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ ان کا منتہی شخص طالبہ قائلہ ہمارا موجود ہے یعنی اگر آفتاب طلوع ہو تو وہ موجود ہوگا، کہنے والا ہرگز نہ حکم ایجابی و جو نہ ہار کا دیتا ہے، نہ حکم سلبی عدم نہ ہار کا۔ یعنی نہ وہ یہ کہتا ہے کہ وہ ہے، نہ کہ کہتا ہے کہ وہ نہیں ہے بلکہ ایک گول میول بات کہہ کر وقت گانا چاہتا ہے، یعنی یہی حالت اس فیصلہ کی ہے۔ اس فیصلہ کی ابتدا بھی ہملہ شرطیہ سے ہے اور نہ صرف ایک شرط بلکہ شرط در شرط بالائے شرط کے ساتھ اس کو مشروط کیا کہ اگر ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر کے متعلق یہ اطمینان ہو جائے۔ الغرض ہر شخص جانتا ہے کہ یہ فیصلہ کسی عامی شخص کا نہیں، نہ عوام کی بیچاریت کا بلکہ جمعیت العلماء کے تین ورجن مولویوں کا متفقہ فیصلہ اور وہ بھی مشروط بشرائط جسے اخبار انجمنیہ سندھ ایڈیشن اور دوسرے اخباروں نے ووسطی سرفی کے ساتھ شائع کیا ہے:

”ریت ہلال کا اعلان اور شرعی نقطہ نظر۔ چند شرطوں کے ساتھ ریڈیو کے اعلان پر عمل کیا جاسکتا ہے۔“

اس سرفی نے بتایا کہ ریڈیو کے ذریعہ آنی ہوئی خبر جمعیت علمائے ہند کے نزدیک بھی شہادت کی حیثیت نہیں رکھتی، خواہ اسی مضمون میں ہے۔ ”ریڈیو کے ذریعہ جو اعلان کیا جاتا ہے، اس کے متعلق یہ تو ظاہر ہے کہ اس کو شہادت کی حیثیت نہیں دی جاسکتی، نہ اعلان کرنے والا اس کو شہادت کے طور پر پیش کرتا ہے، نہ شرعی قانون شہادت کی شرطیں اس میں پائی جاتی ہیں۔ اس اطلاع کو اگر خبر کی حیثیت دی جائے تب بھی وہ موجودہ صورت میں قابل اعتماد نہیں۔ کیونکہ خبر دینے والا ایک ایسا شخص ہوتا ہے جس کا نہ سننے والے جانتے ہیں اور نہ اس میں دہ شرطیں موجود ہوتی ہیں جو شرعی نقطہ نظر سے ایسی خبروں کے لئے ضروری ہیں۔ علاوہ ازیں وہ صرف ایک شخص کی خبر ہوگی جس کی بنا پر کسی خاص صورت کے



ملا وہ عام طور پر رویت ہلال کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔

اس عبارت سے صاف ظاہر کر دیتے ہیں تو اس کو شہادت کی حیثیت بلکہ خبر کی ہے اور خبر بھی شخص واحد کی جو نہ جامع شرائط ہے، نہ سننے والے اس کو جانتے ہیں تو اس کو شہادت کی حیثیت ہرگز نہیں دی جاسکتی بلکہ بعد شہادت فیصلہ و تکمیل کا اس کے ذریعہ صرف اعلان کیا جاسکتا ہے تو اس کی حیثیت ایک ڈگڈگی یا نقارہ کی سی ہوئی اور انا و نسا اس کے ذریعہ نشر کرنے والا ہوا اور وہ بھی چند شرطوں کے ساتھ شروط اور ہر شخص شروط حکم کے متعلق جانتا ہے کہ اس کی حیثیت خواب میں سلطنت کرنے والے شخص کی ہے۔ جب تک خواب دیکھ رہا ہے سلطنت کے پورے سامان ہیں، آگ کھلی تو ہو نامیدان۔ یہی حالت شروط حکم کی ہے اگر شرط پائی گئی حکم برقرار ہو جو دور نہ ہوا عن شور۔ اذافات الشرط فسات۔ مشروط اور جب کہ ایک شرط نہیں چند شرطوں کے ساتھ حکم مشروط تو سب شرطوں کا پایا جانا ضرور نہ حکم بے سیاہ مریخ کا کافور ہو گا۔

اہل علم حضرات بخیر غار ملاحظہ فرمائیں۔ یہ فیصلہ تین نکلوں پر مشتمل ہے:

اول اگر ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر کے متعلق یہ اطمینان ہو جائے کہ جس جگہ سے ریڈیو کی خبر دی جاتی ہے، وہاں کے علانے چاند ہونے کی باقاعدہ شہادت ملے کر چاند ہونے کا حکم دیا ہے۔ اس میں چھ شرطیں ہیں۔ اگر ایک بھی متفق ہو حکم معدوم یعنی (۱) اگر ریڈیو سے خبر آئی مگر علانے حکم نہیں کیا تو ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۲) اگر علانے حکم بھی کیا لیکن بغیر شہادت لئے کسی کے قول پر اعتنا کر کے حکم کیا جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۳) اگر شہادت بھی لی لیکن باقاعدہ شہادت نہ لی جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۴) اگر باقاعدہ شہادت بھی لی لیکن علانے شہادت نہ لی بلکہ معززین کے باقاعدہ شہادت لینے پر علانے حکم کیا، جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۵) اگر علانے شہادت باقاعدہ لی مگر وہاں کے علانے نہ لی، نہ جس جگہ سے ریڈیو کی خبر دی جارہی ہے بلکہ دوسری جگہ کے علانے باقاعدہ شہادت لئے کر حکم کیا جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۶) اگر دیں کے علانے جہاں سے ریڈیو میں اعلان کیا گیا ہے، باقاعدہ شہادت لی اور حکم کیا لیکن سننے والے کو اس کا اطمینان نہ ہوا، جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار۔ غرض پہلے نکلوں کی رو سے ان چھ شرطوں کی تحقیق ضروری ہے ورنہ رویت ہلال کے متعلق ریڈیو کی خبر کا کوئی وزن نہ ہو گا۔

دوم دوسرا نکلوں یہ ہے کہ خبر دینے والا بھی متعین ہو کہ کوئی مسلم معتد خبر دیتا ہو تو اس اعلان پر اعتنا کر کے دوسرے مقامات میں بھی چاند ہو جانے کے حکم پر عمل کیا جانا جائز ہے۔ یعنی انہیں چھ شرطوں پر بس نہیں بلکہ ان کے ساتھ ساتھ ساتھی ساتھیوں سے یہ ہے کہ خبر دینے والا متعین ہو۔ اگر کوئی شخص خاص اس کام کے لئے متعین ہو، جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہر ریڈیو اسٹیشن پر ایک ایک آدمی اس کام کے لئے متعین کیا جائے۔ کیا معلوم

کہاں چاند نظر آئے اور کہاں کی اطلاع سے کہاں روزہ رکھنے، روزہ کھولنے، عید کرنے کا حکم دیا جائے؟ کلکتہ کی خبر سے دہلی والوں پر یا کلکتہ کی خبر سے مدراس والوں پر دیہات کی خبر سے شیر والوں پر یا شہر کی خبر سے دیہات والوں پر حکم روزہ افطار کا ہوگا تو ہر جگہ ریڈ یو ایشن قائم کیا جانا اور ریڈ یو ایشن پر ایک آدمی خاص اس کام کے لئے متعین و مقرر کئے بغیر چارہ نہیں (۸) اور صرف متعین ہونا بھی کافی نہیں بلکہ خبر دہندہ کا مسلم ہونا ضرور ورنہ ریڈ یو کی خبرنا قابل اعتبار (۹) اور صرف مسلمان ہونے ہی سے کام نہیں چلتا بلکہ خبر دہندہ کو مستند بھی ہونا ضرور ورنہ ریڈ یو کی خبرنا قابل اعتبار۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ہندوستان کے طول و عرض میں مذہبی اختلافات کس قدر ہیں اور ہر شخص اپنے ہی، ہم مذہب شخص کو مستند سمجھتا ہے۔ کیا اسی عالم کے پاس شہادت رویت گذرے اور اس بنا پر ریڈ یو سے اس نے اعلان کیا تو اسے شیعہ صاحبان مان لیں گے یا شیعہ جہتہ کے نزدیک رویت کا ثبوت ہو اور وہ ریڈ یو پر اعلان کرے تو اس کو سنی مستند سمجھ کر مان لیں گے پھر سب سننے والوں کا مستند ہونا کس قدر دشوار ہے؟

موم پھر تیسرا چیز اگر ارف ملاحظہ کیجئے اور تمام ہندوستان کے شہروں اور قصبوں میں متعین ذمہ دار جماعت اس کے موافق حکم کریں تو ان پر عمل کیا جائے۔ یہ حکم تمام ہندوستان اور پاکستان کے لئے ہے۔ یعنی ان نو شرطوں کے بعد دسویں (۱۰) شرط یہ بھی ہے کہ تمام ہندوستان کے شہروں اور قصبوں یعنی اگر تمام ہندوستان کے شہروں قصبوں میں حکم نہ کیا بلکہ بعض ہندوستان کے شہروں قصبوں میں حکم کیا جب بھی ریڈ یو کی خبرنا قابل اعتبار (۱۱) اسی طرح اگر تمام ہندوستان کے شہروں میں حکم کیا لیکن قصبوں میں حکم نہ کیا، جب بھی ریڈ یو کی خبرنا قابل اعتبار (۱۲) علیٰ ہذا اس کے برعکس تمام قصبوں میں حکم کیا لیکن تمام شہروں میں حکم نہیں کیا جب بھی ریڈ یو کی خبرنا قابل اعتبار (۱۳) بعد میں اگر تمام دیہات کے متعین ذمہ دار جماعت نے حکم کیا جب بھی ریڈ یو کی خبرنا قابل اعتبار کہ شرط تمام ہندوستان کے شہروں قصبوں میں حکم کی ہے، نہ دیہات میں (۱۴) اسی طرح اگر پاکستان کے تمام شہروں قصبوں دیہات میں ذمہ دار متعین جماعت نے حکم کیا جب بھی ریڈ یو کی خبرنا قابل اعتبار کہ شرط تمام ہندوستان کی ہے، نہ پاکستان کی۔ اگرچہ حکم ہندوستان کا پاکستان کو بھی ماننا ضروری ہوگا ملاحظہ ہوا خیر کا فقرہ ”یہ حکم تمام ہندوستان پاکستان کے لئے ہے“ (۱۵) پھر ان شرطوں کے ساتھ متعین ذمہ دار جماعت کو بھی لحاظ رکھنا چاہئے یعنی اگر تمام ہندوستان کے شہروں قصبوں میں حکم کیا لیکن غیر متعین جماعت نے حکم کیا جب بھی ریڈ یو کی خبرنا قابل اعتبار (۱۶) متعین جماعت نے حکم کیا لیکن وہ ذمہ دار نہ تھی جب بھی ریڈ یو کی خبرنا قابل اعتبار (۱۷) حکم تمام ہندوستان کے شہروں قصبوں میں متعین ذمہ دار جماعت نے کیا جب بھی ریڈ یو کی خبرنا قابل اعتبار کہ شرط جماعت بصیغہ متعین ہے نہ جماعت بصیغہ احد (۱۸) ان تمام شرطوں کے بعد تمام گٹائیوں سے گذرنے پر بھی ریڈ یو کی خبر سے چاند ثابت ہو کر بحکم صومو السوریتہ و افطو الرویتہ یہاں بھی

رویت کا حکم ہو کر روزہ رکھنا یا انظار کرنا ضروری نہ ہوگا بلکہ عمل کیا جاسکتا ہے یعنی اگر کوئی عمل کر لے تو مضائقہ نہیں۔ یہ قلاصہ اس متفقہ فیصلہ کا ہے جسے ۳۵ علما نے جمعیت علماء ہند نے مراد آباد میں ۱۸-۱۹ مارچ کو پاس کیا ہے جو سب کچھ ہے اگر سرسری نگاہ سے دیکھا جائے اور جو گہری نگاہ سے دیکھا جائے تو کچھ بھی نہیں۔ میرے خیال میں یہ فیصلہ لسانِ احقر اکبر الہ آبادی کے اس شعر کا مصداق ہے۔

ہے وہم نقش ہستی ہر چند دل نہیں ہے دیکھو اسے تو سب کچھ سوچو تو کچھ نہیں ہے

ہاں یہ ضرور ہوا کہ عوام خوش ہو گئے کہ ریڈیو کے ذریعہ اعلان پر عمل کرنے کا علمائے چند شرطوں کے ساتھ فتویٰ دیدیا لیکن جب عید الفطر یا عید الفصحی کے چاند کے متعلق کسی جگہ کارڈیو بولے گا تو..... ہونے میں اس است کے مطابق ایک جماعت ریڈیو سے ہی عید کرنے کے لئے تیار ہو جائے گی اور اپنے دعوے کے ثبوت میں اسی فیصلہ کو پیش کرے گی۔ دوسری جماعت کہے گی یہ اعلان قابل اعتبار نہیں، اس لئے کہ علمائے ان شرطوں کے ساتھ فیصلہ کیا ہے۔ وہ کہاں پائی گئیں (۱) اس پر کہاں اطمینان ہوا کہ جس جگہ سے ریڈیو کی خبر دی جا رہی ہے، وہاں کے علمائے چاند ہونے کی یا قاعدہ شہادت لے کر چاند ہونے کا حکم دیا ہے (۲) یہ نشر کرنے والا کون شخص ہے؟ ہم تو اسے جانتے ہی نہیں (۳) پھر کیا معلوم کہ مسلم ہے یا غیر مسلم؟ (۴) مسلم بھی ہے تو کس مذہب و شرب کا ہے؟ ہم اس پر کس طرح اعتماد ہو کہ وہ شریعتاً مقبول و قابل وثوق ہے؟ (۵) یہ سب مان لیں پھر تمام ہندوستان کے شہروں، قصبوں میں متعین ذمہ دار جماعت نے اس کے موافق کب حکم کیا ہے جو حسب شرائط فیصلہ یہ اعلان قابل اعتبار ہو؟ شرطوں پر عمل کے متعلق عوام کی حالت اگر جمعیت علماء ہند کے حضرات معلوم کرنا چاہیں تو مولوی اشرف علی صاحب کی کتاب امداد الفتاویٰ ملاحظہ فرمائیں اور ان کے تلخ تجربہ سے سبق حاصل کریں۔ اس لئے کہ یہ ۳۵ حضرات جن کا فیصلہ اخبار والے اچھا لے رہے ہیں اور عوام شدد و فساد کے ساتھ پیش کر رہے ہیں، اکثر ان کے شاگرد کی حیثیت رکھتے ہیں اور بہتر سے شاگرد کی حیثیت کے ہوں گے۔ شاید ہی گئے چنے حضرات ان کے مساوی اور برابری کی حیثیت کے ہوں تو جب ان کو اپنا مشروط فتویٰ عوام کی بے احتیاطیوں اور ان کی وجہ سے شدد و فتن پیدا ہونے کی وجہ سے کہ عوام ان قیود و شرائط کو ملحوظ نہیں رکھ سکتے، واپس لینا پڑا۔ اس لئے ان ۳۵ علما نے جمعیت العلماء ہند سے نہایت ہی مخلصانہ گزارش ہے کہ مولوی اشرف علی صاحب کے تجربہ سے آپ حضرات بھی فائدہ اٹھائیں اور اس فیصلہ کو ایسے لیں ورنہ کچھ دنوں کے بعد ہر جگہ جنگ و جدل، نزاع، سر پھٹول اسی فیصلہ کی وجہ سے دیکھ کر اس سے رجوع کرنا ضرور ہوگا۔

امداد الفتاویٰ کی عبارت درج ذیل ہے: "اس کے قائل ہندو نے تار کو خط یا طبل و مدفع یعنی توپ پر قیاس کر کے اس باب میں ایک تقریر لکھی تھی جس میں قبولِ تاریخ میں کچھ تفصیل اور بعض شرائط کے ساتھ تنقید تھی مگر اس سال



بے باک شریعت مطہرہ پر افترا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”اذا اقبل الليل من ههنا وغربت الشمس فقد افطر الصائم۔“

نیز فرماتے ہیں: ”لا يزال النامس يتعير ما عجلوا الفطر۔“

ربا اس کا حوالہ دینا اور اپنے زعم میں آیت قرآنہ کو اپنا مذید سمجھنا ہو یہ خیال خام، بلکہ تشبر آ رہا ہے۔ اس کا جواب یہ کہ غایت اگر جس ماقبل سے ہو تو تحت حکم مغیا داخل ہوگا۔ مثل مرتفقین و کمین کے یوحیٰ جس مغیا ہونے، داخل حکم مغیا یعنی غسل ہے اور اگر غایت غیر جس مغیا ہو تو نہیں داخل ہوگا۔ اور یہاں صورت ثانیہ ہے۔ والنفس صیل فی کتب الاصول من شاء فليظفر اليه۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از بنارس محلہ مدنیوہ مرسل مولوی عبدالرحمان ۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ

زید کہتا ہے کہ دعا ”اللہم لک صمت وک امت وعلیک توکلت وعلیٰ رزقت افطرت“ میں سب صیغہ ضعیفی کے ہیں۔ اور ماضی دعائیں مستقبل کے معنوں میں ہو جاتی ہے۔ تو یہ سب صیغے مستقبل کے معنی میں ہوں گے۔ اور عمرو کہتا ہے کہ وہ جو کتابوں میں لکھا ہے، اس کا مطلب تو یہ ہے کہ جس ماضی کے ساتھ اپنے کو یا غیر کو دعا کی جاتی ہے، نہ یہ کہ جو صیغہ کہ دعا میں بولے جاتے ہیں۔ خواہ بغرض ماضی، ان سب سے مستقبل کے معنی لئے جائیں۔ تو ان دونوں میں قول صحیح کس کا ہے؟ بیجا تو جروا۔

## ال جواب

بے شک عمرو سچا ہے زید کا قیاس محض فاسد ہے۔ قائل کا مقصود ان الفاظ سے دعا کرنا نہیں ہوتا۔ بل بالفاظ افطرت سوا کر قبل افطار پر حاتوا البتہ معنی استقبال مختل ہے۔ ورنہ اس میں بھی خبر مقصود ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از کپ میرٹھ، کوٹھی خان بہادر، مرسلہ ششی میر محمد ۶ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بر خوردار حبیب محمد نے سترہ برس ۵ ماہ ۱۰ یوم کی عمر میں اس جہان فانی سے بعالم جاودانی رحلت کی۔ ایام حیات میں نماز مرحوم پابندی کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے۔ لہذا میں چاہتا ہوں کہ کل نمازوں کا کفارہ جس قدر سن بلوغ سے ایام و قات تک قضا ہوں یا جس قدر واجب ہوں، ادا کروں۔ براہ نوازش کتبہ فقہ وحدیث سے ٹھیک تعداد دو ایام تعداد کفارہ یومیہ کل کفارہ سے کس قدر ہوا، معزز کیجئے۔ مرحوم کے سات سال کی عمر سے بھی رمضان شریف کے روزے قضا نہیں دے۔ البتہ اس سال بحالت بیماری یک ماہ کے روزہ قضا ہوئے، ان کا کفارہ کیا ہوگا؟ پیدائش مرحوم ۶ شوال ۱۳۰۶ھ ہوئی بوقت ۷ بجے شام اور وفات ۱۰ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ بوقت ۳ بجے کے ہوئی۔ بیجا تو جروا۔

## جواب

حسب تصریح فقہاء کرام ہر نماز، ہر روزہ کا فدیہ، گیسپوں خواہ اس کے آئے یا ستو کہ نصف صاع اور پھر اور اس کے ستوا اور آئے سے ایک صاع ہے۔

در مختار میں ہے: "لو مات وعلیہ صلوات فائتہ و اوصیٰ بالکفارة یعطی لكل صلاۃ نصف صاع من بُر کالفطرۃ و کذا حکم الوتر و الصوم۔"

اس میں ہے: "حبب نصف صاع من بر لوفیقہ فی سبوق و صاع من تموی لوشعر اہ۔"  
منن و نقل کا کفارہ نہیں کہ وہ مکملات ہیں۔ دن رات میں صرف وتر و فرائض خمسہ کے پھر کفارہ، جس کے تین صاع گیسپوں، پھر صاع دو ہوئے۔ صاع عربی پانچ سو ہے، ہمارے بلاد میں مروج نہیں۔ لہذا اس کا حساب سیروں سے عام فہم ہے۔

واقول وی اللہ التوفیق: صاع دو سو ستر تو لے، شہم صاع اس کا نصف ایک سو پچیس تو لے، تو لہ بارہ ماشہ، ماشہ ۸ رتی، رتی آٹھ چاول کا ہوتا ہے۔ اور انگریزی روپیہ سکہ رائج سوا گیارہ ماشہ ہیں۔ پس چارہم صاع کی مقدار آٹھ سو سو ماشہ یعنی سارے ستر سو تو لے ہوئے اور شہم صاع ایک سو پچیس تو لے اور اس انگریزی روپیہ سے ایک سو چوالیس روپیہ بھر ہوئے۔ انگریزی سیر کہ بنگال و ہندوستان و پنجاب کے اکثر شہروں میں مروج ہے، اتنی روپیہ بھر یعنی پچیس سو تو لے کا ہے۔ اس سیر سے ایک صاع کے سارے تین سیر اور ڈیڑھ چھٹانک اور دسواں حصہ چھٹانک کا ہوا۔ تو فدیہ یومیہ نماز کا ۳ صاع گندم یعنی دس سیر..... چھٹانک ہوا یعنی چار روپیہ بھر اوپر پونے گیارہ سیر۔ اور ہر ماہ کے کہ ۳۰ دن کا ہو، آٹھ سو چار سیر ہوئے۔ اور حسب تصریح علماء عظام سال قمری کبھی تین سو پچیس دن سے زائد نہیں ہوتا۔ تو سال بھر کے پچانوے سو چونتیس سیر ہوئے۔ پس اگر مدت بلوغ معلوم ہے تو ان سترہ سال ۲۴ سال ۴ دن سے اس قدر نکال کر باقی کا فدیہ سال ماہ یوم سے حساب کر کے ادا کریں۔ اور اگر معلوم نہیں تو اٹھل مدت بلوغ کہ مرد کے لئے ۱۲ برس ہے، نکال کر باقی ۵ سال ۲ ماہ ۴ دن کے چار سو چچانوے سو انیس سیر تین چھٹانک، اور پانچواں حصہ چھٹانک کا کفارہ نماز میں ادا کریں۔ خواہ بازار کے نرخ سے اس قدر کی قیمت دیں۔

رے باتیں کفارے روزے کے کہ رمضان ۱۳۲۳ھ ۲۹ مئی وں کا ہوا، اس کی دو صورتیں ہیں۔ اگر ایسا مرض جس میں روزہ مضرت تھا یا روزے کی طاقت نہ تھی، شروع ماہ مبارک سے آخر تک برابر ستر ہر۔ اور شوال تک بھی کوئی دن ایسا نہ پایا جس میں روزہ کا امکان ہوتا۔ جب تو ان روزوں کا فدیہ اصل لازم نہیں۔ اگر شروع رمضان سے ۶ شوال تک کچھ دن ایسے پائے جس میں روزہ رکھنا مضرت ہوتا اور اس کی طاقت تھی، تو ایسے جتنے دن ہوئے، ان کا کفارہ وہی فی روزہ شہم صاع کے حساب سے یعنی چار روپیہ بھر اوپر پونے دسیر کے ادا کریں۔ یہ سب فدیے کسی فقیر معسر رکوہ پر تصدق کریں۔

در مختار میں ہے: "فان ماتوا اقبہ ای فی ذلک العذر فلا تحب علیہم الوصیۃ بالقدیۃ لعدم ادواکھم عدۃ من ایام اخر ولو ماتوا بعد زوال العذر و حیث الوصیۃ بقدر ادواکھم عدۃ من ایام اخر۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

(سوال دستیاب نہ شد)

## الجواب

طریقہ پیش آن سنت کہ حساب کنند سالہای عمر میت را، اداوتی مدت درم و دوازده سال و در آن نہ سال است، وضع کنند۔ باقی را مقابل ہر شش نماز واجب شبانہ روز کہ سہ صاع کامل گیرند، مابقیہا کامل ہی روز قبل رشتہ تا فدیہ نماز ہائے یکساں کہ سی و صد و شصت روز است، یک ہزار و ہشتاد صاع حاصل آید۔ مگر از آنجا کہ سال قمری بیش از سہ صد و بیست و پنج یوم نمی شود، فدیہ سال کامل یک ہزار شصت و پنج صاع از گندم شود یا نوزہ صاع فدیہ رمضان افزائند، ہنگامی فدیہ تمام سال یک ہزار و ہشتاد صاع شود و زنان را اگر عادت حیض معلوم بود، فدیہ ہزار و نہ از عیش بلوغ تا عمر بیست و پنج سال یا بہر عمر کہ حیض منقطع شدن معلوم باشد، بہر ماہ سہ روز کم کنند۔ ہمیں طریق سالہائے تمام عمر را حساب کنند۔ حاصل آنرا موافق قیمت آن وقت اگر ازانی شود، مبلغ شخص نمودہ والا پس ہر قدر کہ غلہ شدہ باشد بقدر او ہر کہ مصرف زکوٰۃ باشد، دہند۔ و اما فی زمانہا کہ ثبوت حامد کسان در امور شرعیہ تا ترست یا بوجہ قلت استطاعت قدر مذکور ادا نہ کنند کہ تشرش آنست کہ قدرے گندم یا جو و غیرہ یا کہ بصر شود۔ بمجملہ بایں نام بقدر ادا ہند و اقبول کردہ اینہا را بدہند۔ باز بہمان نام دہند و بچشمی مکرر کنند تا آنکہ فدیہ نماز روز ہائے تمام و کمال ادا شود۔

امام بزاز ہی ورفقاوی خود فرماید: "ان لم یکن لہ مال یمتقرض نصف صاع و یعطیہ المساکین ثم یتصدق بہ المسکین علی الوارث ثم الوارث الی المسکین ثم و ثم حتی ینم لکل صلوٰۃ نصف صاع کما ذکرنا۔" "ہذا فی البحر الرائق و الخلاصۃ و الہندیۃ و الطحطاوی علی مرقاۃ الفلاح و ابی السعود علی المسکین و الملقط و الیربندی و الذر المختار و غیرہما من معتمدات الاسفار۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔"

☆☆☆☆☆

## کتاب النکاح ۵

مسئلہ مرسلہ مولوی ظہور الحسن راہپوری مدظلہ اندر مسئلہ یہ ناقدیر ۲۵/رجب ۱۳۲۳ھ  
در نکاح ایجاب و قبول کہ رکن است اگر بجا ہے قبول الحمد للہ گفت و قبول کردم وغیر آن از الفاظ قبولیہ تکلف  
دریں صورت نکاح نافذ خواہد شد یا نہ؟ میثو ادتو جروا۔

### الجواب

نہ فی الہندیۃ: "مسئلہ نجس الدین عمن قال لامرءة خواتم راہپوری مدظلہ اندر رکن بڑنی وادی  
فغالت بالسمع والطاعة قال یعتقد النکاح۔ ولو قالت سیاس دارم لا یعتقد۔ لان الاولی اجابۃ والثانی  
وعد کذا فی المحيط۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد پٹھو شریف ضلع گجرات ۱۳۲۳ھ  
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چیری سے نکاح درست ہے یا نہیں؟ یعنی دیکل یا نکاح اور شاہدین  
جانتے ہوں یا ایک ایسا شخص اور سوائے ان تین کے جانتے ہوں اور بعد نکاح بھی اختتام منظور ہو اور یہ مقتصد ہے کہ حمل نہ  
رہے، جو افشاء نکاح ہو یا یہ بات کہ فلا نہ عورت سے بذریعہ نکاح جو تعلق ہے ظاہر نہ ہو۔ میثو ادتو جروا۔

### الجواب

گورنر جو چھپا کر نکاح کرنا چاہتی ہے، اگر نا بالغ ہے تو ظاہر کہ بغیر اولیاء کے نکاح نافذ نہیں۔

در مختار میں ہے: "وهو ای الولی شرط صحة نکاح صغیر ومحتون ورفیق۔"

رد المحتار میں ہے: "فلا یصح الا بولی۔"

اور اگر بالغ ہے اور اس کے لئے کوئی ولی نہیں یا جس سے نکاح کرنا چاہتی ہے، وہ اس کا کفو ہے یعنی نسب یا  
مردمب یا چال چلن یا پیشہ یا کسی بات میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح اس عورت کا ہوتا اس کے اولیاء کے لئے باعث تنگ  
و عار ہو یا کفو بھی نہیں نہ تو اس عورت کے ولی کو اس کی اطلاع ہے اور وہ یہ جان کر کہ یہ شخص اس کے ساتھ اس نکاح پر  
راضی ہے تو ان دونوں صورتوں میں نکاح ہو جائے گا۔ جبکہ دوم مرد یا ایک مرد، دو عورتیں ایجاب و قبول دونوں کو ایک جگہ  
میں کرا دیں اور اتنا سمجھیں کہ یہ نکاح ہو رہا ہے۔ اور اگر یہ صورت نہیں بلکہ اس عورت نا بالغ کے اولیاء موجود ہوں، جس  
سے نکاح کرتی ہے یہ کفو نہیں اور اولیاء کو خبر نہ کی گئی، یا وہ راضی نہیں یا راضی ہوئی لیکن انہیں کفو نہ ہوتا معلوم نہیں، تو سرے  
سے نکاح ہو گا ہی نہیں۔ اور صورت اولیٰ جس سے نکاح ہو جائے گا، اس میں بھی ایسا اختتام پسند و خلاف شرع ہے۔



حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں: "اعلنوا هذا النکاح واجعلوه فی المساجد واضربوا علیہ بالدفوف۔"  
 "نکاح کا اعلان کرو، اسے (تحرک) مسجد میں کرو، اس پر دف بجادو۔" رواہ الترمذی عن عائشة رضی اللہ عنہا  
 والامام احمد فی مسنده وابن حبان فی صحیحہ والطبرانی فی الکبیر وابو نعیم فی الحلیۃ والحاکم فی  
 المستدرک عن ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 حدیث شریف میں ہے: "فصل ما بین الحلال والحرام الدف والصوت فی النکاح۔" "ترنا اور پیوی سے  
 مجامعت میں فرق دف اور صوت ہے کہ ترنا چپکے چپکے کیا جاتا ہے اور نکاح اعلان کے ساتھ۔" رواہ احمد و الترمذی والنسائی  
 وابن ماجہ۔

شریۃ الاسلام میں ہے: "والسنة فی النکاح الاعلان ای الاظهار لیقع الفصل بینه وبين السفاح۔"  
 در صورت جواز نکاح یہ قسم کہ ولادت نہ ہو مستلزم ہے عزل کو یعنی وقت جماع فرج سے باہر انزال۔ عزت  
 اگر حرہ ہو (اور بیٹک میاں سب کی عورتیں ایسی ہیں) تو بے ان کے اذن جائز نہیں۔ مگر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے  
 مروی ہے: "نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یعزل عن الحرة الا باذنها۔" اور اگر وہ بھی راضی ہو تو  
 ایک عیب نقل ہے۔

حضور اقدس ﷺ سے عزل کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا: "ما من کل الماء بكون الولد واذا اراد  
 اللہ خلق شیا لم یمنعه شیء۔"

بلکہ ناپسند اور مقہور شرع کے خلاف ہے۔ حدیث شریف میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "نزد خدا  
 مرد و ولد فانی مکان ربکم یوم الفیضة۔" نکاح فی نفسہ کوئی بری چیز نہیں کہ ظاہر نہ کیا جائے۔ حضور اقدس ﷺ  
 فرماتے ہیں: "النکاح من سحی رغبت عن سننی فلبس منی۔" نکاح میری سنت ہے، جو اس سے اعراض  
 کرے وہ مجھ سے نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از شہر کدہ..... ۸/ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ  
 کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عردہ کے نکاح میں اپنی بھویہ بھی زاد بھائی کی لڑکی اور  
 ماموں زاد بھائی کی لڑکی آسکتی ہے یا نہیں؟ بیواؤ و جرد۔

الجواب

عردہ کے نکاح میں بڑا آسکتی ہے فقال اللہ تعالیٰ: "ونبیل لکم نوازلہ طیبہ" (النساء: ۲۴) فرست ہے نکاح کرنا  
 سوائے ان مجربات منصوصہ کے "واللہ تعالیٰ اعلم۔"

☆☆☆☆☆

مسئلہ از فرید پورہ بریلی مرسلہ قاضی محمد صلاح الدین ۱۲ جمادی الآخر ۱۳۲۳ھ  
چپی فرمائند علماے دین اندر میں صورت کہ زید بھالت مجروحہ ایک عورت مسماۃ ہندہ، بیوہ سے شادی کی اور  
ندہ اپنے ساتھ ایک لڑکا عمر زولائی۔ عمر کی وفات کے بعد عمر کی بیوہ سے زید کی شادی جائز ہے یا نہیں؟ بیذاو تو جروا۔

### الجواب

بلاشبہ عروہ کی بیوہ کی کا نکاح زید کے ساتھ جائز ہے۔ فقال الله تعالى: "وَأَجَلَ لَكُمْ مَأْوَزَةً لِّكُمُ" (النساء: ۲۴) "اور ان  
کے سوا جو ہیں، وہ نہیں حلال ہیں۔" (کنز الایمان)  
نکحہ الحلال میں ہے: "ولا نحرّم بنت زوج الام وامه ولا ام زوجة الاب ولا بنتها ولا امه ولا ام زوجة الاب رملی۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔



کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے نکاح کیا۔ اس عورت کے ہمراہ  
ایک لڑکی سات برس کی تھی اور اس شخص کے ایک لڑکا تھا۔ پہلی بیوی سے وہ لڑکی کا باپ و لڑکی اور لڑکا دونوں جوان  
ہو گئے۔ اب وہ شخص اور وہ عورت باہم لڑکی اور لڑکے کا نکاح کرتے ہیں، جائز ہے یا نہیں؟ بیذاو تو جروا۔

### الجواب

بلاشبہ جائز ہے۔ نکاح آپس میں درست ہے۔ فقال الله تعالى: "وَأَجَلَ لَكُمْ مَأْوَزَةً لِّكُمُ" (النساء: ۲۴) "اور ان  
کے سوا جو ہیں، وہ نہیں حلال ہیں۔" (کنز الایمان)  
عزرائق میں ہے: "نحل اخت اخیہ نسباً بان یکون له اخ من اب او اخ من امه فانه يجوز له  
النزوح بها حکذا فی شرح الکنز والنبین والعلما مسکین۔" واللہ تعالیٰ اعلم وعلہ اتم واحکم۔



مسئلہ مسئلہ از شہرہ... ۳۰... روز یقعدہ ۱۳۲۳ھ  
کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی زوجہ نے انتقال کیا اور شخص مذکورہ کی خواہش یہ ہے  
کہ اپنی بیٹی بیوہ سے جو کہ بیوہ ہے عقد کرنا چاہتا ہے۔ از روئے شرع شریف درست ہے یا نہیں؟ بیذاو تو جروا۔

### الجواب

اگر کوئی وجہ حرمت یا قرابت سے نہیں تو اس شخص کا نکاح اپنی بیٹی بیوہ سے درست ہے۔ فقال الله تعالى:  
"وَأَجَلَ لَكُمْ مَأْوَزَةً لِّكُمُ" (النساء: ۲۴) اور حلال کی گئی تمہارے لئے ماسوا محرمات منصوصہ کے۔ اور ظاہر ہے کہ محرمات منصوصہ  
سے بیٹی بیوہ نہیں۔ والمسئلة لا تخفى على من له عقل سليم وفوق كل ذي علم عليم واللہ تعالیٰ اعلم۔  
جواب صحیح اور عجیب ہے واللہ اعلم فقیر الحق القدیر وصی احمد فادری مدرس مدرسۃ الحدیث بیلی بہت محلہ میر نغان

مسئلہ مسئلہ حافظہ نبی بخش محافظ دفتر سرائے خادم ۷ ربیع الثانی شاہجہاں پور ۱۳۲۲ھ  
 کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک علیہ تکف غیر مذہب نے اپنا نکاح مسلمان  
 کے ساتھ بلا مسلمان ہوئے کیا۔ ایک ماہ تک اس کے مکان پر رہی اور کھانا پینا بھی شمول رہا۔ بعد ایک ماہ، زید کے یہاں  
 سے نکل کر بکر کے ساتھ نکاح کر لیا۔ قبل نکاح ثانی کے اس کو کچھ شریف پڑھایا گیا اور نماز بھی پڑھائی گئی۔ اسلام میں  
 مذہب امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک شرع شریف میں وہ نکاح اول یعنی زید کے ساتھ اور نکاح ثانی یعنی بکر کے  
 ساتھ ان دونوں میں کوئی نکاح درست ہے یا نہیں؟ اگر کوئی درست نہیں، تو اب شرع شریف کے نزدیک کس طرح  
 پر درست ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بنیاد تو جردا۔

### الجواب

طوائف کا، اگر وہ کتابی تھی اور اس نے اپنا نکاح زید کے ساتھ قبل قبول مذہب اسلام کر لیا تو یہ نکاح صحیح ہو گیا۔  
 لعدم المانع۔ اس کے بلا طلاق دوست زید جو نکاح بکر سے کر لیا، یہ نکاح درست نہیں اور نہ ہوا۔ قال اللہ تعالیٰ جل  
 وعلا: "وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ" (النساء: ۲۴) "اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں" (کنز الایمان)  
 چنانچہ میں ہے: "وحرمت علیکم ای ذوات الأزواج من النساء من قبل مفارقة لزوجہن" یعنی اور حرام کی  
 گئیں تم پر شوہر دار عورتیں قبل مفارقت ازواج ان کے۔ اگر وہ عورت مشرک تھی تو بلا مسلمان ہوئے اس کا نکاح زید سے درست نہ  
 ہوا۔ قال اللہ تعالیٰ: "وَلَا تَحْزَنْ حَوْلَ الْمُشْرِكِاتِ حَتَّى يُؤْمِنَ" (البقرة: ۲۲۱) اور نہ نکاح کر ذر شریک سے جب تک وہ ایمان  
 نہ لے آئیں۔ اس صورت میں بعد اسلام جو نکاح اس نے بکر سے کیا، وہ صحیح ہوا۔ ملحوظ عن الأزواج و المسئلة مشہورہ۔  
 واللہ تعالیٰ اعلم۔



بمختار جناب زیدۃ العارفین و قدوة السالکین، خاتم المحدثین، دارت علوم سید المرسلین، اعلیٰ حضرت استاذ  
 و مرشدنا صاحب قبلہ ادام فیہم علیہ اعلیٰ سائر المسلمین آمین  
 پس از تقدیم آداب و قدم بوسی معروض خدمت بابرکت میں یہ ہے کہ بہت دن گزر گیا ہے کہ ایک خط مندرج  
 ایک سوال کے ارسال خدمت کیا گیا تھا۔ مگر شوی بخت سے جواب نہیں دیا گیا۔ لہذا بار دیگر عرض کرتا ہوں۔  
 سوال: ایک شخص نے ایک آدمی کو اس وعدے سے کہ اپنی لڑکی کی شادی کر دیں گے، اپنے گھر میں لایا اور کہا  
 کہ تم میرے گھر داماد رہو! مگر میرے گھر کا کام مکمل انجام دینا ہوگا۔ دین میرے گھر کا کچھ نہ دینا ہوگا۔ تو بعد ازاں ایک ہفتی  
 تم جو میرے گھر میں کام کر دو گے، اس سے مہر ادا کیا جائے گا۔ مگر یہ بات معلوم نہیں تھی کہ نکاح پر بہت روپیہ قرض تھا۔  
 جب کہ اتنا روز گذرا، قرض خواتوں نے تقاضہ شروع کیا۔ اب دین کے باپ نے اپنی طرف سے اس کا قرض کچھ  
 ادا کیا اور کچھ باقی رہا۔ پھر جب کچھ دن گزرے تو نکاح کچھتا ہے کہ اب نکاح کرادو۔ دین کے باپ کہتا ہے تم میرے یا

اس آئے، اتنا قرض تھا قرض ہوا کہ میں نے تمہارا قرض ادا کیا۔ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ تم کچھ دے دینے کہیں سے لاؤ تب شادی ہو جائے گی۔ انہوں نے بہت تلاش کیا اور قرض چاہا مگر آگے کا مقروض تھا، کہیں سے کچھ نہیں پایا۔ پھر دلہن کے باپ نے کہا کہ تھوڑا دن میرے پاس بٹھرو، میرے پاس کچھ دے دینے ہو جائے، تب تمہاری شادی کرادیں گے، مگر وہ نہ مانا۔ دوسرے ایک آدمی سے مل کر رات کو اس لڑکی کو چرا کر لے بھاگا اور مشورہ دینے والے کے گھر میں رکھا۔ لے جانے کے بعد دلہن کے باپ نے اس کے پاس رد و ذکر کہا کہ مجھ کو شرم ست دینا، میرے گھر میں آؤ، میں بخوشی نکاح کرادوں گا۔ جب دلہن نے یہ بات سنی تب یہاں سے دوسری جگہ لے جا کر دونوں چھپ رہے۔ تو دلہن کے باپ نے اس کو خبر کر دی۔ قریب دو مہینہ بعد میاں بی بی دونوں پکڑے گئے۔ حاکم کے پاس مقدمہ دائر ہوا۔ تو اگر فیصلہ یہ ہوا کہ لڑکی کو اپنے والدین کے حوالہ کیا جائے اور اس کو محبوس ڈیڑھ مہینہ کیا اور دلہن کے پاس نہ گھر رہنے کو نہ جگہ گھر یا نہ ہٹنے کو۔ نہ طعام ایک وقت کا موجود ہے اور نہ ایک کوڑی مول لینے کو ہے۔ ایسا مفلس اور نادار شخص ہے۔ ایسے آدمی کو ایک لڑکی کیوں کر دی جائے، نہ ایک پکڑا دے سکتا ہے۔ پس دلہن کے باپ نے دوسرے آدمی کو کاس کے پاس دوسرا دے دیا موجود ہے، اس سے نکاح کرادیں۔ تب ظاہر ہوئی یہ بات کہ جو چرا کر لے گیا تھا، اس وقت میاں جن نے نکاح پڑھوایا تھا مگر جس وقت کہ مقدمہ دائر تھا، اس وقت کسی نے یہ بات نہیں کہی اب جب کہ نکاح دوسرا ہو گیا۔ جو لوگ شاہدار وکیل تھے، کہتے ہیں کہ نکاح اس سے ہو گیا مگر لڑکی سے قبل نکاح خانی کے ہم دو تین آدمیوں نے بہت پوچھا اور بار بار استفسار کیا لیکن وہ برابر انکار ہی کرتی رہی کہ نکاح نہیں ہوا۔ ایک دفعہ ایک عورت سے اقرار کرتے سنا ہوں کہ اپنے کان سے نہیں سنا اور یہ بات پھر پوچھی گئی تھی۔ میری کچھ تصدیق کیا گیا تھا یا نہیں؟ کچھ کپڑا بھی نقد دیا تھا یا نہیں؟ برابر کہا کہ نہیں۔ واقعہ بھی یہی تھا کہ اس نے کچھ نہیں دیا۔ حاکم برہما تھا۔ لڑکی چودہ برس سن کی تھی۔ برہما قانون میں نابالغ ٹھہرایا، نابالغ اپنے اختیار سے نکاح نہیں کر سکتی ہے۔ مگر از روئے شرع محمدی، موافق مذہب حنفی کے لڑکی بالغ ہے۔ خوب ظاہر، اس میں کچھ شک نہیں۔ اب لڑکی کے والدین کہتے ہیں کہ اگر اس سے نکاح ہو گیا ہو، تاہم اس کو لڑکی نہیں دیں گے۔ چونکہ اس کو نہ گھر ہے، نہ جگہ گھر یا نہ ہٹنے کی ہے اور نہ روزی ایک روز کی موجود ہے۔ اور نہ وہ ایک کپڑا دے سکتا ہے، ایسے آدمی کو لڑکی کیسے دی جائے گی؟ بالفرض اگر دی بھی جائے تو وہ کیا کھلائے گا اور کہاں کرے گا؟ اس سے اگر نکاح ہوا ہے تو فوج کر دوں گا، چونکہ وہ میرا کٹھن نہیں ہو سکتا ہے۔ اب یہ مسئلہ میرے پاس آیا ہے۔ مگر میں کیا جواب دوں، سناکت ہوں، کچھ جواب نہیں نکلتا ہے۔ اب آنحضرت خوب تحقیق کر کے عبارت کتب تحریر فرما کر بندہ کے پاس ارسال فرمائیں۔ اگر صورت صحیح ہو تو صحیح اگر مگر نہ ہو تو صحیح۔

جواب مرسلہ مولوی واعظ الدین بنگالی جہنم حرم الخرام ۱۳۲۴ھ

مولانا المکرم علیہم السلام رحمۃ اللہ دیر کا نہ! اس شخص کی حالت جو لڑکی کو لے گیا تھا اور دعویٰ نکاح کرتا ہے، جس طرح کہ سوال میں مرقوم ہے، بہت قرض دار ہے، نہ گھر رہنے کا، نہ چادر کھانے کا، نان نفقہ، خور و نوش سے عاجز ہے۔ نہ طعام ایک وقت کا موجود ہے، نہ کوڑی مول لینے کو، نہ ایک کپڑا دے سکتا ہے، نہ مہر مہر مہر مہر ادا

کر سکتا ہے۔ تو فی الواقع اس لڑکی کا قصور نہیں، کہ کفالت میں معتبر کفالت فی المال بھی ہے۔ یعنی وہ ایسا ہو کہ مہر و نفقہ دے سکے۔ عالمگیری میں ہے: ”وہو ان بكون مالک المهر والنفقة هي المعنوی فی ظاهر الروایۃ حتی ان من لا یملکها اولا بملک احدھا حتی لا یكون کفأ کذا فی الہدایہ۔“

پس جب کہ وہ اس کا کفو نہیں۔ تو اگر لڑکی چودہ سال کی بالغ ہے، قطع نظر اس سے کہ عورت نکاح کا انکار کرتی ہے۔ یہ نکہ دی ہے اجازت ندی، بغیر اس کی رضا کے نکاح کر لیا جائے خود موافق مذہب مفتی بہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں، محض باطل ہے۔ اور موافق ظاہر الروایۃ کے اگر چہ صحیح ہے، مگر ولی کو حق فیض حاصل ہے۔ حاکم سے کہہ کر تقریق کر سکتا ہے۔

”امروہ زوجت نفسہا من غیر کفو صح النکاح فی ظاهر الروایۃ وروی الحسن عن ابی حنیفۃ ان النکاح لا ینعقدو بہ اخذ کثیر من مشائخنا کذا فی المحيط۔“  
 ”تین میں ہے: ”من نکحت غیر کفو فوق الولی لما ذکرنا والنکاح ینعقد صحیحاً فی ظاهر الروایۃ۔“  
 حاشیہ علامہ شلخی میں ہے: ”اسما علی الروایۃ المختارۃ للفتویٰ لا یصح العقد اصلاً اذا کانت زوجت نفسہا منها۔“

درمختار میں ہے: ”وبغنی فی غیر الکفء بعدم جوازہ اصلاً وهو المختار للفتویٰ لفساد الزمان“  
 (الدر المختار، باب الولی: ۵۶/۳)

فقہ درمختار میں ہے: مسئلہ فی امروہ برہد الزوج بلا رضا ابیہا وهو غیر کفو کیف احکم فی ذلک؟  
 الجواب: اذا نکحت بلا رضا ابیہا فرق القاضی بینہما یطلب الولی وهذا ظاہر الروایۃ عن المشاؤلکن المروی عن الحسن عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بطلان النکاح من غیر کفو وبہ اخذ کثیر من مشائخنا قال شمعن الائمة وهذا اقرب الی الا حنیاط والا حوط مد باب الزوج عن غیر کفو ء قال الامام نضر الدین الفتویٰ علی قول حسن فی زماننا۔ فی البحر المفتی بہ روایۃ الحسن عن الامام ابی حنیفۃ من عدم انعقاده اصلاً اذا کان لہا ولی زلم برض قبل فلا یفید الرضاء بعدہ ۱۰ مختصراً۔“  
 مفتی بہ روایت حسن کی امام صاحب سے ہے کہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں، کہ عالمگیری اور درمختار میں اور صاحب ہدایہ اور غلامہ اور قاضی خاں میں ”مختار للفتویٰ“ اور علامہ شلخی نے ”الروایۃ المختارۃ للفتویٰ“ ایضاً میں ”وعلبہ الفتویٰ“ فرمایا۔ لہذا کذا فی فتح السلبہ المعین ونبین وبزازبہ وخزانة المفتیین۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بلاشبہ جواب صواب ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ فقیر سرِ اقبال فقیرِ روضی احمد حنفی قادیانی مدرس مدرسہ الحدیث واقع بیل بھت محل منیر جان۔

مسئلہ مسئلہ مولوی عبدالرؤف از ملک بنگال شویہ پور ضلع نواکھی ۲۴ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

ماحول لکم ایہا العلماء، وارث الانبیاء ورحمۃ اللہ بیکر کانکم اندر میں مسئلہ کہ زید، زوجہ خوراسہ طلاق داوہ بعد از اس برائے آوردن در نکاح خود عمرو را بران کلام مقرر و معین فرمودہ کہ تو زیدہ مطلقہ مرا بعد از انتفا سے عدت بنگاہ آوردہ بعد از دو یک شب زن مذکورہ را سہ طلاق بدہ۔ عمرو بر آں قول مقرر گشتہ، آن زن را بنگاہ آوردہ بحسب قرائن زن را سہ طلاق بداد۔ آن نکاح صحیح است یا نہ؟ و برائے زوج اول حلال است یا نہ؟ اگر علماء و عوام الناس بر این فعل ترغیب بدہند مجرم خواہند شد یا نہ؟ و صدق قول رسول اللہ ﷺ لعنة اللہ علی الماحل والمحلل نہ بر او شای صادق آید یا نہ؟ با دلہ شرعیہ و قویہ بمطابق مذہب حنفیہ بیان فرمائید و عند اللہ اجر تشکر گیرند۔

### الجواب

السلام اربنا الحق حقاً والباطل باطل لا یستخفک لاعلم لنا الا ما علمتنا نکاح عمرو با زویہ زید مکوہہ بنگاہ صحیح بشرط تحلیل مثل آنکہ گویہ، تزوجت علی ان احللتک نزد فقیہ اقدم، امام اعظم، مراجع الملئ والہدین والائمة ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکروہ است، و ممنوع و گناہ است۔ و ہمیں مذہب اہل علم از اصحاب کبار عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عثمان بن عفان و عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم و از تابعین اخبار امام سفیان ثوری و ابن مبارک است و امام شافعی، احمد ہم قائلش شدہ اند۔

و ہدایہ است: "و اذا تزوجها بشرط التحلیل فالنکاح مکروہ۔" اگر از اس مطلق بشرط تحلیل نکاح کروہ، بنگاہش مکروہ است۔ ہکذا فی التبیین والبحر و شرح الوقایہ وفتح اللہ المعین قال فی الدر المختار و کبرہ التزوج للثانی (تحریر ما) و در رد المحتار تحت قولہ و کبرہ التزوج للثانی است: کذا فی البحر یعنی در بحر تم کراہتیش مرقوم است۔ لیکن اگر تحلیل آن زن بر زوج اول عند العقد تخص منوی و منصر و اشت است۔ کما ہو المستفاد من ظاہر السؤال و شرط و رد عقد نکرد، مستحق لعن فتوایہ شد۔

فی العتایہ، لو اضمر ذلك فی قلبہ لم یحقق اللعن۔ و در نہ مکروہ است بلکہ آن مرد و انشاء اللہ تعالیٰ ناجور خواہد شد۔ کما فی البحر و التبیین و رد المحتار از مضمورات است (کہ آنرا علامہ ابن عابدین شای شاذج در مختار تحت قولہ لا یکرہ کردہ بیل بجل فی قولہم جمیعاً بلکہ بالاتفاق حلال است مراور۔ بازنکاح بشرط تحلیل اگرچہ گناہ است، تا در حصول تحلیل آن مرد زوج اول را نہ اشتیاء است چون عمرو بالغ یا مراهق کہ منکح جماعی تو او نکرد، آن را بعد طلی طلاق بداد۔ بعد انتفا سے عدت بر زوج اول بلا شیعہ حلال است، بے لوجود الدعول فی النکاح الصحیح۔ و ہدایہ است: فان طلقها بعد و طلیها حلت للاول یس اگر آن مرد، آن زن را بعد دلی طلاق داوہ، بر زوج اول حلال است۔ فی الدر المختار: "کرہ شرط التحلیل وان حلت للاول لصحة النکاح و بطلان الشرط فلا یجوز علی الطلاق کما حققہ الکمال۔"

”نکاح بشرط تحلیل سکرہ است اگرچہ آن زن برائے شوی حلال شد بسبب صحت نکاح و بطلان این شرط۔ پس زوج ثانی اگرچہ بشرط طلاق و در عقد آوردہ باشد بر طلاق بجزکرہ شدہ۔ چنانچہ امام کمال ابن ہمام تحقیق فرمودہ است۔“  
 و علمائے کہ بر زوج بشرط تحلیل ترغیب دہندہ لا جرم بمضمون الدال علی الشی کفاعلہ اثم و صدق حدیث لعن رسول اللہ ﷺ خواہند شدہ، احتراز باید کرد و از شران علمائے پس بعید است کہ نکاح برائے اجتماع زوجین کردہ می شود، برائے تفریق راترغیب دہند نساء اللہ العفو والعاقبہ واللہ تعالی اعلم  
 ☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نابالغ کا نکاح اس کا باپ کر سکتا ہے یا نہیں اور ماں کو منع کرنے کا حق ہے یا نہیں اور ولی کون کون ہیں؟

### الجواب

بلاشبہ جائز ہے۔ کفر الدقائق میں ہے: ”ولولئ انکاح الصغیر والصغیرہ۔“ یعنی جائز ہے نکاح کردینا ولی کو صغیر اور صغیرہ کا۔ اور عصبہ برترتیب ارث ہے۔ یہاں تک کہ اقرب کے ہوتے ابجد محبوب ہے۔ ہدایہ میں ہے: ”والنرتیب فی العصبیات فی ولایۃ النکاح کالترتیب فی الارث والایبعد محجوب یا الاقرب۔“  
 پس جب کہ باپ نکاح کرنا چاہتا ہے ماں منع نہیں کر سکتی اور باپ کا نکاح کر دینا جائز ہے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم واحکم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اندر اس مسئلہ کہ اگر ولی غیر جاہر دخترک نابالغہ را نکاح نہ یزد۔ بعد از بلوغ آن دخترک بر دفعی شرع بر فتح نکاح قادر است یا نہ؟ نیز بر تقدیر اول نزد محمد و ابوحنیفہ بعض از شرائط فتح نکاح قضاء کا قاضی پست۔ لہذا معترض گوید کہ دریں دیار بوجہ عدم قاضی نہ دخترک پس از بلوغ بر فتح نکاح قادر نیست۔ بدلیل عقلی و نقلی ایں اعتراض درست شود یا نہ؟ بیواؤ تو جردا۔

### الجواب

زبانی سنا کیل معلوم شد کہ نکاح بذراہم وجودگی اب نمودہ و پدرش بحکس نکاح حاضر نبود و بعد استماع خبر جلسہ اولی سکوت کردہ بچہ ناخیزہ او کرد و بران را شعی شد۔ پس بر تقدیر صدق مستحق نکاح مذکور باطل محض است۔ اصلاً ردئے صحت ندارد۔ و فی الدرر: ”قلو زوج الا بعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ از الی ان احاز حازو الا فلا و اذا لم یحجز لیحجز۔“ یعنی اگر ولی بعد وقت موجودگی ولی اقرب نکاح کرد۔ بر اجازت موقوف خواہد ماند۔ پس اگر اجازت داد و نکاح صحیح و درست شد و مرد گرد کرد باطل است۔ پس چوں اجازت نہ داد و رد کرد، نا جائز باطل است۔ و سکوتش

پہلے اولیٰ تم نیست کہ رضا صراحتاً ولادت پیش قبض مہر یا فرستادن دختر خوردار توولی وغیرہ ملک مردگار راست۔

قال العلامة الشافعی فی حواشیه: "فوقہ توقف علی اجازتہ" تقدم ان الیالۃ لوزوجت نفسہا غیر کفو قللو لی الاعتراض مالم یرض صریحاً او دلالۃ لقبض المہر ونحوہ فلم یجعلوا سکونہا اجازۃ والیالۃ ہر ان سکونہا ہذا کذلک فلا یکون سکونہا اجازۃ لنکاح الا بعد وان کان حاضر اقی مجلس العقد ومالم یرض صریحاً او دلالۃ تامل۔"

واما جواب این آمد کہ صورت نسخ بودی چگونہ کرد و شدی پس از آنجا کہ در عامہ بلاد ہند بید سلطنت مسلمانان، قاضی شرع معذور و حکم عتقا دارد، چارہ کار این بود کہ زوجہ معاملہ مذکورہ را پیش حکم برو کہ او بعد شورت بمواشیہ شوہر تفریق کند۔ فان الحکم کفای القاضی کل مالیس یحد ولا فود ولا دية کما نص علیہ فی عامۃ الکتب للمذہب۔

مگر حکم باریضائے فریقین نتوان شد۔ اگر زوج تن برضاند بد، حکم حکم مقبول نیست و در زمان فقدان سلطان اسلام، قضاہ ہر کہ از علمائے سنت العلم وافقہ و اہل باشد، درین جنس امور قائم مقام اوی باشد۔ می رسید کہ پیش آن عالم رفتی، از کار خودی گفت و عالم بعد شورت مواجہت شوہر تفریق فرمودے۔ فان این معاملہ درین و باریش نمی رو۔ اگر بعد تفریق عالم زن حکم شوہر نمی گرفتہ خودہر زنی و مگر بد۔ شوہر بہ کجبری باناشی می توان شد۔ پس اوی آنکہ بریاست، اسلام میزد قاضی دست کہ بجا عام من جانب نواب باشد تفریق خواہد۔ بفرقیش نکاح فتح خواہد شد۔ اینجا وقت نہیں است کہ تقاضہ کل الفاہک روا نیست و ریاست را بر شہر کہ سائن قلم بردار نیست ولایت کرا خواہد۔ فانا بنیب معاہدہ کہ میان ریسان و انگریز اہل است، آنان بالجبر بذریعہ کلٹر اس ظلمت می تہ اند کرد و گناہیم تو اندیش علم بلد معاملہ بیایان رساند تا عندا شد تفریق حاصل نشود تا آنکہ آن زن گوید کہ تفریق یافتہ ام بلکہ از سر مقدمہ پیش کند کجبری ہانب۔ شرع اند۔ چون ثابت شد کہ دلی الیحد بے اجازت اقرب تردد کرد و اقرب و موبہ، حکم برو خواہند داد و این حکم مطابق آن حکم خواہد شد۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اصاب المعجب جزاء القریب جز الا یثیب عیلة المذنب احمد رضا بحال القادر۔

☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بالفذ کا نکاح اس کے بھائی نے بلا رضا مندی اس کے اور بلا قبول اس کے زید سے کرویا۔ اور حیلہ سے زید کے مکان پر بھائی نے گیا اور جس وقت نکاح کی خبر ہندہ سے نہی تو اوہاں سے چلی آئی۔ یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

### الجواب

صورت مسئلہ میں حسب بیان سائل معلوم ہوا کہ ہندہ بالفذ ہے۔ لہذا بغیر رضا اس کے اور بلا اجازت اس کی برگز درست نہیں۔ یہ نکاح نہیں ہوا۔ ولایت جز نا بالفذ پر کسی کو حاصل نہیں واللہ اعلم۔ محمد حسین

بیشک نکاح نہیں ہوا کیونکہ عورت نا بالفذ کا نکاح بدولن اس کے اذن کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ فقال النبی ﷺ: "لا



تَنْكَحُ الْاِمْرَاةَ حَتَّى تَمْسُوهُ وَلَا تَنْكَحُ الْبِكْرَ حَتَّى تَمْسُوهُ۔“ الحدیث متفق علیہ۔ وعن حسنہ بنت عذام ان اباهما زوجها وهی ثیب (ای بالغہ) فکرت ذلک فانت رسول اللہ ﷺ فرد نکاحها رواہ البخاری۔

حررہ العبد الضعیف محمود غفرلہ

یہ جواب غلط ہے۔ سوال میں صرف اتنا ہے کہ ہندہ بالغہ کا نکاح اس کے بھائی نے بغیر اس سے اجازت لئے زید سے کرادیا۔ جب ہندہ کو خبر ہوئی فوراً چلی آئی۔ اس پر یہ کہنا کہ ہرگز نکاح درست نہیں اور یتیمک یہ نکاح نہ ہوا، محض غلط ہے۔ نکاح ضرور درست ہے اور ضرور ہو گیا۔ اجازت نہ لینے سے اس قدر ہوا کہ نکاح فضولی قرار پایا۔ پھر نکاح فضولی صرف درست نہیں بلکہ صحیح و معتقد ہے۔ ہاں اس کا نفاذ اجازت پر موقوف رہتا ہے۔ اگر اجازت دیدے نافذ ہے، چاہے رد کرے تو باطل ہے۔ پر یہاں کوئی ٹکڑہ بھی مذکور نہیں۔ صرف اتنا ہے کہ وہ سن کو رد فرما چلی آئی۔ چلا آنا ممکن ہے کہ بر بنائے عدم رضا ہو یا بر بنائے شرم و حیا ہو، محض بات سے خواہی تو خرابی رد قرار دینا، محض جہالت ہے۔ اس کا جواب مستند یہ ہے کہ نکاح صحیح سمجھا جائے گا اور ہو گیا۔ اور اس کا نفاذ اجازت ہندہ پر موقوف ہے۔ واللہ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے ہندہ کو نابالغ میں شادی کیا اور ہندہ کے والدین نہیں تھے۔ تانا نانی نے پرورش کیا اور ان کو دلی مان شادی دلایا۔ اور ہندہ کا اس وقت سے لے کر وقت شادی تک کوئی واسطہ نہیں رہا۔ اور ہندہ نے اور شادی تا بعد بلوغیت آمد و رفت کا سلسلہ جاری رکھا۔ تقریباً شادی کو ڈیڑھ سال ہو رہا ہے۔۔۔۔۔ ہوئی ہے اور اس کے تانا نے ان کو آنے سے باز رکھا ہے۔۔۔۔۔ وقت شادی ان کے چچا کی موجودگی پر میں نے دلی بن کر شادی دلایا۔ لہذا نکاح منسوخ ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ یہ بتائیں کہ نکاح ہوا یا نہیں؟ سوال کا جواب مفصل دیں۔ (نام غدارو)

الجواب

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ ہندہ کی شادی کو ڈیڑھ سال ہوئے۔ شادی کے چھ ماہ بعد وہ بالغ ہوئی اور شادی کے دن سے اس وقت تک شوہر سے راضی اور اس نکاح سے خوش ہے۔ اور سوال میں بھی ہے کہ ”ہندہ نے از شادی تا بعد بلوغیت آمد و رفت کا سلسلہ جاری رکھا۔“ اس لئے یہ نکاح کو دلی بعید نے پڑھایا اور ہندہ نے بعد بلوغ پسن کیا، انکار نہ کیا، جائز و ثابت ہے۔

ہر ایام میں ہے: ”وان زوجها غیر الاب والجد فکلک منہما العیار اذا بلغ، ان شاء اقام علی

التکاح وان شاء قسح۔“

ہندہ کے تانا کا اس کو شوہر کے پاس آنے سے روکنا سخت گناہ اور ”تَقْسِرُ فِسْوَى بَيْنِ الْحَرَمِ وَزَوْجِهِ

“(البقرة: ۱۰۲) میں داخل ہے۔ اور یہ بے معنی دلیل پیش کرنا کہ ”وقت شادی ان کے چچا کی موجودگی پر میں نے دلی

بن کر شادی ولا یا لہذا نکاح منسوخ ہے۔ عجیب بے عقلی اور گناہ کا اعادہ کرنا ہے۔ اگر بچا کی موجودگی میں نانا کے نکاح پڑھانے سے نکاح نہیں ہوتا تو کیا اس نے اپنی نواسی کو زنا کرانے کے لئے زید کے حوالہ کیا تھا۔ اس کے نانا کو چاہئے کہ خدا سے ڈرے اور میاں بیوی میں تفریق کا باعث اور اپنے کو مورد ظن نہ بنائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ

صدر مدرس جامعہ لطیفیہ، بحر العلوم کٹیہار۔ ۱۱ مئی ۱۴۲۵ھ بروز یکشنبہ ۱۳۵۵ھ

☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید فضولی نے ہندہ بالغہ، باکرہ کا نکاح خالد سے بلاعتن و دو گواہ باجائز باپ ہندہ کے بعوض مبلغ ایک سو پڑار روپیہ (جو کہ مہر شل سے نصف کم سے قریب ہے) ایک جماعت عام میں کرویا۔ زید یا پدر ہندہ نے خود ہندہ سے قبل نکاح اجازت لی تھی اور نہ بعد نکاح اطلاع دی۔ مگر ہندہ کو قتل سے خبر تھی کہ آج خالد سے میرا نکاح ہے اور جب دوسرے اجنبی لوگوں نے نکاح کی خبر ہندہ کو دی تو ہندہ چپ رہی اور انکار نہیں کیا اور خلوت بھیجی نہ ہوئی۔ ایسی صورت میں نکاح ہو گیا یا تجدید نکاح کی ضرورت ہے؟ یتوا بالکتاب نوحرو با یوم الحساب

الجواب واللہ الموفق للصواب۔

الجواب: اس صورت میں نکاح ہندہ کی صریح اجازت پر موقوف ہے۔ لہذا لازم ہے کہ ہندہ سے صاف لفظوں میں منظوری نکاح کا اقرار کرالیا جائے ورنہ ابداً یا دوز تا ہوتا رہے گا اور ولادہ و ولد الحرام قرار پائے گی جیسا کہ ہدایہ میں ہے: ”وإذا استأذنتها الولی فسکت أو ضحكت فهو إذن بقوله يُطَلِّقُ الْبِكْرَ تستأمر في نفسها فإن سكنت فقد رضيت أو قال وإن فعل هذا غير الولی لم یکن رضا حتی تنکلم به لأن هذا لسکوت تغلة الإلتفات الی کلامہ فلم یقع دلالة علی الرضا ولو وقع فهو محتمل والاكتفاء یستلھ للحاجة والحاجة فی حق غیر الاولیاء یختلف إذا ماکان المستأمر رسول الولی لانه قائم مقامه انتہی۔“

اگر یہ کہا جائے کہ خلوت صحیحہ سے بڑھ کر اور رضا مندی کے لئے صراحت کی کیا ضرورت ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ احکام شرعیہ کی تکمیل ضروری ہے اور بلا تصریح کے محض و علی ہو جانے سے صحت نکاح کا حکم نہیں دے سکتے ہیں کیونکہ شیوع جہالت کا زمانہ ہے اور جہل شرعاً عذر نہیں واللہ اعلم۔ اور جب کہ نکاح بذات جمع عام میں ہوا ہے، دو گواہوں کے تعین نہ ہونے سے کوئی حرج نہیں ہے۔ اور جبکہ نکاح بذات موقوف ہے تو صرف تصریح اذن سے نافذ ہو جائے گا، و و بارہ نکاح پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور جبکہ ہندہ کے باپ نے مہر شل سے کم پر اجازت دی ہے تو وہی کو فتح نکاح کا حق بنی نہ رہا واللہ اعلم بالصواب۔

نصفہ المسکین ابو المظفر محمد سعید الدین عفی عنہ المدرس الاول فی المدرسة العزیزہ

بین السوال والجبوب عجب اضطراب مشوش قلب واقع ہے۔ سوال میں زید نکاح پڑھانے والے کو فضولی بتایا گیا ہے اور فضولی وہ شخص ہے جو ماہور پانٹا لے عقد نہ ہوا اور جواب میں یہ عبارت ”اور جبکہ ہندہ کے باپ نے مہر مثل سے تم پر اجازت دیدی ہے تو کوئی کوئی نکاح کا حق بھی نہ رہا“ جو سوال کے اندر داخل نہیں ہے، جواب کو مفید اطمینان ہونے سے منع ہوتی ہے کیونکہ یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ آیا باپ کی طرف سے یہ اجازت زید کو حاصل ہوئی تھی اور اسی اجازت کی بناء پر پانٹا لے عقد ہوا؟ اگر یہی صورت ہے تو فضولی نہیں ٹھہرتا بلکہ ماہور منجاب اب ہوا۔ فانی بصرہ صبح هذا الجواب یا یہ کہ یہ اجازت باپ سے بعد از انشاء عقد خبر ہو چکے پر پھر ایہ رضا میں صادر ہوئی، اس صورت میں گو جواب از روئے عبارت صاحب ہدایہ صحیح ہو سکتا ہے لیکن عمل نظر ضرور ہے۔ فقط کتبہ علی نعمت الظواری رحمت زید باری

(سوال مطول و مفصل)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بالذہ باکرہ کی منسوب خالد سے ایک سال سے تھی۔ اور ہندہ اور ہندہ کے باپ وغیرہ کو معلوم تھا کہ آج ہندہ کا نکاح ہے۔ لیکن ہندہ کا باپ چار کوس پر تھا۔ ہندہ کے باپ نے اکبر کے نام سے خط لکھا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں بیمار ہوں۔ یہ یادہ روی سے مجبور ہوں، سہاری لیتی نہیں ہے۔ میں تو چاہتا تھا کہ تاریخ پڑھا دی جاتی تاکہ میری بھی شرکت ہوتی۔ مگر جب کہ عورتوں نے تاریخ مقرر کر لی ہے تو انجام ہی ہونا ضرور ہے۔ زید وہاں موجود ہے بعض مبلغ ایکس ہزار روپیہ نکاح کر دے۔ لڑکی میری دانستہ بالذہ ہے، اس کی بھی اجازت لے لے اور احمد آرمہ خط کو زبانی ہدایت بھی ایسی کر دی۔ زید ہندہ کے باپ کا حرف بیچنا تھا پانٹا لے اجازت اکبر خط پڑھ کر احمد آرمہ خط کا زبانی بیان سن کر بلا لینے ثبوت شہادت، زید نے بعض مبلغ ایکس ہزار روپیہ (جو کہ مہر مثل سے نصف کم کے قریب ہے) ایک مجمع عام میں پانٹا خر دو کرنے دو گا، کہے، ہندہ کا نکاح خالد سے کر دیا۔ زید یا پدر ہندہ نے خود ہندہ سے قبل نکاح اجازت نہیں لی تھی اور نہ بعد نکاح خود زید یا کسی دوسرے شخص خاص نے ہندہ کو نکاح کی خریدی۔ مگر جب نکاح ہو گیا تو گھر پر شور مچ گیا کہ نکاح ہو گیا، نکاح ہو گیا۔ جس وقت تو اسے نکاح کی خبر ہندہ کے گھر پہنچی (ہندہ بیٹھریں تھی) صریح لفظوں میں اقرار یا انکار نہ کیا اور خلوت سمجھتی بھی ہو گئی۔ ہندہ خالد سے راضی ہے اور ہندہ کے باپ کو بھی کوئی کام نہیں ہے۔ ایسی صورت میں نکاح صحیح و نافذ ہو گیا یا تجدید نکاح و تصریح اذن ہندہ کی ضرورت ہے اور بالفرض اسی صورت میں اگر ہندہ کے باپ کا خط نہیں آتا اور زبانی ہدایت بھی نہیں ہوتی تو کیا جواب ہوگا؟

(انتباہ) لیکن فیہ میں امورات غصہ مفصلہ ذیل پر ضرور دلیل شافی ہونی چاہئے:

(۱) اجازت بالکتابت جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس صورت میں زید وکیل منجاب پدر ہندہ قرار پائے گا یا نہیں؟ خانیہ وغیرہ میں صریح ہے کہ اگر ولی نے بلا اجازت اپنی لڑکی بالذہ کا نکاح پڑھا یا تو یہ نکاح لڑکی کی رضا پر موقوف ہے۔ اگر بالذہ ہے تو سکوت بھی رضا ہوگا جیسا کہ عند الاستیذان سکوت رضا پر محمول ہے۔ پس اگر زید وکیل پدر ہندہ قرار پاتا ہے تو اس کے نکاح پڑھا دینے پر سکوت، رضا پر محمول ہوگا یا نہیں؟ اور اگر بالفرض زید وکیل نہیں بلکہ فضولی قرار دیا